JANUARY 1941 R L No

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

رسالہ اشاعت اسلام

اردو ترجمہ رسالہ اسلامک ریویو انگریزی

مجریہ

شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان

حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم مبلغ اسلام و بانی ووکنگ مسلم مشن انگلستان

مدیر اعزازی

خواجہ نذیر احمد بیرسٹر ایٹ لا لاہور

قیمت تین روپے آٹھ آنہ (عہ) سالانہ

قیمت پانچ روپے (صہ) ممالک غیر کیلئے

درخواستہائے خریداری بنام مینیجر رسالہ اشاعت اسلام - عزیز منزل - برانڈرتھ روڈ - لاہور پنجاب انڈیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝ اللہ اکبر نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (آل عمران آیت ۱۰۴)

ترجمہ۔ اور چاہیے کہ تم میں ایک گروہ ہو جو بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھے کاموں کا حکم دیں اور برے کاموں سے روکیں اور وہی کامیاب ہونے والے ہیں

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَي الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝

ترجمہ۔ وہی (ذات پاک) ہے جس نے اپنے رسول (محمدؐ) کو ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا تاکہ اسکو تمام دینوں پر غالب کرے۔ گو مشرکوں کو برا (ہی کیوں نہ) لگے

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان — مغرب میں تبلیغ اسلام کا واحد مرکز

ووکنگ مسلم مشن انگلستان

کے ذریعہ

یورپ۔ امریکہ و کل انگریزی دان مسیحی ممالک میں اس وقت اسلام کی اشاعت ہو رہی ہے

(۱) تشکیل مشن۔ ووکنگ مسلم مشن کا جملہ تبلیغی کاروبار ایک باضابطہ رجسٹری شدہ ٹرسٹ کے ماتحت ہے جس کا نام **"ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ"** ہے۔ اس ٹرسٹ میں (۱) ووکنگ مسلم مشن انگلستان (۲) رسالہ اسلامک ریویو (انگریزی) (۳) رسالہ اشاعت اسلام (اردو)۔ (۴) کتب خانہ بشیر مسلم لائبریری (۵) مسلم لٹریری فنڈ (۶) ووکنگ مسلم مشن کا سرمایہ محفوظ۔ شامل ہیں۔

(۲) اغراض و مقاصد۔ (۱) ووکنگ مسلم مشن اور اس کی متعلقہ تحریکات کو انگلستان و دیگر ممالک میں غیر فرقہ دارانہ اصول پر زندہ رکھنا۔ (۲) مغربی ممالک میں تحریر و تقریر کے ذریعہ اسلام کی اشاعت کرنا۔ (۳) انگریزی میں اسلامی کتب و رسائل کو کثرت سے مسیحی حلقوں میں مفت تقسیم کرنا۔ (۴) انگلستان و دیگر مسیحی ممالک میں تمام امور سرانجام دینا جن کی اسلام کی تبلیغ کے لئے ضرورت ہے۔

(۳) تبلیغی مسلک۔ (۱) مشن کی تبلیغ فقط لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ تک محدود ہے۔ (۲) اس کو کسی فرقۂ اسلام یا جماعت یا انجمن سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ (۳) یہ مشن ایک غیر فرقہ دارانہ ٹرسٹ کے ماتحت ہے۔ جس کے ٹرسٹیز مختلف فرقہائے اسلام سے تعلق رکھتے ہیں۔ (۴) ووکنگ مشن کی نمازیں فرقہ بندی سے بالاتر ہیں۔ یہ مشن امامت نماز میں کسی فرقی تمیز کو ملحوظ نہیں رکھتا۔ (۵) مسجد ووکنگ کے امام مختلف فرقہائے اسلام کے رہ چکے ہیں۔ جن میں نومسلمین بھی شامل ہیں۔

(۴) مغربی ممالک میں اسلام کی اشاعت کے ذرائع (۱) رسالہ اسلامک ریویو انگریزی۔ ہزاروں کی تعداد میں۔ یورپ۔ امریکہ و دیگر انگریزی دان مسیحی ممالک میں غیر مسلمین نومسلمین اخوان و خواتین کو ہر ماہ تبلیغ کے لئے مفت بھیجا جاتا ہے۔ (۲) دنیا بھر کی مشہور و معروف غیر مسلم مسیحی لائبریریوں کو رسالہ اسلامک ریویو ہر ماہ مفت بھیجا جاتا ہے۔ (۳) انگریزی اسلامی ادبیات کی مفت اشاعت کی جاتی ہے (۴) مشن کے مبلغین ہفتہ ... لندن میں اور دو دفعہ مسجد ووکنگ میں اسلام پر لیکچر دیتے ہیں۔ لیکچر کے بعد سامعین کی چاء سے تواضع کی جاتی ہے (۵) جمعہ کی نماز لندن میں ادا ... جن میں نومسلمین مسلمین و مسلم طلباء۔ کثیر تعداد میں شامل ہوتے ہیں۔ (۶) عیدین کے سالانہ اجتماعوں میں ایک ہزار سے اوپر نفوس شامل ہو... جن میں نومسلمین کے علاوہ غیر مسلمین زائرین بھی۔ اسلامی اخوت کے اس دلفریب منظر کو دیکھنے کیلئے

The first leave party from the Indian Contingent with the British Expeditionary Forces, at the Shah Jehan Mosque, Woking, to say their Jum'a prayers on Friday the 10th May, 1940.

یہ بڑی نیکی ہے کہ آپ رسالہ کی خریداری بڑھائیں کیونکہ اس رسالہ کی آمد بحث جنگ ووکنگ مسلم مشن کے اخراجات کی کفیل ہے۔ رسالہ ہذا کی دس ہزار اشاعت ووکنگ مشن کے ½ اخراجات کی ذمہ دار ہو سکتی ہے

فہرست مضامین

رسالہ

اشاعت اسلام

جلد ۲۷ | ماہ جنوری ۱۹۴۱ء مطابق ذی الحج ۱۳۵۹ھ | نمبر ۱

گیلانی الیکٹرک پریس ہسپتال روڈ لاہور میں باہتمام خواجہ عبد الغنی پرنٹر و پبلشر چھپ کر عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع ہوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

بابت ماہ جنوری ۱۹۴۱ء

شذرات

اس ماہ ہم اپنے قارئین کرام کی خدمت میں ہندوستانی سپاہیوں کی ایک جماعت کی فوٹو پیش کرتے ہیں جو شاہجہان مسجد ووکنگ (انگلستان) میں جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے وارد ہوئی۔ فوٹو مذکورہ کا یہ دلکش منظر ثابت کر رہا ہے کہ ہمارے بھائی فریضہ جنگ کے دوش بدوش مذہبی فریضہ کو بھی ادا کرتے ہیں جس سے قرون اولیٰ کے مسلمان سپاہیوں کی اس جنگی سپرٹ کا اعادہ ہوتا ہے۔ جبکہ وہ اللہ تعالےٰ کا نام بلند کرنے کے لئے برسرپیکار ہوا کرتے تھے۔ دعا ہے کہ ان ہندوستانی سپاہیوں کو اللہ تعالےٰ مظفر ومنصور واپس لائے۔

اسلام اور ہندوازم

"اور ہم نے ان انبیاء کو مبعوث کیا جن کا ذکر ہم نے پہلے سے تمہارے ساتھ کر دیا ہوا ہے اور ان انبیاء کو بھی جن کا ہم نے تم سے ذکر نہیں کیا اور اللہ تعالےٰ موسیٰ سے ہمکلام ہوا"

"ہم انبیاء کو مبعوث کرتے ہیں بحیثیت مبشر ہونے کے اور بحیثیت منذر ہونیکے۔ تاکہ لوگوں کو رسولوں کے مبعوث ہونے کے بعد اللہ تعالےٰ کے خلاف کوئی عذر نہ رہے اور اللہ بڑا غالب ہے اور حکمت والا ہے"۔

اسلام کو ہندوستان میں آئے ایک ہزار برس سے بھی زیادہ عرصہ ہو چکا ہے۔ یہ مذہب کسی عارضی مہمان کی حیثیت سے یہاں نہیں آیا تھا۔ گو بعض مسلم افراد اس حیثیت سے یہاں آئے لیکن مذہب اسلام کو یہاں جم کر ہندوستان کی قومی زندگی کا لازمہ بننا تھا۔

اسلام کی واحد غرض جبکہ وہ صفحۂ دنیا پر ظاہر ہوا "خدمت" تھی۔ اس نے اطراف عالم میں اپنے پیرؤں کو مخلوق خدا کی خدمت اور دستگیری کے لئے روانہ کیا۔ اگرچہ مسلمانوں کی آمد ہمیشہ خوشگوار ثابت نہ ہوئی ہو لیکن اسلام ایک مذہب کی حیثیت سے جہاں کہیں بھی گیا ہمیشہ محبانہ اور پرامن طریق سے داخل ہوا۔ لوگ مسلم افواج کی کارگزاریوں سے تو بخوبی واقف ہیں، لیکن اسلام دنیا کے مختلف حصوں میں کس محبت سے پھیلا یہ وہ بہت کم جانتے ہیں۔ محمود غزنوی کے متعلق تو ان کی معلومات کافی وسیع ہیں لیکن خواجہ معین الدین چشتی کے متعلق ان کا علم بہت ناقص ہے۔ یہ اسلام کے لئے کوئی اچھا شگون نہیں لیکن ہمیں اس حقیقت پر کف افسوس ملتے رہنے سے وقت کو ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔

پٹھانوں اور مغلوں کی سیاسی فتوحات اور انتظامی دستور العمل کے پس پردہ اسلام کا روحانی اثر ایک غیر محسوس اور نہایت ہی خوشگوار طریق پر کارفرما تھا اور یہ اثر آہستہ آہستہ لیکن پختگی کے ساتھ ہندوانڈیا کے ڈگمگاتے ہوئے قومی کیرکٹر میں زندگی کی روح پھونک رہا تھا۔

یہ خیال صحیح نہیں کہ ایک الہامی مذہب صرف انہی لوگوں کی روحانی زندگیوں پر اثر انداز ہوتا

ہے جو ظاہری طور پر اس کا اقبال کرتے ہیں اس کے برعکس وہ بارش کی ایک بوچھار کی طرح جو کوہستانی چوٹیوں پر پڑتی ہے اس کے فوائد دُور دراز علاقوں کے لئے بھی ویسے ہی ہوتے ہیں جیسا کہ ان علاقوں کے لئے جن پر کہ وہ گرتی ہے۔ محققین مذہب نے قدرت کے اس اصل کی طرف بہت کم توجہ دی ہے کہ ایک جدید الہام قدیم مذاہب کے متبعین کے رُوحانی نظریہ میں بھی ایک عظیم الشان تبدیلی پیدا کر دیتا ہے۔ مثلاً اسلام نے ایک طرف عرب کی زندگی میں اور اُن لوگوں کی زندگی میں جنھوں نے اسلام قبول کیا ایک انقلاب پیدا کیا تو دوسری طرف اس نے دیگر قدیم مذاہب کے ماننے والوں کے قلوب میں حقیقی زندگی کی رُوح پھونک دینے میں بھی فرو گذاشت نہیں کی۔ چنانچہ اسلام کی بعثت کے وقت سے تمام قدیم مذاہب میں ایک انقلاب نظر آتا ہے جس کا قدم بہتری اور ترقی کی طرف اُٹھ رہا ہے۔ اگر ایک طرف عیسائیت اور یہودیت نے اسلام کے لائے ہوئے از سرِ نو زندگی پیدا کر دینے والے جذبات اور خیالات سے عظیم الشان فائدہ اُٹھایا ہے تو دوسری طرف ہندو مذہب بھی ان جذبات اور خیالات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہا۔ جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کی آمد سے پہلے کا ہندو مذہب اس مذہب سے بالکل مختلف ہے جس نے اسلام کی آمد کے وقت سے نشو و نما پایا ہے۔ یہ درست ہے کہ بذات خود ان مذاہب کی ہیئت مجموعی میں اصلاحی عناصر ہمیشہ موجود رہتے ہیں لیکن یہ امر نظر انداز نہیں کر دینا چاہیئے کہ ان عناصر کو ڈھونڈ نکالنے کے لئے روشنی اور اُن کو بروئے کار لانے کی خواہش ہمیشہ جدید مذاہب کی وساطت ہی میسّر آسکتی ہے اور اس میں اصلاح لینے والے مذہب کے لئے کوئی کسر شان نہیں۔ ایک قدیم مذہب بھی ویسے ہی دین الٰہی ہوتا ہے جیسے کہ جدید مذہب۔ دونوں کا منبع ایک ہوتا ہے۔ پس اگر وہ دونوں ایک دوسرے کی ہمنوائی نہ کریں گے تو اور کون کریگا؟

اب وقت آگیا ہے کہ مختلف مذہبی فرقوں کے اس خیال کی کہ وہی قربِ الٰہی کے واحد اجارہ دار ہیں تردید کی جائے۔ کسی واحد مذہب یا سرزمین کے ساتھ تعلق باللہ کو مختص کر دینے کیخلاف آواز اُٹھانا محض حقیقت مذہب کو پہنچنے کے لئے ہی ضروری نہیں بلکہ بین الاقوامی اور بین المذاہب امن کے حصول کے لئے بھی اس کی ضرورت ہے۔ اسلام کی خدمات اس معاملہ میں بہت کارآمد

ثابت ہونگی اسلام بے دریغ اس بات کی تبلیغ کرتا ہے کہ تمام مذاہب خدا کی طرف سے ہیں اور یہ کہ بنی نوع انسان نے آج تک جتنی بھی مذہبی جماعتیں دیکھیں سب قرب الٰہی میں برابر کی شریک ہیں مسلم وہ لوگ ہیں۔ "جو اس پر ایمان لاتے ہیں جو تجھ پر (یعنی آنحضرت پر) اُتارا گیا اور اس پر ایمان لاتے ہیں جو تجھ سے پہلے اتارا گیا" اور مسلم وہ لوگ ہیں جو اُن میں سے کسی ایک میں بھی فرق نہیں کرتے (یعنی خدا کی طرف سے بھیجے ہوئے مصلح اور مذہبی پیشواؤں میں)۔ ایک مسلمان اپنے مذہبی معتقدات کی رُو سے اس بات کا پابند ہے کہ دوسرے مذاہب کے بانیوں کی عزت کرے لیکن وہ اس بات کے لئے بھی تیار نہیں کہ زمانہ سلف کے کسی رجل عظیم کو خدا کا مجسمہ اور اس کا بیٹا تسلیم کرے اس کے نزدیک اس قسم کے رجال عظیم کی صرف اتنی ہی حیثیت ہوتی ہے کہ وہ خدا کے رسُول ہوتے ہیں اور اپنے اس عقیدہ کیساتھ وہ ان لوگوں سے زیادہ ان رجال عظیم کی عزت افزائی کا باعث ہوتا ہے جو انہیں اس سے بڑھکر کوئی درجہ دیتے ہیں۔

بیشک اب وقت آگیا ہے کہ دنیا اس حقیقت کا اعتراف کرے کہ اسلام نے کبھی بھی گذشتہ روایات کو پامال نہیں کیا۔ بلکہ اس کے برعکس اس نے روایات میں اضافہ کیا اور ان کی توسیع کی ہے۔

ہندوازم نے اپنے آپ کو ایک مستقل اور شاندار مذہب ثابت کرایا ہے۔ غالباً یہودیت کے بعد اس کی روایات سب سے زیادہ قدیم اور مستقل ہیں۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہ ہندوؤں کی ہی عظیم الشان قوم ہے جس نے تمدن کے بارے میں اپنا پتہ یہودیوں کے برابر کر دکھایا۔ یہ بات قابل غور ہے کہ عرصہ دراز کی خاموشی کے بعد اب ہندوؤں کے دلوں میں از سر نو اپنی نسلی روایات کو تازہ کرنے کی تڑپ پیدا ہوتی ہے۔ ہمیں اپنے ہندو بھائیوں کو اس امر کا یقین دلانے میں تاخیر نہیں کرنا چاہیئے کہ اگر فی الحقیقت ہندو مذہب کے احیاء سے مراد ہندوؤں کے پیشوا شری کرشن جی مہاراج اور شری رام جی مہاراج کے ایام کا احیاء ہو تو اس میں قلب مسلم کے لئے سوائے پیغام مسرت کے اور کچھ نہیں۔ لیکن ساتھ ہی ہمیں ہندوؤں کو متنبہ بھی کر دینا چاہیئے کہ اس قسم کے احیاء کے ماسوا کچھ اور ان کی مقدس روایات کے ساتھ دھوکا ہوگا۔ ہم اپنے ہندو ہم وطنوں کو مزید یقین دلاتے ہیں کہ اسلام ہندوستان کی مقدس روایات

کے تحفظ میں ان کی بہت مدد کر سکتا ہے۔ قرآن کریم کا نور مسلمہ صداقتوں کے عمق کو پہنچنے کے لئے مشعل ہدایت کا کام دے گا ـــــــــــــــــــ وہ صداقتیں جو تمثیلات اور فلسفیانہ تشبیہات کے انبار تلے دبی پڑی ہیں اور زمانہ قدیم کے رشیوں کے بے لوث اور معقول مذہب کی جن صداقتوں کے گرد انسانی دماغ کی عیاریاں ہالہ کئے ہوئے ہیں۔

یہ مشرقی ذہنیت کا خاصہ ہے کہ وہ کسی امداد یا استفادہ کا جو اسے کسی سے پہنچے بلا تردد اعتراف کرتی ہے۔ مغرب اس معاملہ میں اس کے برعکس تاریخ پیش کرتا ہے۔ مغرب عمداً اس دماغی اور تمدنی امداد کا انکار کرتا چلا آیا ہے جس کے لئے وہ اسلام کا مرہون منت ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ہندو انڈیا کی مشرقی ذہنیت اس قابل شرم طریق کو اختیار نہیں کرے گی اور اس رُوحانی ذہنی ارتقاء کے تحفے کا جو اسلام اس قدیمی اور بڑی سرزمین میں لایا فوراً اعتراف کرے گی۔ ان سطور کے متعلق کسی قسم کی رائے زنی اس موضوع پر دوستانہ تبادلہ خیالات کے لئے راستہ کھول دے گی کہ اسلام ان اُمنگوں کو پورا کرنے کے لئے کیا کچھ کر سکتا ہے جو ہندوستانی حب الوطنوں کے دلوں میں انگڑائیاں لے رہی ہیں۔ اجنبی استعمار سے رہائی حاصل کرنے کا مطمع نظر یقیناً ایک قابل تعریف چیز ہے لیکن جہاں تک ہم سمجھتے ہیں ہندوستان جیسے ملک کے لئے جس کی رُوحانی روایات اس قدر وسیع ہیں یہ مطمع نظر ناکافی ہے۔ اکثر اوقات ہم دیکھتے ہیں کہ قضا و قدر کا ہاتھ ہماری منشاء کے خلاف ہی ہماری قسمت کا فیصلہ کر دیتا ہے۔ پس کون کہہ سکتا ہے کہ ہندوستان کی بلند تر تقدیر کا فیصلہ نہ ہو جائے اور ہم مغربی مادیت کے زیر اثر پیدا شدہ نسبتاً ادنیٰ مقاصد میں سختی سے اُلجھ کر ہی رہ جائیں۔

ہمارے ہندو ہم وطنوں کو اس امر کا بھی خیال رہے کہ اسلام نے ایک نئی شان کے ساتھ ان کی طرف مصالحت کا ہاتھ بڑھایا ہے۔ یہ شان اس لحاظ سے نئی نہیں کہ اس کی شریعت میں کوئی تبدیلی ہوئی ہے بلکہ اس لحاظ سے نئی ہے کہ اسلام ازسرِنو ایک ایسے جوش و خروش کے ساتھ اُٹھا ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔ اس نشان کو اس کا اخلاقی و روحانی دَور کہنا مناسب ہوگا۔ گو یہ شان اس میں ہمیشہ موجود رہی ہے لیکن اسکی سیاسی شان نے آج تک اسے پس پشت ڈال رکھا تھا۔ مگر اب جبکہ سیاسی شان کم و بیش پیچھے جا پڑی ہے تو اخلاقی و رُوحانی شان کو اپنی پوری

آب و تاب کیساتھ چمکنے کا موقعہ مل گیا ہے۔ باوجود مغربی مادیت کے اس تمام رنگ کے جو ہندوؤں کے دلوں پر چڑھ چکا ہے ہمارا ایمان ہے کہ وہ اب بھی اپنے دل کی گہرائیوں میں مذہب پرست اور عبادت گذار ہیں۔ اور ان سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ ایک رُوحانی آواز پر مادیت کے مقابلہ میں جلدی لبیک کہیں گے آج اسلام ہی دنیا میں ایک ایسا مذہب ہے جو روحانیت کی طرف بلاتا ہے اور اسکی یہ دعوت اتنی پُرزور ثابت ہو چکی ہے کہ خود مغرب کو اس پر کان دھرنے پڑے۔ کیا یہ پیغام ہندوؤں کے کانوں پر بے اثر ثابت ہوگا؟ ہم اللہ پر بھروسہ رکھتے ہوئے وثوق کیساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ایسا ہرگز نہ ہوگا۔

آنحضرت صلعم کا خط
قیصرِ رُوم کے نام

(از جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ ایم اے (عثمانیہ) پی ایچ ڈی (جرمنی) ڈی لٹ (پیرس))

آغازِ اسلام کے وقت شام کا زرخیز علاقہ بیزنطینی سلطنت کے ماتحت تھا، اس کے جنوب میں جزیرہ نمائے عرب کی سرحد پر بہت سے بدوی قبائل بستے تھے، جو آزاد تو تھے، لیکن بیزنطینی اثرات ان پر کارفرما تھے، انھیں قیصرِ رُوم کی جانب سے معقول معاش مقرر تھی[1]، اس کے معاوضے میں وہ حاجز کا کام دیتے تھے۔ اور خانہ بدوش عربوں کو بیزنطینی علاقے پر چھاپہ مارنے سے روکتے تھے، عرب بہت قدیم زمانے سے شام کے ساتھ تجارتی تعلقات رکھتے تھے، اور ہر سال گرمی کے موسم میں ان کے کاروان اور قافلے شام پہنچتے تھے۔

ایرانی و بیزنطینی سلطنتوں میں نسلاً نسل سے برابر جنگ کا سلسلہ جاری تھا، اور آنحضرت صلعم کی بعثت کے وقت تو اس میں اور تیزی پیدا ہوگئی تھی، اس سے متحاربین میں سے کسی کو بھی کیا فائدہ پہنچتا، دونوں روز بروز کمزور ہوتے ہی چلے گئے۔ ہجرت نبوی سے کچھ پہلے ۶۱۳ء تا

---

[1] De Goeje mémoire sur la conquête de la Syrie 2 ed. p. 29. De Nicephori Cpolitani de rebus post mauricium gestis p. 27.

سنہ ۶۱۶ء میں ایرانی فوجوں نے دمشق، بیت المقدس اور اسکندریہ پر قبضہ کر لیا، مگر ہجرت کے پانچویں سال سنہ ۶۲۷ء میں نینوہ کے مقام پر ایرانیوں کو کچھ ایسی زبردست اور مکمل شکست ہوئی، کہ لڑائی کا پانسا ہی پلٹ گیا، اور بیزنطینیوں نے نہ صرف اپنا کھویا ہوا سب علاقہ واپس لے لیا بلکہ حریف سے من مانی شرطیں بھی منوالیں[1]،

مسلمان مؤرخ[2] بیان کرتے ہیں، کہ سنہ ۶ھ کے اواخر میں آنحضرت صلعم نے بیزنطینیوں کے سردار (عظیم الروم) کے نام ایک نامہ[3] بھیجا، اور سفیر کو حکم دیا کہ شہر بصری (علاقہ حوران) کے حاکم کے حوالے وہ خط کر دے، گورنر بصری نے اس کا انتظام خود کیا[4]، کہ وہ خط ہرقل کے پاس جو ان دنوں ایشیائے کوچک میں مقیم تھا، بھیج دے،

اگرچہ گولٹ سی ہر[5] جیسے مؤلفوں کو اس واقعے کی صداقت کے تسلیم کرنے میں تامل نہیں، لیکن ہم یہاں ان اعتراضات کی چھان بین کریں گے، جو مختلف یورپی علماء کی طرف سے اٹھائے گئے ہیں، چنانچہ سویڈن کے مشہور مؤلف بول[6] نے آنحضرت صلعم کی سیرت لکھتے ہوئے ان خطوط کا بھی ذکر کیا ہے جو ہمسایہ فرمانرواؤں کے نام تبلیغ کے لئے بھیجے گئے تھے، مگر اسے اس واقعہ کی صحت میں شبہ ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ مسلمان مؤرخوں کی روایت کے بموجب آنحضرت صلعم کے فرستادہ

---

۱ NoldeKe Encyclopaedia Britannira s.v Persia

۲ مثلاً تاریخ طبری ص (۱۵۵۹) ۳ء آنحضرت صلعم کے اس مکتوب کا متن حسب ذیل کتابوں میں ملتا ہے،
صحیح بخاری کتاب نمبر۱ باب نمبر۱، کتاب نمبر۵۶ باب نمبر۱۰۲، کتاب نمبر۶۵، باب نمبر۳، حدیث نمبر۴، تاریخ طبری ص۱۵۱۵
مسند احمد حنبل جلد نمبر۱ ص ۲۶۳، جلد نمبر۳ صفحہ ۴۴۱، تاریخ یعقوبی جلد دوم ص نمبر ۸۴، صبح الاعشیٰ مؤلفہ قلقشندی جلد نمبر۶ صفحہ نمبر ۳۶۳ تا ۳۷۷، مفید العلوم و مبید الہموم مؤلفہ قزوینی، باب ششم نمبر۲، زاد المعاد، مؤلفہ ابن القیم، جلد نمبر۳ ص نمبر ۶۰، رسالت نبویہ مؤلفہ عبد المنعم خاں نمبر ۱۲۱، وغیرہ وغیرہ۔

۴ صحیح بخاری کتاب نمبر۱، باب نمبر۶ نیز کتاب نمبر۵۶ باب نمبر۱۰۲

۵ Goldziher: die Religion Islams (Kultur den Gegenwart IIII Teubner 1906) P.96

۶ Buhl: Das Leben Mohammeds

معجزانہ طور سے ان ممالک کی زبانیں بولنے لگ گئے، جہاں انہیں بھیجا گیا تھا، یہ قصہ اصل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے متعلق مشہور ہے، کہ انہیں دنیا کے مختلف حصوں میں جانے کے لئے نامزد کیا گیا، اور اُن کے عذر پر کہ انہوں ان ملکوں کی زبانیں نہیں آتیں، حضرت عیسیٰ نے دُعا کی، اور ہر حواری خود بخود اس ملک کی بولی بولنے لگ گیا، جہاں اسے بھیجا جا رہا، دوسرے الفاظ میں مسلمان مؤرخوں نے آنحضرت صلعم کے ہمسایہ ممالک میں سفیروں کے بھیجنے اور ان سفیروں کے نئی زبانوں کے خود بخود سیکھ جانے کے قصے کو محض اس لئے گھڑ لیا ہے کہ آنحضرت صلعم کسی بات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کم نظر نہ آئیں،

لیکن بول کو غلط فہمی ہوئی ہے، اگرچہ اس سلسلے میں اس نے اپنے کسی ماخذ کا حوالہ نہیں دیا ہے، لیکن کوئی تعجب نہیں، جو خدا بخشے واقدی کی کسی افسانہ نگاری سے اسے سابقہ پڑا ہو، چنانچہ ابن سعد نے بھی طبقات (جلد اول حصہ دوم ص نمبر ۱۹) واقدی کی ایک روایت نقل کی ہے، جس میں واقعے کے بعض اہم جزئیات کو نظر انداز کر دینے سے مطلب خبط ہو گیا، یہ واقعہ پورے تفصیلات کے ساتھ ہمیں ابن ہشام کی سیرت رسول اللہ (ص ۹۷۱) میں اور طبری کی تاریخ (سلسلہ اول ص ۱۵۶۰) میں ملتا ہے[1]، وہاں تو کچھ اور ہی ذکر ہے، چنانچہ لکھا ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد ایک دن آنحضرت صلعم نے یہ طے فرمایا کہ متعدد ہمسایہ فرمانرواؤں کے پاس تبلیغ اسلام کے لئے سفارتیں بھیجی جائیں، سفیروں کو نامزد کرنے سے پہلے آپ نے احتیاطاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزے اور فرستادہ حواریوں کا قصہ بیان فرمایا، اور ارشاد کیا کہ اگر میں بھی کچھ سفیر بھیجنا چاہوں تو تم لوگوں کو ان حواریوں کی طرح ہچکچاہٹ اور پس و پیش نہیں کرنا چاہیئے، اس کے بعد اعلان فرمایا کہ فلاں شخص فلاں حکمران کے پاس خط لے جائے اور فلاں شخص فلاں کے پاس۔

اس روایت میں نہ تو کوئی خارق العادۃ واقعہ ہے اور نہ کوئی خلاف عقل یا غیر قرین قیاس امر، حواریوں کا قصہ بیان کئے جانے کی ضرورت بھی واضح ہے، کہ کسی صحابی کو ذرا بھی تردد پیدا نہ ہو، اس واقعے سے شاید ہم یہ بھی معلوم کر سکتے ہیں، کہ آنحضرت صلعم کو ہمسایہ ممالک میں تبلیغ کرنے کا خیال کس طرح پیدا ہوا، وہ کون شارع مذہب ہو گا، جو حضرت عیسیٰ کی بیان کردہ فرستادگیٔ حوارین کی اقتداء

---

[1] نیز دیکھئے تاریخ مصر مؤلفہ ابن عبد الحکیم (طبع لائڈن) ص ۴۵۔

کا خیال نہ کرے فبھدٰھم اقتدہ[1] تو خود قرآنی حکم ہے،

اب کچھ کائتانی کے اعتراضات بھی سنئے[2]:-

۱- مسلمان مؤرخ سفراء کے بھیجنے کا واقعہ ۶ھ کے اواخر کا قرار دیتے ہیں، اور پھر یہی مؤرخین (کائتانی نے، واقدی، ابن ہشام، یعقوبی، طبری جیسے متقدمین کے نام اس تذکرے کے آخر میں بطور مآخذ واقعہ گنائے ہیں) کہتے ہیں کہ حضرت وحیہ کے مال متاع پر قیصر کی سفارت سے واپسی پر جو ڈاکہ پڑا وہ ۶ھ کے وسط میں پیش آیا ۶ھ کے اواخر میں روانگی اور اسی سال کے وسط میں واپسی بدیہی طور پر ناممکن ہے،

۲- حضرت وحیہؓ کا قیصر کے پاس جانا بیان کیا جاتا ہے، اور وہ خیبر کی مہم میں بھی شریک رہتے ہیں، یہ مہم سفارت کی روانگی کے بعد ہی پیش آئی، اور یہ غیر قرین قیاس ہے کہ حضرت وحیہؓ سفارت کو سرانجام دیکر اس قدر جلد واپس ہو گئے ہوں،

۳- مسلمان مؤرخ بیان کرتے ہیں کہ اسلامی سفیر نے قیصر سے بیت المقدس میں ملاقات کی جب کہ وہ (قیصر) صلیب مقدس کے ایرانیوں سے واپس مل جانے کی خوشی میں ہاں آیا ہوا تھا، قیصر کی آمد ۶۲۹ء کی ابتدا یعنی ۷ھ کے اواخر میں ہوئی نہ کہ اوائل میں جیسا کہ مسلمان مؤرخین کے بیان سے مترشح ہوتا ہے،

۴- سیرت ابن ہشام حقیقت میں سیرت ابن اسحاق کی تہذیب دادہ صورت ہے، مگر ان سفارتوں کی روانگی کا واقعہ ابن اسحاق کی اصل کتاب میں نہیں ہے، کیونکہ روایت کی ابتداء میں ابن ہشام نے ابن اسحاق کا نام نہیں لیا ہے، (یعنی یہ واقعہ ابن ہشام نے خود گھڑ لیا ہے،)

۵- سفیروں کی روانگی اگرچہ اتنا اہم واقعہ ہے کہ لیکن عربی تاریخوں اور حدیث کی کتابوں میں جملہ روایتیں صرف ایک ابن عباس ہی سے منقول ہیں، دیگر صحابہ کے بیانات بالکل مفقود ہیں،،

---

[1] قرآن مجید سورہ ۶، آیت ۹۰،

[2] Caetani: annali dell Islam (1905) 6H: 56

کائتانی کا پہلا اعتراض، کچھ ٹھیک نہیں، سیرۃ ابن ہشام (ص ۹۷۶) اور تاریخ یعقوبی (جلد دوم ص ۴۷) میں جہاں حضرت وحیہؓ کا مال لٹنے وغیرہ کی مہم کا ذکر ہے، بلا تعین تاریخ واقعہ بیان کیا گیا ہے، جیسے اور بہت سے واقعات کا ان میں تذکرہ ہے، ظاہر ہے کہ اس سے کوئی استدلال نہیں کیا جا سکتا، تاریخ طبری میں (ص ۱۵۵۵ پر) بے شبہ ۶ھ کے وسط کا ذکر ہے، مگر یہ واقدی کی روایت ہے اور معلوم ہوتا ہے، کہ طبری نے خود اس کو قبول نہیں کیا ہے، کیونکہ تھوڑی دور آگے چل کر طبری نے (ص ۱۵۶۱ پر) اپنی تاریخ میں مکرر اس مہم کا اس کے موقعہ پر ذکر کیا ہے اگرچہ اسجگہ طبری نے تاریخ نہیں بیان کی ہے، لیکن واقعات اپنی ترتیب سے بیان ہوتے ہیں، طبری کا واقدی کی روایتوں کے متعلق جو رجحان ہے، وہ معروف ہے، ان روایتوں کے ساتھ اکثر زعم الواقدی کا ایک حد تک طنزیہ فقرہ ضرور ہوتا ہے، اب رہتی ہے ایک واقدی کی روایت، سو واقدی کی حیثیت ایک تاریخی فسانہ نگار سے بڑھکر نہیں، اس بیان کو بے پس وپیش رد کیا جا سکتا ہے،[1] واقدی کی توقیتی غلطی کو مصری مؤرخ زینی وحلان نے محسوس کر لیا تھا، چنانچہ سیرت نبوی لکھتے ہوئے اس واقعے کے تذکرے میں واقدی کی روایت کو اسی بنا پر رد کر دیا ہے کہ سفیر کی روانگی سے پہلے واپسی ناممکن ہے،[2]

عرب مؤرخ یہ ضرور بیان کرتے ہیں، کہ حضرت وحیہؓ جب قیصر روم کو مکتوب نبوی پہنچا کر شام سے واپس آرہے تھے تو ان پر چند بدوی قبائل نے ڈاکہ ڈالا، مگر معلوم ہوتا ہے کہ مؤرخین کو ایک

---

[1] اصل میں واقدی نے واقعات کے وقت کے ذکر میں سہواً اس بات کا لحاظ نہیں کیا ہے کہ حجاز سنہ کبیسہ رائج تھا، اور ہر تین سال میں ایک مہینہ بڑھایا جاتا تھا، پھر بعض وقت سنہ ہجری سے وقت مقرر کیا ہے اور بعض وقت تاریخ ہجرت سے (دیکھئے کائتانی کی تاریخ اتالی ۸ھ ف ۱۳ نوٹ نمبر ۱) سب جانتے ہیں کہ ہجرت نبوی اور سنہ ہجری میں ۳ ماہ کا فرق ہے، اور ۸ھ میں حجاز کے مروجہ سنہ اور ہجری سنہ میں دو ماہ کا فرق ہو جاتا ہے، اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ واقدی نے حضرت وحیہؓ کی مہم کا وقت بیان کرتے وقت وجہ عربی سنہ کی جگہ سنہ ہجری بیان کر دیا، اور کبیسہ مہینوں کے بڑھانے کا خیال نہ رکھا، تو پھر اس پانچ چھ ماہ کے فرق کا اصلی باعث معلوم ہو جاتا ہے، [2] السیرۃ المحمدیہ مؤلفہ زینی وحلان جلد نمبر ۲ ص نمبر ۱۲۷، [3] مثلاً سیرۃ ابن ہشام (طبع یورپ) ص ۹۷۱،

غلط فہمی ہوئی ہے، کیونکہ حضرت وحیہؓ [۱] ۶ھ [۲] کے اواخر میں شام کو روانہ ہوئے، اور جب وہ قبیلۂ جذام کے علاقے میں سے گزرے تو اس قبیلے کے چند رہزنی پیشہ افراد نے اُن پر حملہ کیا، اس قبیلہ میں چند خاندان مسلمان ہو چکے تھے، جب انہیں اطلاع ملی، تو فوراً دوڑے، اور حضرت وحیہؓ کا مال جو وہ تجارت کے لئے لے جا رہے تھے [۳] کہ وہ جو قیصر نے بطور انعام واکرام دیا تھا، جیساکہ کاستانی نے واقدی کے افسانے سے اخذ کر کے لکھا ہے، ڈاکوؤں کے ہاتھ سے چھڑایا، حضرت وحیہؓ غضبناک ہو کر مدینہ منورہ واپس آئے اور آنحضرت صلعم سے شکایت کی، اس کو بعض افراد عوام نے یہ سمجھ لیا کہ سفارت پوری کر کے واپس آ گئے، اور انھیں کی روایت مسلمان مؤرخین کے پاس جگہ پا گئی،

آنحضرت صلعم نے فوراً ایک تنبیہی مہم روانہ فرمائی، اور چند دن بعد خود بھی خیبر کی جنگ پر روانہ ہو گئے، جہاں حضرت وحیہؓ ساتھ رہے، اور خیبر کی فتح کے بعد معلوم ہوتا ہے، کہ دوبارہ شام کو روانہ ہو گئے، تاکہ قیصر کو نامۂ مبارک پہنچائیں، یہ یاد رہے کہ اس واقعے کے جزئیات سب حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے ماخوذ ہیں، حضرت ابن عباسؓ کی عمر اس واقعے کے وقت دس سال سے زیادہ نہ تھی، انہیں یہ حالات بعد میں اور لوگوں کی زبانی معلوم ہوئے ہونگے، اس لئے واقعے کے جزئیات میں بعض کوتاہیوں یا غلطیوں کا امکان ضرور رہتا ہے، گو اس کے ذمہ دار وہ خود نہیں اس سے ضمناً یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ فرستادگی سفارت کا واقعہ حضرت ابن عباسؓ کے زمانے میں بھی ملک میں مشہور تھا گو ایک سرکاری اور حکومتی معاملہ ہونے کے باعث اس کے تمام جزئیات سے عوام کو واقفیت نہیں ہو سکتی تھی،

حضرت وحیہؓ پر ڈاکے کے سلسلے میں جو مہم بھیجی گئی تھی، وہ حسمیٰ نامی مقام پر پہنچی، حسمیٰ کا مقام وادی القریٰ کے پرے مدینے سے آٹھ دن کے فاصلے [۴] پر واقعہ ہے، یلغار کرتے آئیں، تو بعض وقت اونٹ یہاں سے مدینہ کو تین ہی دن میں پہنچ گئے ہیں [۵]، بعض حالیہ یورپی سیاح بھی تبوک کے اطراف میں اس نام کے ایک پہاڑ کا ذکر کرتے ہیں [۶]، غرض یہ مقام مدینہ سے اتنا قریب ہے

---

[۱] ... [۲] معجم البلدان مؤلفہ یاقوت لفظ حسمیٰ [۳] سیرۃ ابن ہشام ص ۹۷۸

Jaussen et Savignac, Mission archéologique en Arabie Paris 1909) Vol I-P. 64

کہ حضرت وحیہؓ کی سفارت پر روانگی و واپسی اور تبیبی مہم سب اس مدت کے اندر وقوع میں آسکتے ہیں جو آنحضرت صلعم کی صلح حدیبیہ سے واپسی اور خیبر کی روانگی کے مابین پائی جاتی ہے، ابن ہشام[1] کے مطابق آنحضرت صلعم حدیبیہ سے ذی قعد ۶ھ کے آخری دنوں میں مدینہ واپس آئے، اور محرم ۷ھ میں خیبر روانہ ہوئے، ابن سعد[2] کے مطابق خیبر کو روانگی اور چند ماہ بعد عمل میں آئی، غرضیکہ حدیبیہ سے واپسی اور خیبر کو روانگی کے مابین کم از کم پانچ ہفتوں کا وقفہ پایا جاتا ہے، اور یہ مدت حضرت وحیہؓ کی روانگی اور حسمی کی تبیبی مہم کے پیش آنے کے لئے کافی ہے

کائتانی کا دوسرا اعتراض بھی مذکورہ بالا توضیح کے سامنے ٹھہر نہیں سکتا، کائتانی کو حضرت وحیہؓ کی جنگ خیبر میں شرکت صرف واقدی میں ملی ہے، مگر یہ واقعہ ابن ہشام، طبری اور بخاری[3] نے بھی بیان کیا ہے، تاہم جیسا کہ ہم دکھا چکے ہیں حضرت وحیہؓ کا ہم خیبر میں شریک رہنا ناممکن نہیں، اور نہ ہی وہ اس بات کے لئے کوئی ثبوت بن سکتی ہے کہ سفارت شام کا واقعہ من گھڑت ہے،

تیسرا اعتراض بھی برقرار نہیں رہ سکتا، کیونکہ سفیر مذکور کا ۶ھ کے اواخر میں بیت المقدس میں رہنا کسی طرح بھی غیر قرین قیاس نہیں، علاوہ براں یہ امر قابل ذکر ہے، کہ واقعات زیر بحث کے اسلامی ماخذوں میں امام بخاری کی شخصیت سب سے ممتاز ہے اور انہیں بہر حال واقدی پر ترجیح دینی ہوگی خاص کر اس لئے کہ دونوں نے واقعات کو حضرت ابن عباس رض کی روایت سے بیان کیا ہے، امام بخاری کا بیان ہے کہ آنحضرت صلعم نے اپنے سفیر کو حکم دیا تھا کہ خط گورنر بصری کے حوالہ کرے، اور اور اس خط کو گورنر بصری نے قیصر کے پاس حمص خود بھیجا، قیصر بیت المقدس جا رہا تھا، تاکہ وہاں صلیب مقدس کی واپسی کے شکرانے کی تقریب میں حصہ لے، چنانچہ گورنر بصری کا خط ملنے پر قیصر نے جسے اسلام اور بانی اسلام کے متعلق کوئی معلومات نہ تھے، حکم دیا کہ رومی علاقے میں اگر حجازی تاجر آئے ہوئے ہوں، تو انھیں حاضر کیا جائے، معلوم ہوتا ہے کہ ان تاجروں کو بیت المقدس میں باریابی کا موقعہ حاصل ہوا،

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ص ۷۵۵، تا ۷۵۶، نیز تاریخ طبری ۶ھ کے واقعات کا آخری حصہ، [2] طبقات ابن سعد جلد دوم حصہ اول ص ۷۷، [3] صحیح بخاری کتاب نمبر ۴۸ باب نمبر ۲۸ حدیث نمبر ۹ نیز کتاب نمبر ۶۴ باب نمبر ۳۸ حدیث نمبر ۲

رہا قیصر کا سفر سو ۶۲۹ء کی روایت یونانی مؤرخ تیوفانؒ نے بیان کی ہے، مگر مؤرخ نقیفور (Nicephore) لکھتا ہے، کہ قیصر ہرقل ۶۲۸ء میں بیت المقدس آیا، وہاں کے گرجے کی یادداشت بھی اسی کی تائید میں ہے اور اس سے یہ تعیین ہوتی ہے کہ ۶۲۸ء عیسوی میں وسط دسمبر میں ہرقل نے عید و اپسی صلیب میں شرکت کی،

چوتھا اعتراض بھی درست نہیں، کیونکہ گو ابن ہشامؒ نے سفیروں کے واقعے کو بیان کرتے وقت شروع میں ابن اسحاق کا نام نہیں لیا ہے، لیکن اس روایت کے سلسلے میں ذرا نیچے اس نے دو مرتبہ ابن اسحاق کا حوالہ دیا ہے، ابن ہشام نے یہ بھی لکھا ہے کہ یمن اور بحرین کی سفارتوں کا حال اس کی ذاتی تحقیق کا نتیجہ ہے، جس کے معنی دوسرے الفاظ میں یہ ہیں، کہ باقی دیگر سفارتیں خود ابن اسحاق کی بیان کردہ ہیں، مزید براں اس بات کا ثبوت موجود ہے، کہ ابن اسحاق نے قیصر و نجاشی کے پاس بھیجے ہوئے سفیروں اور خطوں کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے، کیونکہ اگرچہ ابن ہشام نے اپنی کتاب میں ان خطوط کے متن حذف کر دیئے ہیں، لیکن طبریؒ، بیہقیؒ اور قلقشندیؒ نے ان خطوط کے متن ابن اسحاق کے حوالہ ہی سے درج کئے ہیں

کائتانی کا پانچواں اور آخری اعتراض یہ تھا کہ سفارت کا اہم واقعہ صرف حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا ہے، اگرچہ اس سے کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا، مگر یہ اعتراض بھی کائتانی کی تحقیقات کا سطحی ہونا ثابت کرتی ہے، کیونکہ علاوہ دیگر مؤلفینؒ کے، بلاذریؒ، اور احمد بن حنبل رحؒ نے قیصر کی سفارت حضرت انس رضؓ کی روایت کی بنا پر بھی بیان کی ہے،

یہ امر قابل ذکر ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت انسؓ جو ہمارے ماخذ معلومات ہیں آنحضرت

۱؎ Sprenger. das Leben und die Lehre des Moh-ammed III-P. 261. N-1.

۲؎ سیرۃ ابن ہشام ص ۹۷۰ تا ۹۷۲ ۳؎ تاریخ طبری ص ۱۵۶۵، ۱۵۶۹ تا ۱۵۷۰ ۴؎ منقول از رسالات نبویہ مؤلفہ عبدالمنعم خان نمبر ۹ ۱۰؎ صبح الاعشیٰ جلد ۶ ص ۳۷۹، ۳۶۶ ۱۱؎ ابن حبان (منقول از سیرۃ الحلبیہ مؤلفہ زینی دحلان جلد دوم ص نمبر ۲۸۵) ۱۲؎ فتوح البلدان مورخہ بلاذری (طبع یورپ) ص ۱۶۱
۱۳؎ مسند احمد حنبل جلد ۳ ص ۱۳۳

صلعم کے خاص صحابہ میں سے ہیں، ایک آپ کے چچا زاد بھائی ہیں، تو دوسرے شخصی خادم، ان دونوں نے شام و مصر کے فتوحات اپنی آنکھوں سے دیکھے، ان کے متعلق اس بات کا کس طرح گمان ہو سکتا ہے کہ ان میں اپنے آپ کو حقیر سمجھنے کا جذبہ پایا جاتا ہو جس کے تحت انھوں نے اپنے بانی مذہب کی بڑائی دکھانے کے لئے قیصر روم سے خط و کتابت کا واقعہ گھڑ لیا ہو، ان دونوں بڑی عمر پانیوالے صحابیوں کی نوجوانی ہی میں قیصر ہرقل کی فوجوں کو مسلمان متعدد فاش شکستیں دے چکے تھے اور اسکی سلطنت کے چند نہایت زرخیز صوبے چھین چکے تھے،

یہ تو جواب تھے اعتراضوں کے، انھوں نے عدم امکان کو رفع کرنے کی کوشش کی ہے، ان کے علاوہ بعض اور وجوہ ہیں، جو ہمیں ارسال سفیر کے واقعہ کی صحت کا یقین دلاتے ہیں:۔

اوّلاً یہ واقعہ ہے کہ ہمعصر بیزنطینی تاریخیں موجود نہیں ہیں، بیزنطینی حکومت کے دربار میں بھی سرکاری وقائع نگار رہوا کرتے تھے، مگر ایک زمانے میں ایک صدی تک ان میں فصل پڑ گیا، آنحضرت صلعم کا دور بھی اس وقفہ سے تعلق رکھتا ہے، اگر بعد کے بیزنطینی مؤرخوں نے آنحضرت صلعم کے خط کا تذکرہ نہ کیا ہو تو کوئی حیرت نہیں کیونکہ وہ عیسائی تھے، اور ان کے بادشاہ کو اگر کسی نئے مذہب کے بانی نے تبلیغ کی ہو، تو ان کی نظروں میں اس خط کو کیا اہمیت ہو سکتی ہے، مسلمانوں سے بعد میں ان کی لڑائیاں رہیں۔ اسی لئے یہ بیزنطینی مؤرخ[۲] جنگ موتہ کا ضرور ذکر کرتے ہیں، جس میں آنحضرت

---

[۱] زوناراس (Zonaras) بارہویں صدی عیسوی کا مشہور یونانی مؤرخ ہے، وہ قسطنطنیہ میں حکومت کا میر منشی تھا، پھر سیاسیات سے کنارکشی کر کے راہبانہ زندگی اختیار کر لی، اور اسی سلسلے میں ایک تاریخ عالم لکھی، اس نے بعض اہم اور ایسی کتابوں کے اقتباسات اپنی تاریخ میں دیئے ہیں، جو آج مفقود ہیں، اس ایک مؤلف نے البتہ لکھا ہے، کہ آنحضرت صلعم قیصر سے ملنے کیلئے خود تشریف لائے تھے اور یہ کہ قیصر نے آپ کو کچھ زمین جاگیر میں دی، زوناراس کے متعلق دیگر معلومات کرومباخر کی کتاب ادبیات یونان (Krumbacker, Geschickte der Byzantinischen Literatur, P. 34.44) میں ملیں گے، زوناراس کی کتاب کا یونانی متن مع لاطینی ترجمے کے شہر بون واقع جرمنی میں ۱۸۹۷ء میں چھپا ہے، اس کتاب کے متعدد یورپی زبانوں (باقی برصفحہ آئندہ)

[۲] دیکھئے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، لفظ محمد بحوالہ Theophanes. Chronographie ed. De Boor vol I, P 335

صلعم کی روانہ کردہ فوجوں کو بیزنطینی فوجوں نے شکست دی تھی،

دوسرے یہ کہ جملہ مسلمان مؤرخ جن میں امام بخاری جیسی محتاط شخصیت شامل ہے اس سفارت کا ذکر کرتے ہیں،

تیسرے خود نفس معاملہ میں کوئی امر غیر قرین عقل نہیں، ایک بانی مذہب اپنی کامیابیوں سے حوصلہ و ہمت پاکر ایک ہمسایہ حکمران کو تبلیغ دین کرنے کی خواہش کرتا ہے، اور اس حکمران کے ایک صوبہ دار کے توسط سے جس سے اس کے ہم وطن تجارت کے سلسلہ میں اچھی طرح واقف تھے اس حکمران کے نام ایک خط روانہ کرتا ہے۔ کیونکہ حکمران مذکور کا قیام اکثر سمندر پار قسطنطنیہ میں رہتا ہے، اس کی کہاں توقع کی جا سکتی ہے، کہ نبی حجازی (صلعم) کے مرسلہ خطوط میں ان ظاہری اور رسمی امور کی پابندی ہو، جو سلاطین عظام اپنی خط و کتابت میں ملحوظ رکھتے ہیں، قیصر ہرقل کا نام عرب میں ہر شخص جانتا تھا، یہ وہی بادشاہ تھا، جس نے اکتیس سال (سنہ ۶۱۰ء تا سنہ ۶۴۱ء) حکومت کی اور عربوں کی گرمائی تجارت گاہ شام و فلسطین و مصر کو ایرانیوں کے ہاتھوں سے دوبارہ چھین لیا

میں ترجمے ہوئے، مگر میرے پیش نظر صرف لاطینی ترجمہ تھا، جس کا ضروری اقتباس دیا جاتا ہے:- Ineodem regis triumphali ex Persia reditu regem conventit maometus Saracenorum princeps .... is igitur ex Aethribo progressus regem convenit et regionem ad habitandum petitam accepit" Joannes Zonaras Epitomae Historiarum Edit, XIV.17.12-27 - P 214

نیز دیکھئے Dictionnaire d'Histoire et de Geographie Ecclesiastiques (Paris 1914) Vol III - S. Karabie col 1284

تھا، یہ بات نہ بھلائی جائے گی، کہ خط گورنر بصری کے پاس بھیجا گیا تھا، سفیر کے ذمے یہ فریضہ بالکل نہ تھا کہ وہ قیصر سے بھی ملاقات کرے،

چوتھے خود اصل خط کی موجودگی ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے چھٹی صدی ہجری کے مراکشی مؤرخ سہیلی نے چشمدید گواہوں کی شہادت پر یہ واقعہ بیان کیا ہے[۱]، کہ ان کے زمانے میں اسپین (قسطیلہ) کے حکمران الفونسو[۲] نے جس کے قبضے میں آنحضرت صلعم کا خط بنام ہرقل موجود تھا، ایک مسلمان سپہ سالار عبدالملک ابن سعید کو دکھایا، نیز یہ کہ الفونسو کی وفات کے بعد یہ نامۂ مبارک اس کے نواسے کو وراثت میں ملا، اس سے ایک صدی بعد علامہ عینی کا زمانہ آتا ہے، وہ مصر کے مملوک سلاطین کے دربار میں بڑا رسوخ رکھتے اور اعلیٰ سرکاری خدمت پر مامور تھے[۳] وہ بھی لکھتے ہیں کہ مملوک[۴] سلطان قلادوں نے اسپین کے عیسائی بادشاہ کے پاس ایک سفارت بھیجی تھی، اور اس بادشاہ نے سلطان کے سفیر سیف الدین قلیج کو نامۂ مذکور بتایا تھا، یہ سفارت ۶۲۸ھ میں بھیجی گئی تھی[۵]، ابن فضل اللہ العمری (فوت ۷۴۹ھ) مصر کے میر منشی کا زمانہ اس کے بعد آتا ہے، اس نے بھی اپنی کتاب میں سلاطین عالم کے القاب کے سلسلے میں شاہ اسپین کا ذکر کیا ہے[۶]، اور بتایا ہے کہ شاہ اسپین کے سفیر نے اس سے گفتگو کی، اور شاہ اسپین قیصر ہرقل کی اولاد[۷] میں سے ہے، اور یہ کہ نامۂ نبوی بنام ہرقل اسوقت تک شاہ اسپین

---

[۱] روض الانف مؤلفہ سہیلی، جلد دوم ص ۳۲۱. [۲] اس نام کو عرب مؤلفوں نے معرب کر کے اذفونش بنا لیا ہے. [۳] ان کے حالات کے لئے دیکھئے، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام نیز عمدۃ القاری مؤلفہ عینی جلد اوّل ص ۱۱۶، نیز دیکھئے فتح الباری مؤلفہ ابن حجر عسقلانی شرح حدیث بخاری کتاب نمبر۱، باب نمبر۶، المواھب اللدنیۃ، مؤلفہ قسطلانی جلد دوم ص ۲۹۶، السیرۃ النبویہ مؤلفہ دحلان جلد دوم ص ۲۴۴، [۴] قلادون کے خارجہ سیاسی تعلقات کے لئے دیکھو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، خاص اس سفارت کے مزید حالات کیلئے دیکھئے، تشریف الایام والعصور بسیرۃ السلطان الملک المنصور (مخطوطہ کتب خانہ عام پاریس کتاب عربی نمبر ۱۷۰۴) ورق ۱۲۱ ب تا ورق ۱۲۴ ب، [۶] التعریف بالمصطلح الشریف ص ۶۲ مطبوعہ مصر ۱۳۱۲ھ

[۷] اس کی تائید میں دیکھئے نفح الطیب مؤلفہ مقری جلد دوم ص ۵۸۱،

کے پاس محفوظ و موجود ہے،

مراکش کے مشہور امیر و عالم شیخ عبدالحئی کتانی نے حال میں ایک دلچسپ[1] کتاب شائع کی ہو جس میں عہد نبویؐ کے جملہ سیاسی اور سماجی اداروں اور پیشوں کے متعلق کتب حدیث و تاریخ وغیرہ کا مواد اکٹھا کر دیا ہے، اس کتاب کی جلد اول صفحہ (۱۶۰ تا ۱۶۸) میں خاص اس خط کے متعلق ایک باب باندھا ہے، انھوں نے خفاجی (فوت ۱۰۶۹ھ) کی کتاب شرح شفاء جلد سوم صفحہ (۱۷۴) طبع اوّل پر یہ عبارت ڈھونڈ نکالی ہے،

"کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کا خط اب تک اسپین کے بادشاہوں کے پاس موجود ہے وہ اس کی عزت کرتے ہیں، اور ایک سنہری صندوق میں حفاظت سے رکھتے ہیں اور نسلاً بعد نسلٍ اس کی نگہداشت کی وصیت کرتے آتے ہیں"[2]

اسی طرح شیخ کتانی کی تحقیقات[3] سے مراکش کے ایک مشہور مؤلف شیخ ابوراس بن احمد بن ناصر الراشدی المعسکری (فوت ۱۲۳۸ھ) کی کتاب الخبر المعرب عن الامر الحال بالاندلس ثغور المغرب میں بھی اس خط کے وجود کا ذکر پایا گیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کتانی کو اس خط سے دلچسپی رہی، چنانچہ وہ لکھتے ہیں[4] کہ جب وہ ۱۳۲۱ھ میں اپنی مراکش کے پایۂ تخت تطوان گئے تو وہاں کے اسپینی ریسیڈنٹ جنرل (مقیم عام) سے اس بارے میں گفتگو کی، مگر جب سے مسلمان اسپین سے جاچکے ہیں اس کا کوئی پتہ نہیں چلتا، چنانچہ مقیم عام مذکور کو بھی اس بارے میں کوئی علم یا اطلاع نہیں تھی، مراکش کے سلطان مولی اسمٰعیل بن الشریف نے بھی اپنے ہمعصر شاہ فرانس سے اس بارے میں خط و کتابت کی تھی، کیونکہ سُنا جاتا تھا کہ وہ اب فرانس میں ہے مگر ۱۳۳۲ھ میں جب رئیس جمہوریہ فرانس، مراکش کے دورے پر آیا تو اس نے مقامی مسلمان علماء کی دریافت پر کہا کہ فرانس میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے، اور نہ اس نے اس سے پہلے اس

---

[1] التراتیب الاداریہ والعمالات والصناعات والمتاجر والحالة العلمیة التی کانت علی عهد تاسیس المدینة الاسلامیة فی المدینة المنورة العلیة" مطبوعہ شہر رباط [2] بحوالۂ کتانی جلد اوّل ص ۱۶۰، ۱۶۱

[3] بحوالہ کتانی جلد اول ص ۱۶۱۔ [4] بحوالہ کتانی جلد اول ص ۱۶۱ تا ۱۶۲۔

بارے میں کچھ سنا ہے، شیخ کتانی نے چند اور مسلمان مؤلفوں کے حوالے دیئے ہیں جنہوں نے اس خط کی موجودگی کا ذکر کیا ہے، مگر ان کے بیانات سے کوئی بات نہیں معلوم ہوتی،

یہ بات بھی قابل ذکر ہے، کہ اسلامی مؤرخوں کے بیان کے مطابق آنحضرت صلعم نے جنگ تبوک کے وقت قیصر ہرقل کو ایک اور خط بھیجا تھا، بعض بیانات سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس دفعہ بھی حضرت وحیہ رض ہی سفیر تھے، بعض متاخر مؤلف قیصر اور ہرقل میں فرق کرتے ہیں، اور یقین دلاتے ہیں، کہ ہرقل شام کے گورنر کا نام تھا، اور قیصر قسطنطنیہ کے بادشاہ کا لقب تھا، اور یہ کہ آنحضرت صلعم کا خط قیصر کے نام نہیں، بلکہ ہرقل گورنر شام کے نام تھا، مگر شاید اسے غلط فہمی پر محمول کیا جا سکتا ہے، آنحضرت صلعم کے زمانے میں سلطنت روم دو خود مختار مملکتوں پر مشتمل تھی، ایک کا پائے تخت روم تھا، تو دوسری کا قسطنطنیہ قیصر عموماً روم کے شہنشاہ کا لقب ہوتا تھا، مگر اسلامی مؤرخ قسطنطنیہ کے بادشاہ کو بھی قیصر ہی کہتے آئے ہیں، اور قسطنطنیہ کی بیزنطینی حکومت ہی شام کی مالک تھی، آنحضرت صلعم کے زمانے میں وہاں ہرقل ہی حکمران تھا اسلئے قیصر اور ہرقل کا امتیاز کوئی اہمیت نہیں رکھتا،

اس بحث کے بعد اب شاید یہ کہا جا سکتا ہے کہ آنحضرت صلعم کا بیزنطینی شہنشاہ ہرقل کو تبلیغی خط لکھنا ناممکن نہیں ہے، بلکہ حالات اس کی تائید ہی میں ہیں،

---

[۱] الکواکب الدراری مؤلفہ الکرمانی نور النبراس مؤلفہ البرهان الحلبی، حاشیۃ الصحیح مؤلفہ ابن غازی، تشنیف المسامع مؤلفہ ابو زید الفاسی سمط اللآل مؤلفہ شیخ قومیسم التونسی، روض القرطاس مؤلفہ ابن ابی زرع، حواشی العارف الفاسی علی الصحیح وغیرہ۔

ابن ابی زرع کی کتاب کے صفحہ ۱۸۰ میں البتہ یہ لکھا ہے کہ ۵۹۱ھ میں ملک الناصر لدین اللہ محمد بن یعقوب المنصور الموحدی نے جب اسپین پر چڑھائی کا ارادہ کیا تو شاہ الفونسو (ادفونش) نے خود حاضر ہو کر آنحضرت صلعم کا نامہ بنام ہرقل ملک الناصر کے ملاحظہ میں پیش کیا، اور اسکی وساطت سے رحم کی درخواست کی۔

[۲] صبح الاعشیٰ مؤلفہ قلقشندی جلد نمبر ۶ صفحہ ۳۶۷ بحوالہ ابو عبید، التنبیہ والاشراف مؤلفہ مسعودی ص ۲۵۷ السیرۃ النبویہ مؤلفہ دحلان جلد دوم صفحہ ۵۱۴، روض الانف مؤلفہ سہیلی جلد دوم ص ۳۲۰،

[۳] مسند احمد بن حنبل جلد سوم ص ۴۴۱ [۴] التصریف بالمصطلح الشریف مؤلفہ ابن فضل اللہ ص ۴۶

رسولِ کریم صلعم کا ایفائے عہد اور آپکی پابندی

۱۔ جابرؓ سے روایت ہے کہ جب پیغمبر خدا صلعم وفات پا گئے تو علاء ابن حضرمی کی طرف سے کچھ مال حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں لایا گیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے اعلان کیا کہ کوئی شخص ایسا ہو جس نے پیغمبر خدا سے کوئی قرضہ لینا ہو یا جس سے آنحضرت صلعم نے وعدہ فرمایا ہو تو وہ سامنے آئے۔ جابرؓ نے کہا کہ آنحضرت صلعم نے مجھ سے فلاں فلاں چیز دینے کا وعدہ فرمایا تھا اور اس کے بعد آپؐ نے دست مبارک سے تین مرتبہ اشارہ فرمایا تھا۔ جابرؓ کہتے ہیں کہ اس پر حضرت ابو بکرؓ نے مجھے روپوں کا ایک بوجھ دیا جن کو میں نے گنا تو مجھے تعجب ہوا کہ وہ ۵۰۰ دینار تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ اس سے دو چند لے لو۔ (متفق علیہ)

۲۔ ابو حذیفہ راوی ہیں کہ میں نے پیغمبر خدا صلعم کا رنگ سفید پڑتے دیکھا۔ آپ بوڑھے ہو چکے تھے اور حسن ابن علیؓ میں آپ کی مشابہت پیدا ہو رہی تھی۔ آپ نے ہمارے لئے تیرہ اونٹنیوں کا حکم دیا ہم اس کے بعد انکو لینے کیلئے روانہ ہو گئے لیکن آپ کی وفات درمیان میں حائل ہو گئی اور آپ ہمیں کچھ نہ دے سکے۔ جب حضرت ابو بکرؓ نے کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ جس کسی سے بھی آنحضرت صلعم نے کوئی وعدہ فرمایا ہو وہ سامنے آئے تو میں ان کے پاس پہنچا اور انہیں اسکی اطلاع دی جس پر انہوں نے ہمارے لئے اونٹنیوں کا حکم دیدیا۔ (ترمذی)

۳۔ عبداللہ ابن ابی الحماء سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلعم سے آپ کی بعثت سے قبل ایک تجارتی معاہدہ کیا۔ میری طرف آپکی کچھ رقم بقایا رہتی تھی، چنانچہ میں نے آپ سے وعدہ کیا کہ میں وہ رقم لے کر آپ کی خدمت میں متعینہ جگہ پر حاضر ہو جاؤں گا۔ لیکن میں اُسدن بھول گیا اور تین روز کے بعد جب مجھے یاد آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضور مقررہ جگہ پر موجود ہیں آپؐ نے مجھ سے فرمایا:۔

"تم نے مجھے بڑی تکلیف دی ہے اور میں یہاں پر تین روز سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں" (ابو داؤد)

۴- زید بن ارقم سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلعم نے فرمایا۔ "جب ایک شخص اپنے بھائی سے وعدہ کرتا ہے اور اس کی نیت اسکو پورا کرنے کی ہوتی ہے لیکن وہ اسے پورا نہیں کرتا اور نہ ہی مقررہ وقت پر آتا ہے تو اس پر کوئی گناہ نہیں" (ابوداؤد۔ ترمذی)

۵- ابوہریرہ اس روایت کو آنحضرت صلعم تک پہنچاتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا۔

"یقیناً اللہ تعالیٰ جو ذوالجلال ہے فرماتا ہے میں دو حصہ داروں میں تیسرا شریک ہوتا ہوں جب تک کہ ان دونوں میں سے ایک اپنے ساتھی کے ساتھ خیانت نہیں کرتا۔ لیکن جب ان میں سے ایک دوسرے کے ساتھ خیانت کر لیتا ہے تو میں بیچ میں سے نکل کر علیحدہ ہو جاتا ہوں"۔

(ابوداؤد)

۶- اسی راوی سے آنحضرت صلعم کے متعلق روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ "اس شخص کیساتھ دیانت دار رہو جس نے تم پر بھروسہ کیا ہے اور اس سے خیانت مت کرو جس نے تم سے خیانت کی" (ترمذی۔ ابوداؤد)

۷- ابوسعید سے روایت ہے کہ پیغمبر خدا صلعم نے فرمایا۔

"یقیناً قیامت کے روز اللہ تعالےٰ کے نزدیک سب سے بڑی امانت وہ ہوگی (اور ایک روایت میں ہے کہ یقیناً قیامت کے دن مردوں میں سے سب سے کم رتبہ اس مرد کا ہوگا) کہ ایک مرد اپنی بیوی کے پاس جاتا ہے (اور وہ بھی اس سے ہمبستر ہوتی ہے) اور پھر مرد اس کے رازوں کو بتلا دیتا ہے" (مسلم)

۸- جابر ابن عبداللہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا:۔

"جب ایک شخص کوئی خبر دیتا ہے اور پھر اسکو خفیہ رکھنے کی تلقین کرتا ہے تو یہ ایک امانت ہے" (ترمذی۔ ابوداؤد)

۹- عمرؓ سے روایت ہے کہ پیغمبر خدا نے فرمایا:۔

"جب تم دیکھو کہ ایک شخص اللہ تعالےٰ کے راستہ میں امانت میں خیانت کر رہا ہے تو اس کی چیزوں کو جلا دو اور اسے پیٹو" (ابوداؤد۔ ترمذی)

۱۰- جابرؓ سے روایت ہے کہ پیغمبر خدا نے فرمایا:۔

"تمام مجالس امانت ہیں سوائے تین قسم کی مجالس کے۔ یعنی ناحق خونریزی کے لئے مجالس۔ ناجائز مرد وزن کے تعلقات کے لئے مجالس یا بغیر کسی جائز وجہ کے کسی کی جائداد لے لینے کے لئے مجالس۔" (ابو داؤد)

۱۱۔ سفیان ابن الحضری سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے پیغمبر خدا کو فرماتے سُنا کہ یہ امانت میں خیانت کی انتہا ہے کہ تم اپنے بھائی کو کوئی خبر پہنچاؤ اور وہ تمہیں صادق سمجھتا ہو حالانکہ تم اس سے غلط بیانی کر رہے ہو" (ابو داؤد)

۱۲۔ عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ پیغمبر خدا نے فرمایا:۔

جب تم میں چار چیزیں موجود ہوں تو تمہیں کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ امانت کی حفاظت کرو۔ قول میں سچے ہونا اور کھانے میں میانہ رو ہونا۔ چلن میں نیک ہونا" (احمد۔ بیہقی)

۱۳۔ انس سے روایت ہے کہ پیغمبر خدا شاید ہی کبھی ان اقوال کو فرمانے کے بغیر ہم سے خطاب فرماتے تھے کہ:۔

جو کسی اعتبار کا مستحق نہیں اس میں کوئی ایمان نہیں اور اس کا کوئی مذہب نہیں جو وعدے ایفا نہیں کر سکتا" (بیہقی)

بُت پرستی بھگتی میں بے اعتدالی کا رنگ

"اور وہ (کفار) خدا کے علاوہ ان ہستیوں کی پرستش کرتے ہیں، جو زمین اور آسمان میں کسی شئے پر قدرت نہیں رکھتیں، اور نہ ان میں کسی قسم کی طاقت ہے، پس تم کسی کو خدا کا شریک نہ بناؤ، یقیناً خدا سب کچھ جانتا ہے اور تم کچھ نہیں جانتے" (۱۶: ۷۳ (۴ ۷)

کہدیجئے کہ اگر اللہ کے علاوہ اور بھی معبود ہوتے جیسا کہ کفار کہتے ہیں تو یقیناً وہ اس قادر مطلق خدا تک رسائی کی کوئی صورت ضرور پیدا کر لیتے" (۱۷: ۴۲)

یہ امر موجب تسلی ہے کہ، جوں جوں عقل کی روشنی پھیلتی جاتی ہے، لوگ بت پرستی، کا جواز ثابت کرنیکی سعی لاحاصل سے، مجتنب ہوتے جاتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ بت پرستی ایک تمثیلی تصور سے شروع ہوتی ہے۔ لیکن تمثیل اور حقیقت میں جو باریک فلسفیانہ فرق ہے، خصوصاً عبادت میں اس کو عوام برقرار نہیں رکھ سکتے۔ پس بت پرستی کے حامی جو کچھ اس فعل کے جواز میں کہتے ہیں، اسکو مدنظر رکھنے کے باوجود، ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ایک جاہل انسان کی نظر میں تمثیل اور حقیقت میں کوئی فرق نہیں ہے، اس کی نظر میں ایک بت اُن تمام صفات کا حامل ہوتا ہے، جو خدا میں پائی جاتی ہیں، اور جس کی ہستی کا وہ بُت، ایک مظہر ہوتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ایسی تمثیلوں سے عابد کے تخیل کو مدد مل سکتی ہے تو بجا طور پر یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ کیا اس طرز عبادت نے آج تک کوئی جماعت ایسے لوگوں کی پیدا کی ہے جو ذات مجرد کی پرستش کی صلاحیت رکھتے ہوں؟ حقیقت تو یہ ہے کہ تعلیمیافتہ لوگ بھی، جہلا کے ساتھ آخر وقت تک، ان بتوں کی پرستش کرتے رہتے ہیں۔

بعض لوگ یہ، بظاہر معقول دلیل پیش کرتے ہیں کہ انسانی ذہن، خدا کا ایسا تصور نہیں کر سکتا جو مادیات سے بالاتر ہو۔ یعنی خدائے مجرّد کا تصور، انسان کے لئے محال ہے۔ لیکن ایسی دلیل وہی لوگ پیش کرتے ہیں جو روحانی امور کا کوئی تجربہ نہیں رکھتے۔ انسانی ذہن کے متعلق، ایک ابتدائی حقیقت یہ ہے کہ وہ مادیات سے مجردات کی طرف جاتا ہے۔ تمام خیالات جن کو منطقی اصطلاح میں تصورات کہا جاتا ہے اسی طریق سے پیدا ہوتے ہیں اور منطق میں اس طریق کو استقراء کہتے ہیں، اگرچہ یہ تصورات مادیات سے وابستہ ہوتے ہیں، لیکن اپنی نوعیت کے اعتبار سے مجرّد ہوتے ہیں، اور مادی اشکال

قبول نہیں کر سکتے۔ بیشک ایک عقلمند عابد، جو کسی بت کو، خدا کا مظہر سمجھکر، اسکی پرستش کرتا ہے، اگر وہ اپنے اصول پر سختی سے کاربند رہے، تو وہ اس طریق مذکورہ بالا کو اُلٹ پلٹ کر دیتا۔ وہ اپنے حاصل کردہ علم کو، جو اس نے تجرید کے اس طریق کی بدولت حاصل کیا ہے اس بت کی امداد کیلئے لاتا ہے جس کی وساطت سے وہ خدا کی پرستش کرنی چاہتا ہے اور وہ اس بُت میں وہ صفات فرض کرتا ہے، جو دراصل اسمیں نہیں ہیں۔ مثلاً وہ اس بُت میں ادراک فرض کرتا ہے حالانکہ یہ قوت اس میں قطعاً موجود نہیں ہوتی۔ اس میں سماعت کی قوت فرض کرتا ہے حالانکہ یہ بھی خلاف واقعہ ہے۔ اور ایک بیجان مورت کے متعلق یہ تصور کرنا کہ وہ کائنات پر حکمران ہے گویا اپنے قوائے عقلی پر ایک زبردست بار ڈالنا ہے۔ اگر عبادت میں ذہن پر بیحد بار ڈالنا پڑیگا۔ جدید ہندو مذہب کے ایک زبردست حامی نے، جو اپنی زندگی کے دوسرے شعبوں میں، بت راسخ العقیدہ تھا، اس سوال کے جواب میں کہ آپ ہندو طریق عبادت سے کیوں بیزار ہیں، یہ کہا کہ میں تو ایک زندہ دیوی کی پرستش کرتا ہوں۔ اور اس سوال کے جواب میں کہ وہ دیوی کون ہے؟ اس نے جواب دیا "میری ماں" یہ ایک غور طلب جواب ہے کیونکہ انسان پرستی بُت پرستی سے بہر حال بہتر ہے۔ مثلاً اگر ایک شخص اپنی ماں کی پرستش کرتا ہے، تو وہ بہر حال ایک ایسی ہستی کی پرستش کرتا ہے جو نہ صرف ذی عقل ہے بلکہ محبت بھی کر سکتی ہے اور محبت، خدا کی ایک صفت کا عکس ہے۔ دراصل مشرکین میں (جن کو خدا کا کلام مشرک قرار دیتا ہے) سب سے زیادہ معقولیت پسند وہ لوگ ہیں جو اپنے بادشاہوں کی پرستش کرتے ہیں مثلاً موسیٰ کے زمانہ کے مصری اور تاریخ روما کے دور آخر کے رومی لوگ۔ اس طرز عبادت میں، انسانی ذہن کم و بیش ایک فطری اصول کی پیروی کرتا ہے کیونکہ ملوک میں، بہرحال خواہ وہ سطحی طور پر ہی کیوں نہ ہو، انسانوں کو مارنے یا زندہ رکھنے، اور ان کی حالت میں انقلاب پیدا کرنے کی طاقت ضرور ہوتی ہے اور کسی حد تک مادی اور اخلاقی ضروریات زندگی پر بھی اس کا قبضہ ہوتا ہے۔ اسی لئے تمام اقوام میں بادشاہ کو، زمین پر خدا کا نائب کہا گیا ہے۔ پس زندہ انسانوں کی موجودگی میں، خصوصاً بادشاہوں کی، لکڑی اور پتھر کی مورتوں کو پوجنا، سراسر خلاف عقل ہے، جنکی شکل سراسر انسانی ہوتی ہے۔ اور حیوان پرستی، خواہ حقیقی ہو یا فرضی یا بیجان اشیاء کی پوجا تو ایسی بات ہے کہ آج کوئی عقلمند آدمی اس کی حمایت کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اور یہ حقیقت کہ تمام بُت پرستوں میں، بت پرستی کا فعل

دراصل ان بتوں کی پوجا ہوجاتا ہے بلکہ ان سے بھی زیادہ لایق حقارت اشیاء کی پوجا اس بات کا ثبوت ہے کہ بت پرستی کی بنیاد، خواہ کسی بات پر ہو، یہ فعل بہت جلد اپنے پیروؤں کی روحانی قوتوں کو مفلوج کردیتا ہے۔

اگر یہ عذر پیش کیا جائے کہ کائنات میں ہر شئے، خدا کی ہستی کی مظہر ہے اور اس لئے وہ ہمیں عبادت میں، اسکی یاد دلا سکتی ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ پھر کسی بت کو سامنے رکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ ہر وہ شئے جو تمہاری نظر کے سامنے آئے، خدا کی یاد دلانے کی اہلیت رکھتی ہے، اور کیا خود انسان کی ہستی جو اس قدر عجیب ہے، بلحاظ اپنی بناوٹ کے، اور جس میں اس قدر مخفی صلاحیتیں موجود ہیں، اس باب میں خدا کی یاد بہترین طور پر نہیں دلا سکتی؟ اور اگر عبادت میں واقعی کسی خارجی چیز کی ضرورت ہے تو، پاؤں کے نیچے کی زمین اور سر کے اوپر آسمان، یہ دو چیزیں، ایک شخص کو ہر وقت خدا کی یاد دلا سکتی ہیں۔ لیکن اس کے برخلاف تمام دلائل کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ مشرکانہ عبادت کے تمام طریقے انسان کی اس کمزوری کا اظہار ہیں کہ وہ ہر اس شئے کی پرستش کرنی چاہتا ہے جو موثر ہو، اور اس کے حواس میں صحیح یا غلط طریق پر تلاطم برپا کر سکے۔ انسان کے اندر عبادت کی قوت، دراصل ایک گہرا فطری جذبہ ہے۔ مظاہر فطرت اگرچہ اس جذبہ کو سطحی طور پر متحرک کر سکتے ہیں، لیکن اس کے لئے دراصل ایک روحانی توجہ کی ضرورت ہے، جس میں طبعی تحریکات کو دخل نہ ہو، تاکہ کامل تسلی حاصل ہو سکے۔ اسلئے تمام مشرکانہ مذاہب میں، لائق پرستش اشیاء کی تعداد لاکھوں تک ہو سکتی ہے۔ حتیٰ کہ سڑک کا ہر چمکدار پتھر، عبادت میں بطور تمثیل استعمال ہو سکتا ہے۔ اور اس کثرت کے باوجود اس قوم کی خواہش روحانی کی تکمیل نہیں ہو سکتی اور اس کے افراد، ہر وقت خدائے غیر معلوم کی تلاش کرتے رہتے ہیں چنانچہ ایتھنز میں، ایک مندر، خدائے غیر معلوم کے نام سے منسوب تھا اور جب سینٹ پال وہاں گیا، تو اس نے اس شہر میں اپنے پہلے لیکچر کا موضوع اسی چیز کو بنایا تھا۔ کاش پال کو اس حقیقت کا علم بھی ہوتا کہ، روحانی خلاء یسوع کی مؤثر شخصیت سے پُر نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ اسے صرف خدا ہی کے کامل تصور سے پُر کر سکتے ہیں، ایسا تصور جو اس کی وحدانیت پر مبنی ہو اور تمام مشرکانہ خیالات سے پاک ہو۔

اس امر سے قطع نظر کر کے، کہ بت پرستی، ہماری روحانی قوتوں کو، ہمارے حواس خمسہ کی وساطت سے متحرک کرنے کی کوشش کرتی ہے، اور اس طرح اپنے فرض کو بالواسطہ انجام دیتی ہے اور اسی لئے بہت ناقص طور پر، ایک بات غور طلب یہ ہے کہ بت پرستی میں ایک شخص ایک مُورت کو صرف ایک صفت کا مظہر بنا سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ متعدد دیوی دیوتا انفرادی طور پر خدا کی صرف ایک ہی صفت کو ظاہر کر سکتے ہیں، مثلاً قوت کے لئے ایک بت ہے تو علم کے لئے دوسرا، کرم کے لئے تیسرا وقس علیٰ ہذا۔ پس خدا کی ذات کا یہ تجزیہ کُن تصوّر، اس مطلب کی ضد ہے جو ہماری روح کا مقصود ہے۔ انسان کو اپنی ہستی کا علم، یعنی اپنا مقصود، ترکیبی قوت سے حاصل ہو سکتا ہے، انسان اپنے مدعائے دلی، اجتماع، امتزاج، اور مراقبہ سے حاصل کر سکتا ہے اور روح کی اس فطری خواہش کی تکمیل، وحدت کے تصوّر سے ہوتی ہے اور یہ بات کہ انسان ایک ایسی طاقت کا تصوّر کر سکتا ہے جو تمام کائنات پر حکمران ہے اس پر منحصر ہے کہ انسان کے اندر ترکیب کی فطری خواہش موجود ہے۔ ترکیب کے طریق کا ماحصل یہی ہے کہ انسان ایسی طاقت کا تصوّر کرے اور انسانی زندگی کا مدعا بھی یہی ہے، پس جب انسان خدائے واحد کے سامنے سربسجود ہوتا ہے تو چونکہ اس کی وحدانیت تمام عالم پر محیط ہوتی ہے اس لئے اُس کی رُوح کو تسلّی حاصل ہو جاتی ہے اور ہماری رُوح، اپنی ذاتی معرفت میں اسی تسلّی کی محتاج ہے۔ اس ترکیبی نصب العین کا نام خواہ کچھ ہو، یہوا، یزدان، خدا، اللہ یا پرمیشور، اس سے حقیقت میں کچھ فرق پیدا نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر اس وحدت کو منتشر کرنے کی کوشش کی جائے تو یہ انسانی رُوح کے تقاضے کے بالکل خلاف ہوگا۔ اس سے مقصد تو کیا حاصل ہوگا، خدا کا مشرکانہ تصوّر، عبادت کے مرکزی مقصد ہی کو فنا کر دے گا۔ چنانچہ خود مشرک لوگ توحید کی اہمیت کا اعتراف کرتے ہیں جبکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ متعدد دیوی دیوتا، در اصل انسان اور خدائے واحد کے مابین، واسطہ کا کام دیتے ہیں۔ اور یہ امر بھی غور طلب ہے کہ ہندو دیومالا میں کوئی بُت، پرمیشور نہیں کہلاتا۔

اگر ہم مشرک اقوام کے بتوں کا تجزیہ کریں تو معلوم ہوگا کہ عبادت کے لئے جو تمثیلات بنائی گئی ہیں، ان کی چار قسمیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) خارجی فطرت کے قوا کے مظاہر یا تمثیلات یعنی فطرت میں خدا کے صفات کے

مظاہر مثلاً ہندو دھرم میں لکشمی اور دوسرے مشرکانہ مذاہب میں سورج چاند، سمندر وغیرہ

(ب) ناموران ازمنہ سابقہ کی مورتیں یا تمثیلات

(ج) انسانی دماغ کے جذبات و خواہشات کی مورتیں مثلاً کیوپڈ (رومی دیوتا)

(د) حیرت انگیز اشیاء کی مورتیں خواہ وہ اشیاء حقیقی ہوں یا وہمی،

اس ترتیب کا مطالعہ، جس میں مَیں نے ان امور کو بیان کیا ہے، پستی کی طرف میلان ثابت کر سکتا ہے۔ اگر عقل انسانی کی مدد نہ کی جائے تو وہ بطور خود، اپنے مالک کی تلاش میں مظاہر فطرت کو اپنا معبود سمجھ لیتی ہے، اور پھر اس مرتبہ سے نیچے آکر، وہ خود انسانوں کے سامنے جھکتی ہے، بشرطیکہ اُن کی شخصیت عظیم الشان ہو یا انہیں عام انسانوں پر اقتدار حاصل ہو، اور پھر پریشان ہو کر وہ خود انسانی جذبات کی پرستش شروع کر دیتی ہے جو اس قدر شدید ہوں کہ اُس پر حکمرانی کر سکیں اور آخر کار، اس رُوحانی کشمکش میں وہ اس قدر عاجز آجاتی ہے کہ وہ ہر اُس چیز کو اپنا معبود تصور کر لیتی ہے جو اُس کے دل میں سنسنی پیدا کر سکے۔

اسجگہ اس امر کی صراحت ضروری ہے کہ، خدا رسی کا صحیح طریقہ، ہر زمانہ میں انسان کو بتایا گیا ہے کیونکہ ایسا ہونا عقلاً مناسب ہے۔ تمام مذاہب کا الہامی الاصل ہونا دلیل ہے اس امر کی کہ ابتداءً، تمام مذاہب میں طریق عبادت یکساں ہو گا یعنی خدائے واحد کی پرستش، مثلاً سب مانتے ہیں کہ شروع میں یعنی ویدوں کے زمانہ میں ہندو دھرم میں طریق عبادت موحدانہ تھا۔ اور جناب یسوع کی زندگی میں عیسائیوں کا طریق عبادت بھی موحدانہ تھا، اس زمانہ کے عیسائی اپنی عبادت میں یسوع کو خدا کا شریک نہیں کرتے تھے۔ اور نہ گوتم بدھ کے زمانہ کے بودھی اپنی عبادت میں، بدھ کی مورت کے سامنے سر جھکاتے تھے۔ اور نہ بدھ کا تصور کرتے تھے، جہاں تک ہندو دھرم کا تعلق ہے شرک کی ابتداء اُن شلوکوں سے ہوتی ہے، جو مظاہر فطرت کی شان میں وارد ہیں اور یہ شلوک ویدمیں کچھ عرصہ کے بعد شامل کئے گئے۔ پس آریہ سماج اور برہمو سماج کا یہ قول کہ در اصل ہندو دھرم میں خدائے واحد کی پرستش کی تعلیم دی گئی تھی، درست معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ آج چاروں وید خاص توحید آلہٰی کی تعلیم نہیں دیتے۔ پس ایندریں حالات یہ بات کہ ہندو دھرم کی اصلاح کے سلسلہ میں مصلحین خدائے واحد کا تصور پیش کرتے ہیں، اس امر کی دلیل ہے کہ ابتداء میں ہندو دھرم نے بھی توحید ہی کی تعلیم دی ہو گی ÷

مغرب میں اسلام کی اشاعت کیوں نہ ہو سکی؟

(بقلم مولینا عبد المجید صاحب ایم۔ اے)

ایک مضمون بعنوان "انسانیت کا مذہب" جو ۷ رجنوری ۱۹۴۷ء کے سنڈے ٹائمز میں شائع ہُوا اسلام اور بودھ دہرم کے متعلق بعض دلچسپ مگر اشتعال انگیز خیالات ظاہر کئے گئے ہیں اور چونکہ یہ مضمون بشپ ھینلے ھینس جیسے بلند پایہ مذہبی عہدیدار کے قلم سے نکلا ہے اسلئے ہم ان کا داخلی طور سے بے لاگ مطالعہ کریں گے۔ پادری صاحب مذکور لکھتے ہیں:۔

"اگر ہم یہودیت کو، سراسر قومی مذہب سمجھکر خارج از بحث کر دیں، تو پھر صرف دو مذاہب رہ جاتے ہیں، جو مسیحیت کے مقابلہ میں پیش ہو سکتے ہیں اسلام اور بودھ دہرم۔ ان دونوں بڑے مذاہب نے، حیرت انگیز طور پر پھیلنے کی صلاحیت کا ثبوت دیا ہے اور اس لحاظ سے مسیحیت کو یکتا مذہب نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن جب ہم ان مذاہب کے پیروؤں کی نسلی صفات پر غور کرتے ہیں اور یہ کہ وہ اپنی ملی ہستی کو موجودہ حالات کے بالمقابل جو تہذیب جدید نے پیدا کر دیئے ہیں، کس حد تک کامیابی کے ساتھ قائم رکھ سکتے ہیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس معاملہ میں مسیحیت کو، دیگر مذاہب پر تفوق حاصل ہے، اور اس لئے ہم یہ اعتقاد رکھ سکتے ہیں کہ انجام کار مسیحیت کا یہ دعوے کہ وہ تمام انسانوں کا مذہب بن جائیگا، سچا ثابت ہو سکے گا۔ آخر کار اگر اس تحقیق کو مذہبی صداقت کا معیار بنایا جائے کہ فلاں مذہب کا، سیاسیات معاشیات، سوسائٹی اور اخلاق ذاتی پر کیا اثر مرتب ہُوا، تو بلا شبہ مسیحیت عالمگیر قبولیت حاصل کرے گی۔ بودھ دہرم کی توسیع صرف ایشیاء تک اور اسلام کی اشاعت ایشیاء اور افریقہ تک محدود رہی لیکن مسیحیت برخلاف ان مذاہب کے جو صرف سیاہ رنگ کی اقوام کو اپیل کرتے ہیں، "تمام زمانے کے لوگوں کو اپنی آغوش میں لئے ہوئے ہے، اور اگرچہ تاریخی اسباب کی بنا پر وہ سفید رنگ اقوام کا مذہب ہے لیکن یورپ کے علاوہ، دیگر ممالک میں اس کی اشاعت اس قدر ضرور ہو گئی ہے کہ ہم یہ

کہہ سکتے ہیں کہ سیاہ اقوام بھی اسے قبول کرلینگی۔"

اس اقتباس سے چار نتائج برآمد ہو سکتے ہیں،

(ا) نسلی اور قومی اعتبار سے، پیروان مسیحیت، پیروان اسلام و بودھ مذہب پر تفوق رکھتے ہیں

(ب) مسیحیت نے اپنے پیروؤں کو سیاسیات، اخلاق اور معاشیات اور سماجی معاملات میں متاثر کیا ہے۔

(ج) اسلام اور بودھ دھرم دونوں سیاہ فام اقوام کے لئے موزوں ہیں اور پادری مذکور کی رائے میں یہی وجہ ہے کہ اسلام مغرب کی بجائے، مشرق میں شائع ہوا۔

(د) مسیحیت عالمگیر مذہب ہے

اب یہ نتائج نہ صرف محل نظر ہیں بلکہ دیگر مذاہب بھی ان پر اعتراضات وارد کر سکتے ہیں۔ پس ہم ان پر قدرے تفصیل کے ساتھ گفتگو کریں گے۔

(ا) یہ دعویٰ کہ سفید فام اقوام، نسلی اعتبار سے، سیاہ فام اقوام پر تفوق رکھتی ہیں، ایسا ہے کہ بشپ جینسن اگر محض ان لوگوں کے خیالات کی ترجمانی نہیں کرتے جو نارڈک یا آرین نسل کے نظریہ میں اعتقاد رکھتے ہیں (حالانکہ وہ نظریہ اب باطل ہو چکا ہے) تو یقیناً ان کا مطلب یہ ہے کہ مغربی دُنیا کی مادی ترقی اور کامیابی کا نتیجہ ہے ان کے مفروضہ نسلی تفوق کا۔ اور یہ دعوےٰ ایسا ہے کہ اس کا کوئی ثبوت ابھی تک ہمیں نظر نہیں آتا۔ اگر مغربی اقوام اصلاً اور باطناً، مشرقی اقوام پر تفوق رکھتی ہیں تو اس کی کیا وجہ ہے کہ احیاء العلوم کے زمانہ سے پہلے جبکہ دیگر تہذیبیں اپنے عروج پر تھیں، مغربی اقوام کیوں گمنامی کی حالت میں تھیں؛ حقیقت یہ ہے کہ کوئی قوم نسل کے اعتبار سے، دوسری قوم پر تفوق نہیں رکھتی۔ قومیں بھی افراد کی طرح قانون عروج و زوال کی پابند ہیں۔ ہر قوم کے عروج کا ایک خاص زمانہ ہوتا ہے جس میں وہ اپنی مخفی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتی ہے، ہر قوم اپنے مقررہ دَور میں سے گزرتی ہے اور پھر زوال پذیر ہو جاتی ہے۔ ہم بعض اُصولوں اور نظریات زندگی کی برتری کا ذکر تو کر سکتے ہیں لیکن قوموں کی اصلی برتری خارج از بحث ہے۔ ضمناً ہم اس گہرے اثر کا ذکر کر سکتے ہیں جو مسلمان اقوام نے یورپین تمدن پر چھوڑا ہے۔ اسلام نے یورپ کے سائنس اور فلسفہ کو متاثر کیا، تمام یورپین

زبانوں کو متاثر کیا اسلام نے یورپ کی صنعت کو ترقی دینے میں بہت بڑا حصّہ لیا ہے۔ اسلام نے یورپین ادب اور فنون پر گہرا نقش قائم کیا ہے، نیز اُس نے یورپین اقوام کے سیاسی عمرانی اور تعلیمی اداروں پر اپنا اثر قائم کیا۔ تمام علماء معترف ہیں کہ ابن رشد نے، طامس ایکونیاس کو اور ابو مشعر نے فرانسسکن مذہب کو، اور ابن عربی نے لولا کو اور اسلامی نظریہ آخرت نے دانتے کی تصانیف کو متاثر کیا ڈاکٹر گسٹیو ڈیرکس اور ڈاکٹر میبز اور ڈاکٹر ڈریپر کی تصانیف کا مطالعہ کرنے سے، اس بات کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ یورپ کے تمدن اور فلسفہ پر اسلام نے کس قدر گہرا نقش قائم کیا۔ پس ہم، ہندی، چینی، ترکی اور عربی لوگوں کا تذکرہ نہیں کریں گے جنہوں نے بنی آدم کی ذہنی اور مادی ترقی میں زبردست حصّہ لیا ہے۔ بلکہ ہم اس امر کی تحقیق کریں گے کہ مغربی اقوام کے نسلی تفوّق کے دعوے میں کوئی صداقت ہے یا نہیں؟ ہم ان اقوام کا ذکر نہیں کرینگے جنہوں نے اسلام قبول کیا (اور وہ مختلف اسباب کی بناء پر شمالی عرض البلد کی ۱۱ اور ۴۱ ڈگریوں میں محدود ہیں) بلکہ یہ کہتے ہیں کہ سفید فام اقوام کے نسلی تفوّق کا دعویٰ اس صورت میں بھی ثابت نہیں ہو سکتا جبکہ ہم ان کا موازنہ ان سیاہ فام اقوام سے کرتے ہیں جن کے متعلق کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ ان کا ماضی کسی طرح بھی شاندار رہا ہے۔

ریاستہائے متحدہ امریکہ میں جو تجارب کئے گئے ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ سیاہ فام حبشی، سفید فام مدِ مقابل سے کسی طرح کمتر نہیں ہے، اختلاف کا سبب اگر ہے تو وہ ماحول اور موقعہ ہے نا کہ صلاحیت ذاتی۔ سنہ ۱۸۶۰ء میں حبشیوں کی کل تعداد ۴۴۴۱۸۳۰ تھی اور اس میں سے ۴۲۱۵۶۱ جنوبی ریاستوں میں آباد تھے جہاں کہ ان لوگوں کا علم حاصل کرنا قانوناً ممنوع تھا، اور خلاف ورزی کرنیوالے کو سخت سزا ملتی تھی۔ جب سے ان لوگوں کو آزادیٔ علم حاصل ہوئی، ناخواندوں کی تعداد برابر کم ہوتی جاتی ہے سنہ ۱۸۸۰ء میں ۸۰ فیصدی جاہل تھے، سنہ ۱۸۹۰ء میں ۵۷ء۰ فیصدی، سنہ ۱۹۱۰ء میں ۳۰ فیصدی، سنہ ۱۹۲۰ء میں ۲۲ء۹ فیصدی، اور سنہ ۱۹۳۰ء میں ۱۶ء۴ فیصدی۔ اور یہ تعداد اسپین کے باشندوں کے مقابلہ میں تین گنی کم ہے یونیورسٹی تعلیم بمقام ٹس گیری، فسکت، ہاورڈ، اٹلانٹا، زیویٹیر (نیو آرلینز) لنکن، مورگن، ہمپٹن میں ۲۲ سے زیادہ سرکاری ہائی سکول تھے اور ان میں ۱۷ اسکول حبشیوں کے زیر اہتمام چل رہے تھے اور سنہ ۱۹۲۶ء

میں ان سے تین صد ملین بیلجئین فرانکس آمدنی ہوئی۔ اور ان کی جائداد کی قیمت ایک ہزار ملین تھی اور اس کا سارا انتظام خود کالوں کے ہاتھ میں تھا۔ ۱۰۴۶، اساتذہ میں ۹۰۳ سیاہ فام تھے اور طلباء کی تعداد ۷۵۰۶ تھی، اور یہ بھی واضح ہو کہ ۱۹۱۶ء تک ان کالوں کی اکثریت جنوبی ریاستوں میں آباد تھی اور ۱۸۹۰ء تک ۹۰ء۴۱ فیصدی کالے، گانوؤں میں رہتے تھے، اور ان کے بچے، سفید رنگ کے طلباء کے ساتھ، نہیں پڑھ سکتے تھے، کیونکہ قانونی ممانعت تھی۔ نیز یہ کہ الاما با اور کیرولینا کے علاقوں میں، جہاں ان کالوں کے گاؤں واقع تھے اور جہاں یہ لوگ روئی کی کاشت کرتے تھے، مدارس کی تعداد بہت ہی کم تھی۔ علاوہ بریں، جنوب کی بارہ بڑی ریاستوں نے مسٹر جونز کی رپورٹ کے مطابق سفید لوگوں کی تعلیم کے لئے ۴۲۹۰۰۰ ڈالر منظور کئے، اور کالوں کی تعلیم پر صرف ۲۵۰۰۰۰ ڈالر۔ اسی رپورٹ میں لکھا ہے کہ ہنوز کالوں کی تعلیم کے لئے کم از کم چھ ہزار کمروں کی ضرورت درپیش ہے۔ شکاگو میں، موزلے سکول میں، کالوں اور گوروں کی ذہنی صلاحیت کے متعلق تجربے کئے گئے ہیں۔ گرے کا طریق آزمائش، با آواز بلند اور زبانی پڑھنے میں استعمال کیا گیا۔ شمالی علاقوں کے کالے، جو قصبات میں گوروں کے ماحول میں رہتے تھے، انہی کے مانند کامیاب ہوئے۔ ہاں جنوبی علاقہ کے کالے، جن کے والدین جاہل تھے، اور جو خود کاشتکاری میں مصروف تھے، وہ سفید فام افراد کے مقابلہ میں صرف کمتر نکلے۔ یعنی سفید فام لوگوں کی برتری، محض ان کے ماحول پر مبنی ہے نہ کہ ان کی ذاتی صلاحیت پر۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو رسالہ ریویو ڈی لاکام الوین، فروری ۱۹۴۰ء)

باوجود اس حقیقت کے، کہ ۱۶۸۳ء میں اسلام، ویانا کے دروازوں تک پہنچ گیا تھا اس کا مغربی ممالک میں اشاعت پذیر نہ ہونا، واقعی، ایک دلچسپ اور پیچیدہ بحث ہے اور یہ بھی واضح ہو کہ اسپین میں مسلمانوں نے سات سو سال تک حکومت کی تھی۔ اور ابتدائی زمانہ میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے باہمی تعلقات نہایت خوشگوار اور دوستانہ تھے۔ پروفیسر سی ایچ۔ بیکر نے اپنی تصنیف "مسیحیت اور اسلام" مطبوعہ لندن ۱۹۰۹ء میں لکھا ہے کہ محمد کی سُنت، قرآن کی تعلیمات، اور آپ کے ہمعصروں اور خلفاء کے طرز عمل میں کوئی بات' ایسی نہیں، جو مسلمانوں کے دلوں میں، عیسائیوں کے خلاف نفرت یا دشمنی کا رنگ پیدا کرے

مسلمانوں نے نصاریٰ کی عبادت گاہوں میں نماز پڑھنے سے انکار نہیں کیا۔ اور مذہبی دشمنی اگر کبھی ہوئی تو وہ ایک ضمنی مظہر تھا "یہ چیز، بتدریج بڑھی اور میری رائے میں، عیسائیت کے زیر اثر پہلی صدی میں دفعتاً اس کی ابتداء ہوئی۔ بظاہر یہ ایک متناقص بات معلوم ہوتی ہے کہ در اصل مسیحی اثر کی بنا پر، مسلمانوں میں مسیحیت کے خلاف نفرت پیدا ہوئی، اور وہ عیسائیوں کے دشمن بن گئے، لیکن یہ قیاس، اس وقت یقین کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے جب ہم مسلمان فاتحین کی بے تعلقی پر غور کرتے ہیں ان کا طرز عمل دوسرے مذاہب کے ساتھ اس درجہ معاندانہ تھا جس درجہ مسیحیت کا تھا۔ یقیناً نفرت کا یہ سبق، مسلمانوں نے، خود عیسائیوں ہی سے سیکھا ہوگا۔ جس طرح زندگی کے دیگر شعبوں میں۔ علاوہ بریں ہر زمانہ میں، اور خصوصاً پہلی صدی میں، عیسائیوں کی پوزیشن بہت اچھی رہی، اگرچہ مسلمان ان کو درجہ کے لحاظ سے، کمتر سمجھتے تھے۔ تاہم عیسائیوں کو، حکومت میں اعلیٰ ترین عہدے مل سکتے تھے حتیٰ کہ وزارت بھی، اور اس کے لئے، انہیں ترک مذہب ضروری نہ تھا۔ محاربات صلیبی کے زمانہ میں بھی جبکہ مذہبی اختلاف بہت شدید ہوگیا تھا، عیسائیوں کی پالیسی کی بنا پر، عیسائی لوگ عموماً بڑے عہدوں پر فائز تھے، مسلمان علماء کبھی، عیسائیوں کے دخیل حکومت ہونے پر معترض نہ ہوتے، بیشک متعصب لوگ ہر زمانہ میں دونوں مذاہب میں موجود رہے ہیں، اور کبھی کبھی عیسائیوں کو ستایا بھی گیا لیکن یہ استثنائی صورتیں تھیں۔ گیارہویں صدی تک، کلیساء کے ماتمی جلوس، مسیحیت کے مظاہر کے ساتھ بغداد کی سڑکوں پر گزر سکتے تھے، اور شاذونادر ہی ایسے موقعوں پر فسادات رونما ہوتے بعض میں مسیحی تقاریب میں، مسلمان بھی کم و بیش شمولیت کرتے تھے۔ اگر آپ اس معاملہ میں ازمنہ وسطیٰ کی عیسائی حکومتوں کے طرز عمل کو مدنظر رکھیں تو میں یقین کرتا ہوں کہ آپ میرے نظریہ کی صحت کے معترف ہو جائیں گے۔" (صفحات ۲۹ تا ۳۲)

یقیناً یہ مفروضہ کہ اسلام سوادُاللون اقوام کے لئے زیادہ موزوں ہے، اور یہ کہ مسیحیت اسلام سے بہتر ہے، نہ ثابت ہو سکتا ہے اور نہ کوئی سمجھدار آدمی اسے یقین کر سکتا ہے۔ ایک مسلمان بھی، عیسائی کی طرح یہ بات کہہ سکتا ہے اور اسی شدت کے ساتھ۔ پس اگر ہم ان اسباب کو سمجھنا چاہتے ہیں جن کی بنا پر، اسلام مشرقی ممالک میں پھیلا، تو ہمیں اس مسئلہ پر تاریخی اور

بعد ازیں نفسیاتی اسباب پر غور کرنا لازم ہے۔ اسلام کا ظہور آج سے ۱۴۰۰ سال پہلے
تھا۔ اور قبل ازیں کہ دنیا اس کی توسیعی صلاحیت پر غور کرتی، وہ اپنے بانیؐ کی وفات کے پچاس سال
کے اندر اندر دریائے سندھ سے لیکر بحر ظلمات تک شائع ہو چکا تھا۔ اور یہ اشاعت بغیر
کسی دنیاوی حکمران کی وساطت کے اور قائلین کی سرد مہری کی صورت میں، ممکن ہو سکی، حالانکہ دیگر
مذاہب کی اشاعت بادشاہوں کی کوشش کا نتیجہ تھی مثلاً بودھ دہرم کی اشاعت، اشوک کی طاقت
اور سرگرمی کی ممنون ہے اور مسیحیت تین سو برس تک کس مپرسی کی حالت میں رہی قسطنطین نے
اپنی ذاتی مصلحت کی بنا پر اس کی حمایت کی، اور اسی طرح مجوسیت کی اشاعت، کیخسرو کی حمایت
کی بدولت ہوئی لیکن اسلام کا حال ایسا نہیں ہے، تاہم یہ عجیب بات ہے کہ اسلام، یورپ
میں اپنا قدم نہ جما سکا اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ۶۳۷ء میں مسلمانوں نے بیت المقدس فتح کیا اور
پھر ان کی طاقت اس قدر بڑھ گئی کہ محاربات صلیبی رونما ہو گئیں، جن کی وجہ سے، اسلام اور
اہل یورپ کے مابین اختلاف کی خلیج بہت وسیع ہو گئی۔ اور اس زمانہ سے آج تک دنیائے
اسلام اور دنیائے مسیحیت، ایک دوسرے کی مدمقابل بنی ہوئی ہیں۔ اہل مغرب اور خصوصاً
پادریوں نے اسلام اور بانیؐ اسلام کے خلاف ایسا نفرت انگیز پروپاگنڈا کیا، کہ جب ہم
اس کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہماری حیرانی کی کوئی حد باقی نہیں رہتی۔ اگر آپ آکسفورڈ ڈکشنری میں
لفظ محمڈن کی صرفی بحث پڑھیں، تو آپ کو اس زمانہ کی غلط بیانی کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔
پوپ کے حکم سے قرآن مجید کا ترجمہ ممنوع قرار دیا گیا چنانچہ، انگریزی زبان میں، قرآن مجید کا
کوئی ترجمہ دو سو سال پہلے کا نہیں ہے (سیل کا ترجمہ ۱۷۳۹ء میں شائع ہوا تھا) اور اسی زمانہ سے
اسلام کے متعلق اس قدر شدید غلط فہمی اہل مغرب میں پھیلی ہوئی ہے کہ اہل مغرب نے اسلام
کی توحید، اور بت شکنی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا اور یہ سمجھا کہ اسلام میں نہ اخوت نسل انسانی کی
تعلیم ہے اور نہ پاکبازی کی، حالانکہ یہ چیزیں اسلام کی خصوصیات میں سے ہیں۔

اقتصادی وجوہات نے، اس نفرت کو جو اہل مغرب کے دلوں میں جاگزیں تھی اور بھی شدید
کر دیا۔ مذہب کے نام پر مغرب نے، اسلام کے خلاف جنگوں کا ایک سلسلہ شروع کر دیا۔ جن کا
مقصد یہ تھا کہ یورپ کی بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے، زمین حاصل کی جائے اور جنوا اور وینس

کی تجارتی مہمات کو کامیاب بنایا جائے۔ اس پر مستزادیہ امر ہوا کہ، اسلامی تہذیب بو بہ زوال ہوگئی اور جب وہ وقت آیا کہ یورپ اس قرضہ کو ادا کرے جو اُس نے اسلام سے لیا تھا، تو اُس نے دیکھا دنیائے اسلام بالکل مردہ ہوگئی ہے اور زندگی کے آثار سے عاری۔ چنانچہ، اس بناء پر تقریباً تمام دنیائے اسلام یورپ کے زیر نگین آگئی۔ یہ وجہ ہے کہ اسلام مغرب میں نہ پھیل سکا اور بشپ مذکور نے ان اسباب سے قطع نظر کر کے، مذکورہ بالا غلط طریقہ اخذ کر لیا۔ لیکن ہمیں ایک عالم سے یہ توقع ہے کہ وہ حقیقت پژوہی کی طرف مائل ہوگا۔ اسلام کے مشرقی ممالک میں شائع ہونے کو، لوگوں کی رنگت سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔

یہ امر بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ اصلی صورتوں میں، ان دونوں مذاہب کے اندر کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اسلام اگر قرآن میں کسی بات کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ یہ ہے کہ اُس نے بعض امور میں، جناب مسیح کی تعلیمات کی تکمیل کر دی ہے اور بعض امور میں، ان کو دوبارہ وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ یورپ آج سے پچاس سال قبل کے مقابلہ میں، اسلام سے زیادہ واقف ہوگیا ہے، اگرچہ ہنوز اُسے پوری واقفیت نہیں ہوئی ہے۔

آج یورپ میں تقریباً اسی لاکھ مسلمان آباد ہیں، اُن میں روس اور ترکی کے مسلمان بھی شامل ہیں، اور ان میں سے، یوگوسلاویہ کی ڈیڑھ کروڑ آبادی میں سترہ لاکھ پچاس ہزار مسلمان آباد ہیں۔ کل تعداد کا ۵/۶ مسلمان، یوگوسلافی ہیں، بقیہ ترکی یا البانی الاصل ہیں۔

اب رہی یہ بات کہ یورپ کی زندگی کو، مسیح کی تعلیمات نے کس حد تک متاثر کیا، ایسا دعویٰ ہے جس پر کسی خاص بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف گرد و پیش کے حالات پر نظر کرتے ہوئے ایک شخص خود نتیجہ نکال سکتا ہے۔ سرمایہ داری، افواج اور اسلحہ، تعصبات نسلی و قومی، اور ندپرستی یہ چند خصائص ہیں، جو تمام مسیحیت کے بنیادی اُصولوں کی ضد ہیں

اور مسیحیت کے عالمگیر مذہب ہونے کے متعلق، سب سے پہلے، ہمیں، انجیل میں دیکھنا چاہیئے کہ وہاں اس قسم کی کوئی تعلیم موجود ہے؟ مسیحیت کے متعلق عالمگیریت کا دعویٰ مرقس کی انجیل کے سولھویں باب کی آخری گیارہ ورسیز پر مبنی ہے اور آج یہی گیارہ فقرے الحاقی ثابت ہو چکے ہیں۔ یہ فقرے بالکل جعلی ہیں کسی قدیم قلمی نسخے میں ان کا پتہ نہیں ہے۔ اور

بیرونی ممالک میں مسیحی مشن، انہی جعلی فقروں کی بناء پر قائم کئے جاتے ہیں، نیز متی کی انجیل کا فقرہ [illegible]) بھی اس معاملہ میں سند نہیں ہے کیونکہ اس میں جو لفظ "اقوام" آیا ہے وہ قبائل کا غلط ترجمہ ہے یعنی یسوعؑ نے کہا تھا کہ تم یہود کے قبائل میں جاکر، جو دنیا میں منتشر ہیں، تبلیغ کرو۔ (ملاحظہ ہو سائیکلوپیڈیا بائبل صفحہ ۱۸۸۰ فصل جی، اور یونانی انجیل مرتبہ ویسٹ کٹ اور ہورٹ کا ضمیمہ)

"مسیحیت ایک عالمگیر مذہب کی حیثیت سے، یا ایک نئے مذہب یا طریق نجات کی حیثیت سے ظاہر نہیں ہوئی۔ وہ تو، یہود کی توقعات کی تکمیل کی مدعی تھی اور ان کی توقعات کا مرکز "خدا کی بادشاہت" تھا۔ اور اسی تکمیل کا یسوعؑ ناصری نے اعلان کیا، جبکہ اس نے یوحنا اصطباغی کے ہاتھ سے بپتسمہ پایا۔ اور یہ بھی یقینی ہے کہ وفات سے پہلے، یسوعؑ کے متعلق یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ مسیح ہے یا آنے والی بادشاہت کا شہزادہ۔ لیکن یہ نیا مذہب، نہ راز تجارت کی شکل میں ظاہر ہوا اور نہ اس نے اپنے آپ کو یہودی مذہب سے جدا کیا، تاآنکہ بیت المقدس کو ٹائٹس نے فتح کیا اور ہیکل برباد ہوئی جبکہ مسیحیت، بت پرستوں میں شائع ہوئی"

(ملاحظہ ہو الفریڈ لوئیزی کی تصنیف مطبوعہ پیرس ۱۹۳۷ء صفحہ ۲)

(باقی آئندہ)

اسلام میں بین الاقوامی معاہدات کی عزت

{بقلم سر اقبال علی شاہ صاحب}

قرآن مجید نے مسلمانوں کو تمام معاہدات کی سخت پابندی کا حکم دیا ہے، نہ صرف انکی جو وہ آپس میں کریں، بلکہ انکی بھی جو دیگر اقوام کیساتھ کریں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے" اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے وعدوں کو پورا کرو (۵:۱) اس آیت میں لفظ "عقود" آیا ہے جس کا مطلب نہ صرف وہ وعدہ ہے جو خدا کیساتھ کیا جائے بلکہ تمام مواعید، معاہدات، صلحنامے اور بین الاقوامی وعدے، جو باہمدگر کئے گئے ہوں اور مومنوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ معاہدات کی سخت پابندی کو بین الاقوامی عمرانی تعلقات میں اہم عنصر تصور کریں۔ اور اس حکم کو دوبارہ یہ فرما کر موکد کیا گیا ہے کہ "جب تم کوئی معاہدہ کرو تو اللہ کے حکم کی پابندی کرو۔ اور قسم کھانے کے بعد اُسے ہرگز نہ توڑو" (۱۶:۹۱) اللہ تعالیٰ نے اُس شخص کو جو ایفائے عہد نہ کرے، اس عورت سے تشبیہ دی ہے جو سُوت کاتنے کے بعد، اور اُسے مضبوط بنکر پھر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے اور اس طرح باہمی موافقت کے رشتہ کو تباہ کر دے۔

مذکورہ بالا تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ جب دو شخصوں یا دو حکومتوں کے مابین کوئی معاہدہ ہو جائے تو پھر اسکی پابندی اشد طور پر لازمی ہے اور جو شخص اپنے وعدہ کی شرائط پوری نہ کرے وہ نہ مسلمانوں بلکہ خدا کی نظر میں بھی بے ایمان قرار دیا جائیگا، اسلامی تاریخ سے بکثرت ایسی مثالیں دی جاسکتی ہیں کہ مسلمانوں نے معاہدات کی سخت پابندی کی، بجگہ صرف ایک مثال دیجاتی ہے جس سے معلوم ہوگا کہ مسلمانوں نے صلحنامہ کی کس قدر سختی کے ساتھ پابندی کی اور چونکہ اس کا تعلق آنحضرت صلعم سے ہے اسلئے ہم اُسے اسلامی طرز عمل کا نمونہ قرار دے سکتے ہیں۔

آنحضرت صلعم چودہ سو صحابہ کیساتھ مکہ کی طرف تشریف لے جا رہے تھے، اور سوائے تلوار کے اور کوئی اسلحہ ساتھ نہ تھا اور تلوار اس زمانے میں اسی طرح لازمی سفر تھا جس طرح آج چھڑی ہوتی ہے۔ قریش نے جو اسلام کے دشمن تھے، یہ خبر سُنکر جنگ کی تیاری کی، اس پر آنحضرت صلعم نے قاصد بھیجا کہ ہم لوگ صرف حج کرنے کے لئے آرہے ہیں ہمارا مقصد جنگ کرنا نہیں ہے لیکن قریش نے کہا ہم مسلمانوں کو

مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ تھوڑی مزاحمت کے بعد دس سال کیلئے صلح ہو گئی، اس صلحنامہ میں چھ شرطیں تھیں، (۱) اس سال کوئی مسلمان حج ادا نہ کرے (۲) سال آیندہ ادا کر سکتے ہیں بشرطیکہ تین دن سے زیادہ قیام نہ کریں (۳) دوران حج میں ان کی تلواریں نیام کے اندر رہیں (۴) حج کے بعد کوئی مسلمان مکہ میں نہ رہ سکیگا (۵) اگر مکہ کا کوئی مسلمان مسلمانوں میں شامل ہو جائے تو اسے واپس کرنا ہوگا۔ (۶) قبائل صحرا کو آزادی ہوگی کہ جس فریق کے ساتھ چاہیں مل کر جنگ کریں۔

جبکہ صلحنامہ لکھا جا رہا تھا، اور سہیل نمایندہ قریش وہاں موجود تھا، چند مسلمانوں نے دوڑ کر ایک شخص کے پاؤں سے بیڑیاں نکالیں جو مکہ سے بھاگ کر انکی پناہ میں آیا تھا وہ شخص سفر کی کوفت سے نڈھال ہو رہا تھا مسلمانوں نے، ان زخموں کو دھویا جو بیڑیوں کی وجہ سے اسکی ٹانگوں میں پڑ گئے تھے، اور اُس نے بمشکل اپنا ماجرا بیان کیا کہ اُسے غش آگیا، جب اُسے ہوش آیا تو صحابہ اُسے اُٹھا کر آنحضرت صلعم کی خدمت میں لائے۔ سہیل نے اُسے دیکھکر بڑے غصہ کا اظہار کیا صلحنامہ پر اُسی وقت دستخط ہوئے تھے۔ اُس نے کہا کہ "تمہاری صداقت کی آزمائش کا بڑا اچھا موقعہ ہاتھ آگیا۔ یہ مفرور میرا بیٹا ابوجندل ہے اور ہم نے قبول اسلام کی وجہ سے اسکو پا بہ زنجیر کر دیا ہے جیسا کہ تم لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔ اُس نے اپنے بیٹے پر قہر آلود نگاہ ڈالی اور ایک کرخت آواز میں، جس سے بدوی لوگ سہیل کو دور سے شناخت کر سکتے تھے، کہا کہ اس قیدی کو اسی طرح پا بجولاں مکہ میں واپس بھیجدو کیونکہ یہ شخص اپنے ہم مذہبوں کی خبر سُن کر وہاں سے بھاگ کر آیا ہے، یہ کہکر سہیل نے صلحنامہ کی طرف دیکھا۔

اس وقت آنحضرت کے گرد چودہ سو جنگجو ایستادہ تھے، ایسے جنگجو جو لڑائیاں فتح کر چکے تھے اور وہ اس کافر کی، اُس باپ کی جو بیٹے کو ایذا دینا چاہتا تھا، گردن اُڑا سکتے تھے۔ یہ لوگ سہیل سے فن جنگ میں کسی طرح کمتر نہ تھے اور پھر وہ اُن کے درمیان تھا اور تن تنہا۔ اس کا خون بہا دینا کوئی دشوار کام نہ تھا اور پھر وہ اس سزا کا مستحق بھی نہ تھا، علاوہ بریں ایک مُسلمان کی زندگی اور موت کا سوال درپیش تھا اور پھر وہ اس قدر بیکس کہ خود اس کا باپ اس کا دشمن تھا۔ اس وقت ان مسلمانوں کے سینوں میں کس قدر تلاطم برپا ہوا ہوگا۔ اُن کی آنکھوں سے غصہ کے شعلے کس قدر مہیب نکلتے ہونگے اور اب آنحضرت کیا سوچ رہے تھے؟ کس بات کا انتظار تھا؟

آپنے فرمایا کہ جب یہ شخص آیا، تو اس وقت صلحنامہ پر دستخط نہیں ہوئے تھے"، سہیل نے، اپنے

بیٹے کی طرف افعی کی نگاہوں سے دیکھا جو کہ خود اپنے بچوں کو کھا جاتی ہے، اور کہا "مگر صلحنامہ کی شرائط تو طے ہو چکی تھیں" یہ سنکر مسلمان تلملا اُٹھے مگر، اگرچہ یہ ماجرا ایسا تھا کہ پتھر کا کلیجہ بھی پانی ہو جاتا، لیکن آنحضرتؐ نے معاہدے کی پابندی کو، جذبات قلبی پر بالا رکھا کیونکہ مسلمان وعدہ کر کے، خلاف نہیں کر سکتے مسلمان کے معاہدے میں کوئی ابہام نہیں ہوتا،

مسلمان جب وعدہ کر لیتا ہے تو اُسے بہر حال پورا کرتا ہے۔ چنانچہ خاموشی کیساتھ ابوجندل کو پابجولاں، مکہ واپس کر دیا گیا، چلتے وقت آنحضرتؐ نے فرمایا اے ابوجندل صبر کرو اللہ تعالیٰ ضرور تمہاری رہائی کا کوئی سامان پیدا کر دیگا

یہ بات کہ آیندہ چل کر ابوجندل کو رہائی نصیب ہو گئی اور وہ مسلمانوں سے مل گئے، اسوقت خارج از بحث ہے اس وقت غور طلب امر یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے کس قدر استواری کیساتھ معاہدہ کی پابندی کی اور اسکی پرواہ نہ کی کہ معاہدہ کی تکمیل کے بعد کیا صورت پیش آئیگی اور وعدہ کے بعد کیا حالات پیدا ہو جائیں گے:

اگرچہ ایفائے عہد کی یہ ایک درخشندہ مثال ہے تاہم، اسلام کے بعض نکتہ چین یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں نے ابوجندل کو اسلئے واپس کر دیا کہ انکی فوجی حالت، بمقابلہ قریش کمزور تھی اگرچہ یہ دلیل لائق تسلیم نہیں تاہم ایفائے عہد کی دوسری مثال بھی پیش کر سکتا ہوں جو اسوقت کی ہے جب مسلمانوں کی فوجی طاقت اسقدر زیادہ تھی کہ کوئی شخص انکا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں جب مسلمانوں نے حضرت ابوعبیدہؓ کے زیر کمان دمشق کا محاصرہ کیا، تو حضرت خالدؓ نے شہر کا دروازہ توڑ دیا اور فاتحانہ اندر داخل ہو گئے اور قریب تھا کہ بزور شمشیر فتح کر لیتے کہ اسی اثناء میں محصورین نے دوسرا دروازہ کھول کر مسلمانوں سے صلح کر لی چنانچہ حضرت خالدؓ کو حکم ملا کہ تلوار نیام میں کر لو مسلمان بزور شمشیر شہر کو فتح کر سکتے تھے لیکن فتح ملتوی کر دی گئی کیوں؟ محض اسلئے کہ معاہدہ ہو گیا تھا۔

آخر میں، قرآن مجید کی تصریحات اس امر کے متعلق پیش کرونگا کہ اگر کسی قوم سے معاہدہ ہو جائے تو جنگ فوراً بند کر دی جائے اور مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ عہدنامہ کی شرائط کی پوری پابندی کی جائے۔ دو قبیلے بنو ضمرا اور بنو کنانہ تھے شرائط کی پابندی کی چنانچہ مسلمانوں نے انکے خلاف جنگ نہیں کی۔ دوسروں کے ساتھ جنگ کی اجازت مل گئی جنہوں نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی تھی کیونکہ انہوں نے حضرت علیؓ کی معرفت یہ چیلنج آنحضرت صلعم کو بھیجا "اے علیؓ اپنے بھائی محمد (صلعم) سے کہدو کہ ہم عہد کی پرواہ نہیں کرتے اور اب ہمارے اور انکے مابین سوائے شمشیر زنی کے اور کوئی معاہدہ نہیں ہے"۔ ان دو مثالوں سے واضح ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کی نظر میں، معاہدات کی کیا قیمت ہے حتیٰ کہ اگر کوئی فریق معاہدہ کی خلاف ورزی کرے تو قرآن مجید مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ ان لوگوں سے جنگ کی جائے:

مُراسلات

ایسٹ کوٹ ۔ روئیسلپ ۔ مڈل سیکس ۔ ۱۹ را اپریل ۱۹۴۰ء

جناب امام صاحب مسجد ووکنگ

جناب من! ۱۲ تاریخ کے خط کا شکریہ ۔ اس وقت تک اس کے جواب نہ دے سکنے کی معذرت کا خواہاں ہوں ۔ درحقیقت جب آپ کا خط پہنچا تو میں یہاں موجود نہ تھا، اس لئے میرے ہاتھوں میں پہنچنے سے پہلے ہی اس پر کسی قدر تاخیر ہو چکی تھی ۔

کتاب "دی ریلیجن آف جیسس کرائسٹ اینڈ ٹریڈیشنل کرسچینیٹی" جو کہ آپ نے ارسال فرمائی ہے اس کا بھی شکریہ ۔ ایک مرتبہ سرسری نظر دیکھنے کے بعد اب میں بغور اس کا مطالعہ کر رہا ہوں اور میں نے اسے بہت ہی ممد اور ذہنوں کو روشن کرنیوالی پایا ہے ۔ دوسری کتاب "واٹ از اسلام" بھی اسی طرح ہے ۔ اس کیفیت کا جو انسان اپنے قلب میں محسوس کرتا ہے خط و کتابت کے ذریعہ اظہار کرنا انتہاء درجہ کا مشکل کام ہے اور خصوصاً جب مذہب ایسے اہم معاملہ کا سوال ہو تو یہ اور بھی مشکل ہو جاتا ہے ۔ پھر بھی میں مکرر کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ میرے لئے اسلام میں جو ایک عبذب اور سادہ مذہب ہے کس قدر کشش ہے ۔ اس موضوع پر آپ سے تبادلۂ خیالات کے موقعہ کو یقیناً میں غنیمت جانوں گا ۔

یہ آپ کی عین نوازش ہے کہ آپ نے مجھے ایک دو روز آپ کے ہاں بطور مہمان کے آنےکی دعوت دی ہے ۔ جس قدر جلدی ممکن ہو سکا میں اس دعوت سے مستفید ہونے کا ارادہ رکھتا ہوں ۔ میرا خیال ہے کہ آیندہ ہفتہ کے آخر کے قریب قریب میں حاضر خدمت ہو سکوں گا لیکن مکمل پروگرام سے بعد آپ کو مناسب وقت پر آگاہ کروں گا ۔

اس موقعہ پر میں اس مسرت کے اظہار کی بھی اجازت چاہتا ہوں جو آپ کی مہمان نوازی سے مجھے حاصل ہوئی ہے جبکہ جمعرات کے روز دوپہر کے بعد میں آپ سے ملنے آیا تھا ۔

بہترین جذبات کے ساتھ آپکا مخلص ۔ بی ۔ آئیون جیمز ۔

بلیک ہال روڈ - وان شیلڈ۔ ای ۱۱۱ - ہم ۲۴ اپریل ۱۹۴۰ء

جناب امام صاحب مسجد ووکنگ۔

السلام علیکم! قرآن کریم کے نسخہ کے لئے جو مجھے ارسال کیا گیا ہے آپ کا بہت ممنون ہوں۔ یہ اسی حجم کا ہے جو میں چاہتا ہوں۔ فوجی ملازمت میں ہونے کی وجہ سے مجھے اپنا بستر بوریا ہمیشہ اپنے ساتھ ہی اٹھائے پھرنا پڑتا ہے۔ اسلئے کسی بڑے حجم کی کتاب کا اپنے ساتھ رکھنا میرے لئے ناممکن تھا۔

مکرر شکریہ کے ساتھ آپکا مسلم بھائی۔ اے - آر - ہٹون

معرفت دی - بی - ای - ایف۔ ۲۶ر اپریل ۱۹۴۰ء

بخدمت جناب امام صاحب مسجد ووکنگ

جناب محترم! چند برس سے میں اسلام میں بہت دلچسپی لیتا ہوں۔ ایک مرتبہ تو میری دلچسپی اس حد تک بڑھ گئی کہ میں نے تبدیلی مذہب کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ خوش قسمتی سے مجھے ایک انگریز مسلم مسٹر جی - ای - ہارمن سے ملاقات کا موقعہ ملا جنہوں نے میرے لئے بڑی مستقل مزاجی سے کوشش کی کہ میں اس چیز میں شمولیت اختیار کروں۔ جس کے متعلق میں آجکل تذبذب کی حالت میں تھا۔ خوش قسمتی سے مجھے ان کی معرفت اسلامک ریویو کے چند پرچے حاصل ہوئے اور سب سے بڑھکر یہ کہ قرآن پڑھنے کا بھی موقعہ ملا۔

مہربانی فرماکر مجھے بیعت کی فارم اور لٹریچر بھی جو آپ میرے لئے مناسب خیال فرمائیں بھیجکر شکریہ کا موقعہ دیں۔ نیز مہربانی فرماکر مجھے کوئی طریق بتائیں کہ میں قرآن کے انگریزی ترجمے کا ایک نسخہ حاصل کر سکوں۔ کیونکہ میں فوجی ملازمت میں ہوں۔

نہایت ادب کے ساتھ آپ کا آر - جی - کے۔

مسجد ووکنگ میں آجاتے ہیں۔ نمازِ خطبۂ عیدین کے بعد تمام احباب کو مشن کی طرف سے ہندوستانی طرز کی دعوت دی جاتی ہے (۷) رسالتماب حضرت نبی کریم صلعم کے یوم ولادت کو بڑے تزک و احتشام سے منایا جاتا ہے۔ جس میں حضرت نبی کریم صلعم کی زندگی کے حالات پیش کئے جاتے
(۸) دور دراز ممالک کے غیر مسلمین کو خط و کتابت کے ذریعہ تبلیغ کی جاتی ہے۔ انہیں اسلامی لٹریچر مفت بھیجا جاتا ہے۔ (۹) مسجد ووکنگ میں جو غیر مسلم و نو مسلم زائرین آتے ہیں۔ اُن کو اسلام کے متعلق صحیح معلومات بہم پہنچائی جاتی ہیں۔ (۱۰) ووکنگ مشن کے زیر اہتمام نو مسلمین کی ایک جماعت لنڈن میں "برطانیہ عظمیٰ کی مسلم سوسائٹی" کے نام سے اشاعت اسلام کی تحریک میں کوشاں رہتی ہے۔

(۵) **مشن کے آرگن** ۔ اس مشن کے فقط دو ہی ماہواری رسالے ہیں (۱) رسالہ اسلامک ریویو انگریزی۔ (۲) اس کا اردو ترجمہ رسالہ اشاعت اسلام لاہور۔ ان دو رسالوں کی کل کی کل آمد مشن ووکنگ انگلستان پر صرف ہوتی ہے جس قدر مسلم پبلک ان رسالوں کی خریداری بڑھائے گی اسی قدر مشن کی مالی تقویت ہوگی۔ ان دو رسالوں کے سوا مشن ووکنگ کا کسی اور رسالہ یا اخبار سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔

(۶) **مشن کے تاثرات** ۔ (۱) مشن کی اکیس۲۱ سالہ تبلیغی تگ و دو سے اس وقت تک ہزاروں کی تعداد میں یورپین و امریکن اخوان و خواتین اسلام قبول کر چکے ہیں۔ جن میں بڑے بڑے لارڈز۔ رؤساء۔ فضلاء۔ علماء۔ فلاسفر۔ پروفیسر۔ مصنف۔ ڈاکٹر۔ ماہرین علم طبعیات تاجر۔ مغربی مستشرقین و فوجی شہرت کے نومسلمین ہیں۔ یہ نو مسلمین نمازیں پڑھتے۔ روزے رکھتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں بعض تو تہجد نماز کو خاص سوز و گداز سے پڑھتے ہیں۔ قرآن کریم کا بامعنی روزانہ مطالعہ کرتے ہیں۔ چند ایک فریضہ حج بھی ادا کر چکے ہیں۔ اُن میں سے اکثر تبلیغ اسلام کی جدوجہد میں عملاً حصہ لے رہے ہیں۔ (۲) ان اکیس۲۱ سالوں میں لاکھوں کی تعداد میں اسلامی کتب۔ رسائل۔ پمفلٹ۔ ٹریکٹ مختلف مسیحی ممالک میں مفت تقسیم کئے جا چکے ہیں۔ جن کا نہایت ہی اچھا اثر ہوا ہے۔ اس مفت اشاعت سے یورپین حلقہ میں عیسائیت سے تنفر پیدا ہو چکا ہے۔ وہ لوگ عیسائیت سے بالکل بیزار ہو چکے ہیں۔ ان کا زیادہ تر رجحان طبع اب اسلام کی طرف ہو رہا ہے۔ کل کے کل مغرب و امریکہ میں اس وقت اسلامی تعلیم کی تشنگی روز بروز بڑھ رہی ہے۔ اس وقت مغربی دنیا کے مذہبی خیالات میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو چکا ہے۔ یورپ و امریکہ میں اب دشمنانِ اسلام۔ اسلام پر حملہ کرنے کی جرات نہیں کرتے۔ اس مشن کی اکتیس سالہ تبلیغی تگ و تاز نے اسلام کے متعلق مغربی ممالک میں ایک [illegible] فضا پیدا کر دی ہے۔ کثرت سے لوگ مغربی لائبریریوں میں ووکنگ کی مرسلہ اسلامی کتب و رسالہ اسلامک ریویو کا مطالعہ کرتے ہیں مسجد [illegible] میں ان غیر مسلمین کے خطوط کا رات دن تانتا بندھا رہتا ہے۔ غیر مسلم طبقہ میں سے اکثر احباب اسلامی لٹریچر کے مطالعہ کرنے کے بعد مختلف [illegible] کے استفسار کرتے ہیں۔ اور آخر کار اپنے شک و شکوک کو رفع کرنے کے بعد۔ اعلان اسلام کا فارم پُر کر کے شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان میں معہ اپنے فوٹو کے روانہ کر دیتے ہیں۔ ان کا اعلانِ اسلام معہ انکے فوٹو کے مشن کے آرگن میں شائع کر دیا جاتا ہے۔

(۷) **انگلستان میں اشاعتِ اسلام مسلمانوں کی سیاسی اُلجھنوں کا بہترین سُلجھاؤ ہے** قرآن کریم نے فلاح کے اصول کا ایک راستہ اشاعتِ اسلام تجویز کیا ہے۔ اشاعت کی غرض۔ غیروں کو اپنے میں شامل کرنا ہوتا ہے۔ یعنی انہیں اپنا ہمخیال اور ہم مذہب بنانا ہوتا ہے۔ اگر کسی قوم کی شماری طاقت۔ اس قوم کی سیاسی قوت کو بڑھا سکتی ہے۔ تو اس کے اصول کے لئے اشاعت ہی ایک بہترین طریق ہے مغربی اقوام نے اس راز کو سمجھا۔ انہوں نے اسلام کی اتباع میں فوراً مشن قایم کئے۔ پھر اس وقت ہندوؤں نے پہلے شدھی کا راگ گایا۔ لیکن آج اچھوتوں کو اپنے میں ملانے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس ساری سرگرمی کی تہ میں وہی شماری طاقت مضمر ہے۔ ان حالات میں کیا ہمارا فرض نہیں کہ ہم اشاعتِ اسلام میں کوشاں ہوں۔ اور جب کہ گذشتہ پچیس تیس سالوں میں ہم ہر ایک دوسری کوشش اور مختلف قومی تحریکوں میں [illegible] اپنے سلجھاؤ کے لئے کیں۔ بالکل ناکام ہوئے ہیں۔ تو کیا ہمارا فرض نہیں ہے کہ مغرب میں اشاعت اسلام کو بھی ہم بطور تجربہ اختیار [illegible]۔ اگر بالفرض ہم آیندہ دس سال میں انگلستان میں بیٹھ کر حکمران قوم کے دس ہزار نفوس کو اپنے اندر شامل کر لیں۔ تو جس قدر ہماری سیاسی [illegible] بڑھ سکتی ہے۔ اس کا اندازہ صرف تصور ہی کر سکتا ہے۔ آج اگر انگلستان کے لوگوں کا ایک کثیر حصہ اسلام قبول کر لے۔ جن میں [illegible] آف لارڈز و ہوس آف کامنز کے ممبر بھی ہوں۔ تو مسلمانوں کو اپنے حقوق کے لئے کسی سیاسی جدوجہد کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ اس صورت میں ہم کو ضرورت نہیں کہ ہم مسلم مدبرانِ سیاست کے وفود کو انگلستان بھیجکر انگریزی قوم کو اپنے ہم آرا کریں۔ یا اپنے حقوق کی طرف توجہ دلائیں۔ وہ اسلام سے مشرف ہو کر مسلمانوں کے لئے اسلامی درد و احساس سے خود بخود وہی کہیں گے اور کریں گے۔ جو ہم چاہتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہماری موجودہ سیاسی اُلجھنوں کا بہترین سلجھاؤ۔ انگلستان میں فریضۂ اشاعت اسلام کو ادا کرنا ہے۔ یوں تو مغرب کے اور ممالک بھی محض سیاسی ہم آہنگی پیدا کرنے کیلئے اشاعت اسلام کے دائرے میں آنے چاہئیں۔ لیکن انگریزی قوم میں اشاعت اسلام ہمارا اوّلیں نصب العین ہونا چاہیئے۔

(۸) **ووکنگ مُسلم مشن ایک عالمگیر اسلامی تحریک ہے** دنیا بھر میں فقط ایک ہی اسلامی تحریک ہے۔ جس سے کُل مسلمانانِ عالم کو دلی محبت و ہمدردی ہے۔ کیونکہ یہ تحریک قیاسی و وہمی حالات سے نکل کر اب ایک حقیقت ہو چکی ہے۔ یہ مشن اس وقت تک ٹھوس اسلامی خدمات سرانجام دے چکا ہے۔ اس تحریک کے ذریعہ شاندار نتائج نکل چکے ہیں۔ دنیا بھر کی اسلامی تحریکوں میں اگر کوئی تحریک گذشتہ تیس سالوں میں سرسبز و کامیاب ہوئی ہے۔ تو وہ یہی ووکنگ مشن کی اسلامی تحریک ہے۔ اس تحریک کے جاذبِ عالمِ اسلام ہونے کی وجہ صرف فرقی امتیازات سے اسکی بالاتری و آزادی ہے۔ یہ مشن جمیع مسلمانانِ عالم کا واحد مشن ہے اسکو کسی فرقۂ اسلام یا جماعت یا انجمن سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ اس کے ذریعہ سے یورپ و امریکہ میں فقط توحید و رسالت کی تبلیغ ہوتی ہے۔ اور اس غیر فرقہ وارانہ تبلیغی مسلک کی وجہ سے دنیا بھر کے مختلف مقامات کے مسلمان مسلسل اس کی مالی امداد کر کے یورپ میں اسے چلا رہے ہیں اس اسلامی مشن کو عالمگیر مقبولیت حاصل ہے۔ ہندوستان کے علاوہ جاپان۔ چین۔ فلپائن۔ آسٹریلیا۔ سماٹرا۔ جاوا۔ بورنیو۔ سنگاپور۔ سیلون۔ افریقہ۔ بلاد اسلامیہ۔ شمالی و مغربی امریکہ کے مسلم بھائی اس تحریک کی امداد کرتے رہتے ہیں۔

(۹) ووکنگ مسلم مشن انگلستان کی ذیل کے طریقوں سے امداد ہوسکتی ہے

(۱) یکمشت عطیہ کی صورت میں کچھ امداد دیں۔ (۲) اپنی ماہوار آمد میں سے کچھ حصہ مقرر کردیں جو ماہ بماہ مشن کو پہنچتا رہے۔ (۳) ششماہی یا سالانہ رقم اس کارِ خیر کے لئے ارسال کریں (۴) رسالہ اسلامک ریویو کی خود بھی خریداری کریں اور انگریزی دان احباب کو بھی تحریکِ خریداری فرمائیں۔ سالانہ چندہ ۱۲؎ ہے۔ (۵) یورپ۔ امریکہ اور دیگر انگریزی دان مسیحی ممالک کی پبلک لائبریریوں میں مسلم بھائی اپنی طرف سے بطور صدقہ جاریہ۔ تبلیغ اسلام کی خاطر متعدد کاپیاں رسالہ اسلامک ریویو کی مفت جاری کرائیں۔ اس رسالہ کے ذریعہ ان کی طرف سے اسلام کا پیام غیر مسلموں تک پہنچتا رہے گا۔ اس صورت میں سالانہ چندہ پانچ روپے ہے (۶) رسالہ اشاعتِ اسلام اردو ترجمہ رسالہ اسلامک ریویو کی خریداری فرمائیں۔ اس کا حلقۂ اثر وسیع فرمائیں۔ اس کا سالانہ چندہ ۳؎ ہے اور ممالک غیر کیلئے ۴؎ ہے۔ (۷) ووکنگ مسلم مشن سے جس قدر اسلامی لٹریچر انگریزی میں شائع ہوتا ہے۔ جو کتابوں۔ ٹریکٹوں اور رسائل کی صورت میں ہوتا ہے۔ اسے خود خریدیں۔ پ و امریکہ کے غیر مسلمین میں اسے مفت تقسیم کرا کر داخلِ حسنات ہوں۔ تاکہ اسلام کا دلفریب پیام اس لٹریچر کے ذریعہ اُن تک پہنچتا رہے۔ قصد کے لئے دفتر مشن ووکنگ میں مسیحی غیر مسلموں اور غیر مسلم مسیحی لائبریریوں کے ہزاروں پتہ موجود ہیں۔ جن کو آپ کی طرف سے مفت لٹریچر بھیجا جاسکتا ہے۔ اور اس کی ترسیل کی رسید۔ ڈاکخانہ کے تصدیقی سرٹیفکیٹ کے ذریعہ آپ تک پہنچا دی جاویگی۔ (۸) شاہجہان مسجد ووکنگ تان میں ہر سال بڑے تزک و احتشام سے عیدین کے تہوار منائے جاتے ہیں۔ جن میں بارہ صد کے لگ بھگ نفوس کا مجمع ہوجاتا ہے نماز و خطبہ ل مجمع کو مشن کی طرف سے دعوت دی جاتی ہے۔ جس پر مشن کو ڈیڑھ صد پونڈ (قریباً اٹھارہ صد روپیہ) کا ہر سال خرچ برداشت کرنا پڑتا ب اس مد میں امداد فرمائیں۔ (۹) ہر سال مسجد ووکنگ کے زیر اہتمام جلسہ میلاد النبی صلعم ہوتا ہے۔ اس پر بھی زرِ کثیر صرف ہوتا ہے جس میں کوئی نومسلم حضرت نبی کریم صلعم کے اخلاق فاضلہ یا سوانح حیات پر بصیرت افروز تقریر کرکے غیر مسلمین یورپین احباب کو اُس شخصیتِ کامل سے روشناس کرتا ہے۔ اس سعید تقریب پر بھی مشن کو خرچ کرنا پڑتا ہے۔ (۱۰) اپنی زکوٰۃ کا ایک کثیر حصہ مشن کو دیں۔ قرآن کریم کی رُو سے اشاعتِ اسلام کا کام۔ زکوٰۃ کا بہترین مصرف ہے۔ (۱۱) فطرانہ عید میں اس کارِ خیر کو نہ بھولیں۔ (۱۲) عیدِ قربان کے روز قربانی کی کھالوں کی قیمت سے اللہ کے اس کام کی امداد فرمائیں۔ (۱۳) اگر آپ کا روپیہ بنک یا ڈاکخانہ میں جمع ہو۔ تو اس کا سُود اشاعتِ اسلام کے لئے ووکنگ مشن کو دیں۔ علماء کرام نے اس کے متعلق فتوے دے دیا ہے کہ اسلام کی اشاعت میں یہ سُود صرف ہوسکتا ہے۔ اگر آپ سُود کی اِن رقوم کو بنک یا ڈاکخانہ وغیرہ سے نہ لینگے تو اسلام کی اشاعت و حمایت کی بجائے۔ یہ رقم دشمنانِ اسلام کے ہاتھ چلی جاویگی۔ جو اسے عیسائیت کی تبلیغ اور اسلام کے خلاف استعمال کرینگے (۱۴) ہر قسم کی نذر۔ نیاز۔ صدقہ۔ خیرات۔ زکوٰۃ بھینٹ کا بہترین مصرف ووکنگ مسلم مشن ہے۔

(۱۰) ووکنگ مسلم مشن کا سرمایۂ محفوظ (ریزرو فنڈ) ایک کارکن نظام کے لئے ازبس ضروری ہے کہ اس کے پاس معقول محفوظ سرمایہ ہو۔ یہ کام اکیس سال سے بہ احسن وجوہ یورپ میں اسلام کی اشاعت کر رہا ہے اس مشن کو ہمیشہ کے لئے انگلستان میں زندہ و قائم رکھنے کے لئے مینیجنگ کمیٹی ٹرسٹ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس مشن کے لئے دس لاکھ روپیہ سرمایۂ محفوظ میں جمع کیا جاوے۔ اس دس لاکھ روپے کو بنک میں بطور فکسڈ ڈیپازٹ رکھ دیا جائیگا۔ اگر مسلم قوم ہمت کرے۔ تو کوئی مشکل بات نہیں۔ اس سکیم کے روبراہ ہونے سے مشن آئے دن کی مالی مشکلات اور روز روز کی دریوزہ گری سے نجات حاصل کرسکتا ہے۔ اور آئے دن کی فراہمیٔ امداد کی زحمت سے ہمیشہ کیلئے بے نیاز ہوکر آئندہ کیلئے کسی حبیب کا محتاج نہ رہیگا۔ کیا چالیس کروڑ مسلم بھائی دس لاکھ روپیہ بھی اس کارِ خیر کیلئے فراہم نہ کرسکینگے۔

(۱۱) ووکنگ مسلم مشن کا نظم و نسق یہ مشن ایک معتبر رجسٹری شدہ ٹرسٹ کے زیر اہتمام چل رہا ہے جس کے ٹرسٹیز اور ممبران مینیجنگ کمیٹی کی امانت و دیانت مسلمہ ہے۔ یہ مشن اس وقت چار نگران کمیٹیوں کے ماتحت چل رہا ہے۔ (۱) بورڈ آف ٹرسٹیز۔ (۲) ٹرسٹ کی مجلس منتظمہ۔ (۳) لنڈن میں مسجد ووکنگ انگلستان کے مشن کی نگرانی کرنے والی کمیٹی۔ (۴) لٹریری کمیٹی (جو کتب کی طباعت و اشاعت کی منظوری دیتی ہے)۔ (۵) یہ ایک غیر فرقہ وارانہ ٹرسٹ ہے۔ اس ٹرسٹ کا کسی جماعت۔ کسی انجمن یا کسی فرقہ سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ مغربی ممالک میں اس کی تبلیغ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ تک محدود ہے۔

(۱۲) مشن کا مالی انتظام (۱) مشن کی جملہ رقوم جو باہر سے آتی ہیں۔ تین کارکنانِ مشن کی موجودگی میں موصول ہوکر۔ رجسٹراتِ آمد میں چڑھ کر ان ہرسہ کے تصدیقی دستخطوں کے بعد اسی روز بنک میں چلی جاتی ہیں۔ (۲) جملہ اخراجات متعلقہ دفتر لاہور و دفتر ووکنگ انگلستان۔ امپرسٹ کے ذریعہ ہوتے ہیں۔ جسے فنانشل سکریٹری صاحب منظور شدہ بجٹ کی حدود کے اندر پاس فرماتے ہیں۔ (۳) آمد و خرچ کا بجٹ باضابطہ ہر سال پاس ہوتا ہے۔ (۴) سال بھر بجٹ کے ماتحت بل پاس ہوتے ہیں۔ (۵) چیکوں پر تین عہدہ دارانِ ٹرسٹ کے دستخط ہوتے ہیں۔ (۶) آمد و خرچ کی پائی پائی تک ہر ماہ رسالہ اشاعت اسلام لاہور میں شائع کردی جاتی ہے (۷) ہر ماہ کے حساب کو آڈیٹر صاحب پڑتال کرتے ہیں۔ تمام حساب کا سالانہ بیلنس شیٹ۔ جناب آڈیٹر صاحب کے تصدیقی دستخطوں کے ساتھ رسالہ اسلامک ریویو انگریزی میں شائع کردیا جاتا ہے۔

(۱۳) ضروری ہدایات۔ (۱) ٹرسٹ کے متعلق جملہ خط و کتابت بنام سکریٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ لاہور۔ پنجاب ہونی چاہیئے۔ (۲) جملہ ترسیل زر بنام فنانشل سکریٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور۔ پنجاب (ہندوستان) ہو۔ (۳) ہیڈ آفس۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور (پنجاب) ہے۔ (۴) انگلستان کا دفتر دی ماسک ووکنگ۔ سرے انگلینڈ ہے۔

Address in England :- The Imam , The Mosque, WoKing, Surrey, England. —

(۵) بنکرس۔ لائیڈ بنک لمیٹڈ لاہور و لنڈن ہیں۔ (۶) تار کا پتہ "اسلام"۔ لاہور۔ (پنجاب۔ ہندوستان)

تمام خط و کتابت بنام سکریٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ۔ عزیز منزل برانڈرتھ روڈ۔ لاہور (پنجاب۔ ہندوستان) بھجوائیں

FEBRUARY 1941 R L No. 908

شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان

حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم مبلغ اسلام بانیٔ ووکنگ مسلم مشن انگلستان

مدیر اعزازی

خواجہ نذیر احمد بیرسٹر ایٹ لا لاہور

قیمت تین روپے آٹھ آنہ (عہ) سالانہ

قیمت پانچ روپے (صہ) ممالک غیر کیلئے

درخواستہائے خریداری بنام مینیجر رسالہ اشاعت اسلام - عزیز منزل - برانڈرتھ روڈ - لاہور - پنجاب - انڈیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○ نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اللہ اکبر

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (آل عمران آیت ۱۰۴)

ترجمہ۔ اور چاہیے کہ تم میں ایک گروہ ہو جو بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھے کاموں کا حکم دیں اور بُرے کاموں سے روکیں اور وہی کامیاب ہونے والے ہیں

هُوَ الَّذِيْٓ أَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ○

ترجمہ۔ وہی (ذات پاک) ہے جس نے اپنے رسُول (محمدؐ) کو ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا تاکہ اسکو تمام دینوں پر غالب کرے۔ گو مشرکوں کو بُرا (ہی کیوں نہ) لگے

لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان

مغرب میں تبلیغ اسلام کا واحد مرکز

ووکنگ مسلم مشن انگلستان

کے ذریعہ

یورپ۔ امریکہ و کُل انگریزی دان مسیحی ممالک میں اس وقت اسلام کی اشاعت ہو رہی ہے

(۱) تشکیل مشن۔ ووکنگ مسلم مشن کا جملہ تبلیغی کاروبار ایک باضابطہ رجسٹری شدہ ٹرسٹ کے ماتحت ہے جس کا نام "ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ" ہے۔ اس ٹرسٹ میں (۱) ووکنگ مسلم مشن انگلستان (۲) رسالہ اسلامک ریویو (انگریزی) (۳) رسالہ اشاعت اسلام (اردو)۔ (۴) کتب خانہ بشیر مسلم لائبریری (۵) مسلم لٹریری فنڈ (۶) ووکنگ مسلم مشن کا سرمایہ محفوظ۔ شامل ہیں۔

(۲) اغراض و مقاصد۔ (۱) ووکنگ مسلم مشن اور اس کی متعلقہ تحریکات کو انگلستان و دیگر ممالک میں غیر فرقہ دارانہ اصول پر زندہ رکھنا۔ (۲) مغربی ممالک میں تحریر و تقریر کے ذریعہ اسلام کی اشاعت کرنا۔ (۳) انگریزی میں اسلامی کتب و رسائل کو کثرت سے مسیحی حلقوں میں مفت تقسیم کرنا۔ (۴) انگلستان و دیگر مسیحی ممالک میں تمام امور سرانجام دینا جن کی اسلام کی تبلیغ کے لئے ضرورت ہے۔

(۳) تبلیغی مسلک۔ (۱) مشن کی تبلیغ فقط لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ تک محدود ہے۔ (۲) اس کو کسی فرقۂ اسلام یا جماعت یا انجمن سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ (۳) یہ مشن ایک غیر فرقہ دارانہ ٹرسٹ کے ماتحت ہے۔ جس کے ٹرسٹیز مختلف فرقہائے اسلام سے تعلق رکھتے ہیں۔ (۴) ووکنگ مشن کی نمازیں فرقہ بندی سے بالاتر ہیں۔ یہ مشن امامت نماز میں کسی فرقی تمیز کو ملحوظ نہیں رکھتا۔ (۵) مسجد ووکنگ کے امام مختلف فرقہائے اسلام کے رہ چکے ہیں۔ جن میں نومسلمین بھی شامل ہیں۔

(۴) مغربی ممالک میں اسلام کی اشاعت کے ذرائع (۱) رسالہ اسلامک ریویو انگریزی۔ ہزاروں کی تعداد میں۔ یورپ۔ امریکہ و دیگر انگریزی دان مسیحی ممالک میں غیر مسلمین نومسلمین اخوان و خواتین کو ہر ماہ تبلیغ کے لئے مفت بھیجا جاتا ہے۔ (۲) دنیا بھر کی مشہور و معروف غیر مسلم مسیحی لائبریریوں کو رسالہ اسلامک ریویو ہر ماہ مفت بھیجا جاتا ہے۔ (۳) انگریزی اسلامی ادبیات کی مفت اشاعت کی جاتی ہے (۴) مشن کے مبلغین ہفتہ [illegible] ن میں اور دو دفعہ مسجد ووکنگ میں اسلام پر لیکچر دیتے ہیں۔ لیکچر کے بعد سامعین کی چاء سے تواضع کی جاتی ہے (۵) جمعہ کی نماز لندن میں ادا [illegible] ہے جس میں نومسلمین مسلمین و مسلم طلباء۔ کثیر تعداد میں شامل ہوتے ہیں۔ (۶) عیدین کے سالانہ اجتماعوں میں ایک ہزار سے اوپر نفوس شامل ہو [illegible] مسلمین و نومسلمین کے علاوہ غیر مسلمین زائرین بھی۔ اسلامی اخوت کے اس دلفریب منظر کو دیکھنے کیلئے

Her Royal Highness Princess Saniyya (third from left) of Albania, at the Shah Jehan Mosque, Woking, on Friday 9th August, 1940.

یہ بڑی نیکی ہے کہ آپ رسالہ کی خریداری بڑھائیں۔ کیونکہ اس رسالہ کی آمد بہت حد تک ووکنگ مسلم مشن کے اخراجات کی کفیل ہے۔ رسالہ ہذا کی دس ہزار اشاعت ووکنگ مشن کے ۱/۲ اخراجات کی ذمہ دار ہو سکتی ہے

فہرست مضامین

رسالہ

اشاعت اسلام

جلد ۲۷ | ماہ فروری سنہ ۱۹۵۰ء مطابق ماہ محرم سنہ ۱۳۶۹ ہجری۔ | نمبر ۲

(گیلانی الیکٹرک پریس ہسپتال روڈ لاہور میں باہتمام خواجہ عبدالغنی پرنٹر پبلشر چھپ کر عزیز منزل براندرتھ روڈ لاہور سے شائع ہوا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اشاعتِ اسلام

بابت ماہ فروری ۱۹۴۱ء

شذرات

اس ماہ کے رسالہ کو ہز رائل ہائینس شہزادی "سنیا آف البانیہ" کی مسجد شاہجہان ووکنگ میں تشریف آوری کے فوٹو سے زینت دی جاتی ہے۔

اخبار مسجد ووکنگ

موجودہ دشوار اور غیر یقینی حالات کو جن سے ہم آجکل دوچار ہو رہے ہیں، مدنظر رکھکر بعض اصحاب کو یہ خیال ہوگا کہ اگر ووکنگ کی تبلیغی جدوجہد بالکل ہی بند نہیں ہو چکی ہے، تو یقیناً اس میں زبردست التواء واقع ہو گیا ہوگا لیکن ہم خوشی کے ساتھ اس امر کا اعلان کرتے ہیں کہ حالات اس کے برعکس ہیں۔

ووکنگ مشن اب محض ایک غیر ملکی تبلیغی ادارہ نہیں بلکہ اس کا میدان عمل بہت وسیع ہو چکا ہے۔ تبلیغ اسلام کے معمولی مشاغل کے علاوہ، وہ اسلامی روز افزوں برادری کی جو اس ملک کے

طول وعرض میں پھیلی ہوئی ہے، جملہ ضروریات کا بھی نگران ہے، اس خوفناک جنگ نے تلخ تجربات کے علاوہ، اس حقیقت کو بھی ذہن نشین کر دیا ہے کہ اس مسیحی ملک میں، اسلام کی تخم پاشی بخوبی ہو چکی ہے اور آیندہ تبلیغ کیلئے، نئے نئے راستے کھل گئے ہیں۔ موجودہ زمانہ سے بہتر زمانہ اس سے قبل تبلیغ اسلام کیلئے، اس ملک میں رونما نہیں ہوا۔ کیونکہ ایسے مضطرب اوقات میں انسان کی توجہ، قدرتی طور پر، خدا کی طرف مبذول ہوتی ہے اور مصائب زدہ انسان اس صداقت کی جستجو کرتا ہے، جسے وہ محسوس کرتا ہے کہ وہ کھو چکا ہے۔ اس ضمن میں اگر میں اپنے بھائی مسٹر عبداللہ وارن کا پیغام جو انہوں نے اپنے خط مورخہ ۲۵ جولائی میں درج کیا ہے، آپکے سامنے پیش کروں تو خلاف محل نہ ہوگا۔

"میرا خیال ہے کہ جیسی ضرورت اشاعت اسلام کی، اس ملک میں اس وقت ہے، ایسی قبل ازیں کبھی پیدا نہیں ہوئی اور ہم مسلمانوں کو اسوقت، اس مبارک کام کی انجام دہی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرنا چاہیئے اور یورپ کے مضطرب انسانوں کے قلوب کیلئے، اسلامی صداقتوں سے تسلی کا سامان بہم پہنچانا چاہیئے۔ زمین بالکل تیار ہے اور اگر ہم اس زرین موقع سے فائدہ نہ اُٹھا سکے تو ہمارے لئے یہ بہت شرم کی بات ہوگی، پس میں تجویز کرتا ہوں کہ تمام مسلمانوں کو اس وقت متحدہ ثاقت سے تبلیغ اسلام میں منہمک ہو جانا چاہیئے۔"

ہمارے لئے یہ ایک مبارک فال ہے کہ ہمارے نومسلم بھائیوں کے دل میں بھی اشاعت اسلام کی تڑپ پیدا ہو چکی ہے۔ اور وہ اس مقدس کام میں حتی المقدور ہمارا ہاتھ بٹا رہے ہیں۔ چند روز ہوئے کناڈا کے دو اعلیٰ فوجی افسر مسجد دیکھنے کے لئے آئے اور کہا کہ "ہم کو آپکے دینی بھائی میجر انڈر وڈ نے یہ مشورہ دیا تھا کہ مسجد دیکھنے جانا اور وہاں اسلام کے متعلق براہ راست معلومات حاصل کرنا"۔ جنگ کی تباہی سے قطع نظر کر کے، یہ تبلیغ اسلام کے لئے ایک نادر موقع نکل آیا ہے کہ ہمارے نومسلم فوجی بھائی جب دوسرے مذاہب کے سپاہیوں سے ملتے ہیں تو اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر، ان کو اسلام کی خوبیوں سے آگاہ کرتے ہیں مثلاً میں ایک خط کا اقتباس، آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں:۔

"مجھے خوش قسمتی سے، آپ کی جماعت کے ایک قابل رکن سے ملنے کا اتفاق ہوا، اور

اس مذہبی گفتگو کی بنا پر جو میرے اور اُن کے مابین ہوئی ہے میرے دل میں اسلام سے
دلچسپی پیدا ہوگئی ہے اور میں اس دلچسپی کو جمود کی حالت میں نہیں رکھنا چاہتا اس لئے
آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ مجھے چند ایسی کتابیں مطالعہ کے لئے بھیجدیں جن سے
میری معلومات میں اضافہ ہو سکے" فقط کارپورل ڈبلیو۔ ٹی۔ ایس۔ ۴۰۔۹۔۵

" آپ کی جماعت کے ایک رکن نے مجھے آپکا پتہ دیا ہے تاکہ میں آپ سے مطلوبہ معلومات
حاصل کر سکوں۔ میں کناڈا کی فوج کا ایک سپاہی ہوں اور اسلام کے متعلق مزید واقفیت
حاصل کرنی چاہتا ہوں براہ کرم مجھے مناسب لٹریچر بھیجدیجئے" فقط کارپورل جے ای بی جے۔

" جو اسلامی لٹریچر آپ نے مجھے ۲۴ اپریل کو روانہ کیا تھا اس کے لئے میں آپ کا شکرگذار
ہوں، مذہب اسلام قبول کرنیکا آرزومند ہوں" پرائیویٹ آئی۔ ڈبلیو ڈبلیو، ۱ر مئی سنہ ۱۹۴۶ء

" کیا آپ میرے سوال کا جواب دے سکتے ہیں کہ اسلام کیا ہے؟" سکنڈ لفٹنٹ ٹی۔ ٹی۔ سی

ہمیں اس قسم کے خطوط ہر ہفتے، درجنوں وصول ہوتے رہتے ہیں جن میں لوگ اسلامی لٹریچر
طلب کرتے ہیں، اور اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے، ووکنگ مشن نے حسب ذیل پمفلٹ
شائع کر کے مفت تقسیم کے لئے لٹریچر میں اضافہ کیا ہے۔

کتاب :۔ مقدمہ مطالعہ قرآن مؤلفہ خواجہ کمال الدین مرحوم قیمت ۴ر

پمفلٹ :۔ معمائے حیات ایضاً ۶ر
جنت اور دوزخ 〃 ۲ر
معجزۂ قرآن 〃 ۸ر
انسانی قوا اور ان کا نشوونما 〃 ۳ر
بعث بعد الموت 〃 ۴ر
اشارات اسلام 〃 ۳ر
وحدت نسل انسانی 〃 [illegible]
عبادت کے اسلامی طریقوں میں تجدید؟ 〃 [illegible]
عبادت اور قربانی 〃 [illegible]

انشراح صدر	مؤلفہ خواجہ کمال الدین	قیمت ۱۲؍
اصولِ ترقی	"	" ۵؍
إن مع العسر یسرا	"	" ۱۴؍
اسلام اور دیگر مذاہب	"	" ۸؍
خلیفۃ اللہ علی الارض	"	" ۱۲؍
فلسفہ قوانینِ جنگ	"	" ۱۲؍
الاسماء الحسنیٰ	"	" ۸؍
اشارات مطالعۂ قرآن	"	" ۸؍

اس دوران میں اسلامک ریویو اشاعت اسلام اور ووکنگ مشن گزٹ، مشکلات کے باوجود، مقررہ اوقات پر شائع ہوتے رہے ہیں اور ان تینوں پرچوں کا علمی معیار، بدستور قائم رہا ہے۔ اسلامک ریویو اور مفت لٹریچر کی طلب کے علاوہ، قرآن مجید کی ہدیۃً طلب کے تقاضے بھی برابر آتے رہتے ہیں۔ اور ہم اپنے مربیوں کی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ زکوٰۃ کا اس سے بہتر مصرف اور کوئی نہیں کہ طالبان حق کی تسکین کے لئے، قرآن مجید کے نسخے بلا قیمت نذر کئے جائیں۔ پس دردمند مسلمان اس طرف خاص طور سے توجہ فرمائیں۔

گزشتہ ششماہی میں چودہ نفوس، اسلامی برادری میں داخل ہوئے۔ اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ وہ ان نومسلموں کو استقامت عطا فرمائے، اور وہ سنّت نبویؐ پر عامل ہو کر۔ ملت کے لئے تقویت کا موجب ثابت ہوں۔

سلسلۂ تقاریر

ملل رواں کے لئے، لیکچروں کا جو سلسلہ وضع کیا گیا تھا، اس میں کوئی اختلال رونما نہیں ہوا سوائے ایک اتوار کو امام صاحب، بیرونجات میں لیکچر دینے گئے جو خلاف معمول بات تھی کیونکہ، دستور کے مطابق امام صاحب ہر اتوار کو مسجد ہی میں لیکچر دیتے ہیں، لیکن ہم مسٹر جان ملاحز سردار اقبال علی شاہ، اور ڈاکٹر وزیر احمد قریشی کے ممنون ہیں کہ انہوں نے امام صاحب کی نیابت کی۔ العدید متعدد سے جلسوں میں شرکت کے لئے جا سکے۔ گزشتہ ششماہی میں امام صاحب

نے حسب ذیل مقامات میں تقریریں کیں:-

۶ر مارچ سنہ ۱۹۴۰ء - بیٹرسی سپر چولسٹ چرچ بیٹرسی

۱۰ر مارچ سنہ ۱۹۴۰ء - پاتھ فایندرز سوسائٹی لنڈن

۲۴ر مارچ سنہ ۱۹۴۰ء - رومفرڈ کرسچین سوسائٹی رومفرڈ

۱۴ر اپریل سنہ ۱۹۴۰ء - گلنگھم نیشنل چرچ گلنگھم

یکم مئی سنہ ۱۹۴۰ء - سپر چولسٹ کمیونٹی لنڈن

۳ر جون سنہ ۱۹۴۰ء - ینگ پیپلز انٹرنیشنل کلب لنڈن

۲۳ر جون سنہ ۱۹۴۰ء - پاتھ فاینڈرز سوسائٹی لنڈن

۲۴ر جون سنہ ۱۹۴۰ء - روٹری کلب بورن متھ -

۷ر جولائی سنہ ۱۹۴۰ء - گلنگھم نیشنل چرچ گلنگھم

۱۱ر جولائی سنہ ۱۹۴۰ء - سپر چولسٹ کمیونٹی لندن

۱۲ر جولائی سنہ ۱۹۴۰ء - ایوراوپن ڈورز لنڈن

۱۴ر جولائی سنہ ۱۹۴۰ء - ساؤتھ ایمپٹن پوسٹ وار برادرہڈ - ساؤتھ ایمپٹن -

۲۱ر جولائی سنہ ۱۹۴۰ء - سینٹ مائیکل ویکارج نیونگٹن -

۲۷ر جولائی سنہ ۱۹۴۰ء - ٹاؤن ہم اینڈ منٹن چرچ اڈمنٹن ۱۵

۱۱ر اگست سنہ ۱۹۴۰ء پورٹس متھ پوسٹ وار برادرہڈ پورٹس متھ -

۱۷ر اگست سنہ ۱۹۴۰ء - ہند وایسوسی ایشن آف گریٹ بریٹین - لنڈن

لیکچروں کا یہ سلسلہ بہت کامیاب ثابت ہوا اور اس کی بدولت اشاعت اسلام کی تحریک کو بہت تقویت پہنچی - جب امام صاحب نے سینٹ مائیکل کے گرجا میں لیکچر دیا، تو وہاں کا پادری اس درجہ متاثر ہوا کہ اس نے لندن کے بشپ کو لکھا کہ، آپ امام صاحب کو مدعو کریں کہ وہ لندن کے گرجے میں، آپ کی زیر صدارت لیکچر دیں۔

سپر چولسٹ جماعت کو دعوتِ حق

ہم نے اس حقیقت کا اکثر اعلان کیا ہے کہ اس ملک میں عیسائیوں کی یہ جماعت بلحاظ

عقائد، اسلام سے بہت قریب ہے اور اسی لئے امام صاحب اور دوسرے نمایندے اُن کے اجلاسوں میں اکثر شرکت کرتے رہے ہیں اور انہیں اس حقیقت سے آگاہ کرتے رہے ہیں کہ ان کی تعلیمات اور اسلامی تعلیمات میں بڑی حد تک مشابہت پائی جاتی ہے۔ لیکن اب وقت آگیا ہے کہ یہ لوگ اس صداقت سے آشنا ہوجائیں کہ محض عقائد سے یا محض روحانی دُنیا میں یقین کرلینے سے نجات حاصل نہیں ہوسکتی۔ ۲۳ر جون ۱۹۴۰ئہ کو پاتھ فائینڈرز کے جلسہ میں امام صاحب نے تقریر کی، اس موضوع پر کہ سپر چولزم کا مستقبل کیا ہوگا؟ اس ضمن میں انہوں نے بتایا کہ اگرچہ اس تحریک میں بعض صداقتیں موجود ہیں لیکن اس میں کوئی ایسا نظام موجود نہیں جو اس کو دنیا میں عنصر فعال بنا سکے۔ نیز یہ تحریک اپنے ماخذ یعنی مسیحیت کی طرح محض فضل پر ایمان رکھتی ہے کیونکہ حیات بعد الموت کے عقیدہ کو تسلیم کرنے کے باوجود، اس تحریک کے پیرو، اپنی زندگیوں کو روحانی بنانے کے لئے کوئی عملی قدم نہیں اٹھاتے محض ارواح سے رابطہ پیدا کرنے سے کوئی روحانیت پیدا نہیں ہوسکتی۔ اگرچہ یہ سچی باتیں، بعض لوگوں کو پسند نہیں آتیں، جو تنقید سُننا نہیں چاہتے خواہ وہ کیسی ہی ایماندارانہ کیوں نہ ہو۔ اس لئے ایک سپر چولسٹ رسالہ سائکلک نیوز میں اس امر پر مراسلت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اگرچہ تمام مراسلت کی اس رپورٹ میں نقل نہیں پیش کی جاسکتی لیکن ایک خط درج کیا جاتا ہے جو امام صاحب کو اس ضمن میں موصول ہوا۔

ہیمپسٹیڈ این ڈبلیو ۳ مرقومہ ۱۸ر جنوری ۱۹۴۰ئہ

ڈیر امام صاحب۔

میں نے رسالہ سائکلک نیوز میں آپ کے خطبہ کی رپورٹ پڑھی جو آپ نے لنڈن میں اس سوسائٹی کے جلسہ میں دیا تھا اور اسی پرچہ کے تازہ نمبر میں آپ کا جواب بھی نظر سے گذرا۔ میں ایک ادنےٰ سپر چولسٹ کی حیثیت سے، خود انہی اغراض و مقاصد کی تبلیغ میں سرگرم ہوں، جن کی طرف آپ نے اپنے مراسلہ میں اشارہ کیا ہے پس میں آپ کے ساتھ بالکل متفق ہوں۔

یہ تحریک ان تمام صداقتوں پر حاوی ہے جو حضرات مسیح، موسیٰ، کرشن، بدھ

کنفوشش اور محمد (علیہ السلام) نے مختلف اوقات میں دُنیا کے سامنے پیش کیں۔ تعلیمات حقہ کی اس فراوانی کے پیش نظر یہ امر نہایت افسوسناک ہے کہ عموماً سپریچولسٹ افراد، ان پر عمل کرنے کی ضرورت کا احساس نہیں رکھتے۔ ان کی اکثریت صرف لیکچر سننے کی شائق ہے، وہ اپنی زندگیوں کو ان تعلیمات کے سانچہ میں نہیں ڈھالتے۔ نیز یہ بھی صحیح ہے کہ ان کی اکثریت، صرف تحریک میں شمولیت اور جلسوں میں باقاعدہ شرکت ہی کو نجات کا پروانۂ راہداری سمجھتی ہے۔ اور مجھے اکثر لوگوں کو دیکھنے کا اتفاق ہوتا ہے جو احوال مُردگان اور صدائے غیب کے مظاہر ہی میں اُلجھے رہتے ہیں اور انہی باتوں کو منتہائے مقصود جانتے ہیں۔

موجودہ زمانہ میں ایسے لوگ بہت کم ہیں جو آزادانہ طور پر کسی مسئلہ کے متعلق غور و فکر کر سکیں، اور سپریچولسٹ افراد بھی اسی شمار میں ہیں اور اپنے راسخ العقیدہ دوستوں کی طرح، بالکل مطمئن ہو جاتے ہیں جبکہ ان کی ذمّہ داریوں کو دوسروں کے کاندھوں پر ڈال دیا جائے۔ آپ نے اپنے خط میں، اس زمانہ کا نقشہ کھینچا ہے جبکہ اسلام اور سپریچولزم دونوں، اس دُنیا کی رُوحانی نشاۃ ثانیہ کے لئے متحدہ قوّت سے کام کریں گے۔ میں اس روزِ سعید کا منتظر ہوں جب قرآن مجید کی تلاوت بھی، بائبل کے ساتھ ساتھ، سپریچولسٹ عبادتوں میں قائم کی جائے گی اور میں دعا کرتا ہوں کہ خدا وہ دن جلد لائے۔ میرا اعتقاد ہے کہ طاقت اور طمانیت، فرد اور ریاست دونوں کو اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے، جبکہ پیشوایان مذاہب عالم کی تلقین کردہ روحانی تعلیمات کو روزانہ زندگی میں عملی طور سے داخل کیا جائے اور ان کے اندر عالمگیری شان پیدا کی جائے۔ جب یہ ذہنیت پیدا ہو جائے اور لوگ اس حقیقت پر عمل کرنے لگیں گے تو پھر اپنائے وطن کی ناقدری کا شکوہ جاتا رہے گا۔ فقط

میں ہوں آپ کا مخلص

جے۔ ای۔ جونز

بنی آدم کا گُناہ

دنیا کے دُکھ کی وجہ...... ماضی پر ایک نظر

از سی پرمیشور پیلے

یہ مضمون ایک ہندو عالم کے قلم سے ہے۔ اور اس کی اشاعت ہمارے لئے انتہائی خوشی کا باعث ہے۔ اگر مضمون نگار کی طرح ہندو، ہندو ازم کی بنیادی روایات پر پابند ہوتے اور ہندو ازم کی حقیقی اور اصلی رُوح سے مالامال ہوتے، تو ہندو مسلم سوال پہلے کا ہی سُلجھ چکا ہوتا۔۔۔ ہم اپنے قارئین کی خدمت میں درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس مضمون کو خاص توجہ سے پڑھیں۔ اس میں ظاہری نمود۔ خود غرضی۔ اور خود نمائی کے اظہار سے مکمل طور پر مبرا ہو کر مذہب کی حقیقی رُوح پر اخلاص سے کاربند ہونے کے لئے اپیل کی گئی ہے۔ اس امر پر زور دینے کی چنداں ضرورت نہیں کہ یہی وہ مذکورہ بالا امور ہیں جو کسی مذہبی تحریک میں فساد کا موجب ہوتے ہیں اور جو رفتہ رفتہ ایسی تحریکات میں بگاڑ پیدا کر دیتے ہیں۔

اسلام کی رُو سے تمام مذاہب کا سرچشمہ ہستی باری تعالیٰ ہے۔ لیکن ساتھ ہی اس بات کا بھی نہایت افسوس سے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ آج شاذ ہی کوئی مذہب ایسا ہوگا جو انسان کی مجرمانہ مداخلت سے محفوظ ہو اور جس میں صوری و معنوی کوئی تبدیلی نہ آئی ہو۔ اسلام کے متعلق کم از کم اتنا تو ضرور کہا جا سکتا ہے کہ خواہ اس میں عملی کمزوری کتنی ہی پیدا ہو چکی ہو لیکن اس کا ڈھانچہ اور عمومی خاکہ ابھی تک بگاڑ سے بکلی محفوظ ہے۔ خوش قسمتی سے یہ پھوڑا ابھی تک اس کے جسم کا جزو نہیں بنا اور اب بھی حقیقی اسلام اور نقلی اسلام میں بآسانی تمیز کی جا سکتی ہے اور یہی ایک خصوصی امتیاز ہے جو صرف اسلام کو ہی حاصل ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ دوسرے مذاہب کے متعلق یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ دوسرے مذاہب میں اصل اور نقل آپس میں اس طرح خلط ملط ہو چکے ہیں کہ ان میں تمیز کرنا اب بالکل محال ہو چکا ہے۔

اس سے بڑھکر یہ کہ اسلام میں غلط ترجمانی اور بدعملی کبھی بھی دوسرے مذاہب کی طرح عام نہیں

ہوئی۔ اگر اس کے متبعین کے ایک گروہ نے کبھی کوئی غلط عقیدہ اختیار کیا یا کوئی غلط قدم اُٹھایا تو دوسرے گروہ نے ہمیشہ اس کے خلاف احتجاج کیا اور اس کے مقابلہ میں صحیح تعلیم پیش کی یہ چیز اسلام کے ایک زندہ مذہب ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔ اور اس نامکمل دنیا میں اس سے بڑھکر مکمل ثبوت کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ (اڈیٹر اسلامک ریویو)

محمد (صلعم) نے آج سے چودہ سو برس قبل بنو عمیر کے ایک وفد سے جو آنحضرت کی خدمت میں پیش ہوا تھا، اور جس نے آپ کو "مولیٰ" اور "ہم میں سے افضل ترین" کے خطابات سے مخاطب کیا تھا۔ یوں فرمایا:-

"تمہارا مولیٰ خدا ہے۔ جب تم گفتگو کرتے ہو تو تمہیں اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے اور دیکھتے رہنا چاہیئے کہ کہیں تم اپنی گفتگو میں شیطانی اثر کی رَو کے نیچے تو نہیں بہہ رہے"

دنیا میں متعدد اقوال عظیمہ ہیں جو انسان کو اس بات کی تعلیم دیتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ اسے اپنے خیال اور گفتگو پر ضبط کی کوشش کرنی چاہیئے لیکن ان میں سے کوئی قول بھی اتنا موثر اور ذاتی گہرائیوں تک پہنچنے والا نہیں جتنا نبی اکرم صلعم کا مندرجہ بالا قول ہے۔ وحی الٰہی پانیوالوں کی تعالیم خواہ وہ کسی مخصوص افراد کے گروہ کو ہی مخاطب کر رہی ہوں لیکن اپنے اثر اور نفوذ کے لحاظ سے ہمیشہ عالمگیر ہوتی ہیں۔ اور مذکورہ بالا تعلیم کسی طرح بھی اس اصل سے مستثنیٰ نہیں۔ یہ تعلیم صحیح انسانی چلن اور صحیح انسانی زندگی کے مسئلہ کی اُلجھن کو سُلجھانے میں اسکے پاتال تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ صرف اس بات کی معقولیت اور موزونیت کا ہی تکرار نہیں کرتی۔ جیسا کہ بیکن نے کہا ہے کہ "کلام میں فصاحت کی نسبت قوتّ ممیزہ کے استعمال کا زیادہ خیال رکھنا چاہیئے" بلکہ یہ تعلیم اس امر کی اشد ضرورت پر زور دیتی ہے کہ ہمیشہ جب ہم اس بات پر غور کریں اور اس کا اظہار کریں کہ آیا ہم اپنے مولیٰ سے اور اپنے آپ سے حق وفا و صداقت ادا کر رہے ہیں یا نہیں تو ہم عاقبت اندیش و دقیقہ سنجی کو اپنے خیالات۔ اقوال اور افعال کا لازمہ بنالیں۔ مختصراً کہ یہ تعلیم انسان پر اس فرض کو عائد کر دیتی ہے کہ وہ زندگی کے ہر لحظہ میں اپنے نفس کا تجزیہ اور مطالعہ کرتا رہے۔ ایسا تجزیہ کہ وہ عالم الغیب خدا کو حاضر و ناظر جانتے ہوئے ایک لگن اور دیانت داری کے ساتھ خود اپنا امتحان لیکر آیا وہ اپنی ذاتی۔ تمدنی۔ قومی اور مذہبی مصروفیات کی تمام تفصیلات میں اپنے مولیٰ کے حضور اور صرف اس کے حضور غیر مشروط طور پر سربسجود ہوتا ہے یا

نہیں۔ یہ تعلیم اس بات پر زور دیتی ہے کہ مذہب ایک اہم چیز ہے۔ نیز اس قسم کے تمام بیہودہ خیالات کو دباتی ہے کہ انبیاء اور اوتاروں کی رہنمائی کو محض زبانی طور پر قبول کرنا یا خدا اور مذہب پر خواہ وہ ہندوازم اسلام۔ عیسائیت یا کوئی اور مذہب ہو ایمان کا سطحی طور پر اقرار کرنا کوئی اہمیت یا وقعت رکھتا ہے جیسا کہ سورۃ الانعام ع۶ میں اللہ تعالےٰ کا وعدہ ہے کہ" فمن اٰمن وعمل صالحاً فلاخوف علیھم ولا ھم یحزنون" یعنی جو کوئی بھی ایمان لاتا ہے اور اعمال صالحہ کرتا ہے اُن کے لئے نہ کوئی خوف ہے اور نہ کوئی حزن"۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا۔ برگزیدہ پیشواؤں اور معلموں کی رہنمائی پر ایمان لانا۔ ان سب پر ایمان صرف اس حد تک ہی ممد ثابت ہوتا ہے کہ یہ ایمان لانیوالے کی باطنی زندگی پر اثر انداز ہو کر اس پر اس حد تک چھا جاتا ہے کہ پھر اس کا اظہار خود بخود ظاہری زندگی میں اسکے خیالات۔ اقوال۔ اور افعال کے ذریعہ ہونے لگتا ہے۔

قرآنی تعلیم اور ہندو تعلیم دونوں کی رُو سے مذہبی زندگی کا راستہ ہے اور منافقت دکھاوے کی خدا پرستی وپارسائی۔ یاشکستہ دلی کیساتھ بے غرضی اور نیکی کی طرف میلان —— ان چیزوں کے لئے مذہب میں کوئی گنجائش نہیں۔ "یا ادھر یا ادھر" بس مذہب کا تو یہی مطالبہ ہے۔ اسلام کا اُصول جس کی اشاعت عرب کے نبی پاک نے کی بعینہٖ اس مذہب کا اُصول ہے جس کا پرچار ہندوستان کے رشیوں اور اوتاروں نے کیا۔ اسلام اور ہندوازم —— یہ دونوں ایک دوسرے کے متضاد نہیں بلکہ دراصل ایک ہی ہیں۔ دونوں کھلے بندوں توحید الٰہی اور اس کی مخلوقات کی ہم آہنگی کی تعلیم دیتے ہیں۔ دونوں کا ایمان ہے کہ خدائے واحدہٗ لاشریک ہی تمام جہانوں کا رازق یعنی اور قادر مطلق (سرب شکتت مان) خالق ہے اور وہی بڑی عظمت والا عالم الغیب (سرب گیان) اور حاضر و ناظر (سرب بیاپی) خدا ہے۔ دونوں اپنے متبعین کو اس بات کی تلقین کرتے ہیں کہ صدق دل اور مستقل مزاجی کے ساتھ اللہ تعالےٰ کے آستانہ پر گرے رہیں۔ نیز ظاہر و باطن دونوں حالتوں میں اپنے معتقدات اور ایمانیات پر راست بازی سے قائم رہیں —— دونوں ہستی باری تعالیٰ پر ایمان لانے اور اپنے آپ کو اس زندگی میں مظہر صفات الٰہیہ بنانے کی اشد ترین ضرورت پر زور دیتے ہیں —— اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی سورہ بقرۃ ع۶ میں فرماتا ہے صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ" یعنی اللہ کے رنگ کے ساتھ رنگین ہو جاؤ اور اللہ ہی کا رنگ سب سے بہتر ہے" پھر

سورہ انعام ع ۴ میں فرماتا ہے " قد خسر الذین کذبوا بلقاء اللہ یعنی وہی زیان اٹھانیوالے ہیں جو اس زندگی میں خدا کی لقاء کا انکار کرتے ہیں " اپنے آپ کو اللہ کے رنگ سے رنگین کرنا لقا الٰہی حاصل کرنا اور اس خالق کے ساتھ جو مجسم محبت ہے اور قادر مطلق ہے کے ساتھ یگانگت پیدا کرنا، جس زندگی کے اہم مقاصد میں سے نہیں۔ یقیناً وہ زندگی ایک لغو زندگی ہے اور لہو لعب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی۔ جیسا کہ سورۃ ۶، آیت ۳۲ میں آیا ہے " ما الحیوٰۃ الدنیا الا لعب ولھو " یعنی زندگی جو دنیا کے کاموں میں ہی خرچ کیجاتی ہے وہ محض لعب و لہو ہی ہے، دونوں عبادت الٰہی کی تعلیم دیتے ہیں اور عبادت کرنیوالوں کو تلقین کرتے ہیں کہ وہ اپنی عبادتوں کی حفاظت کریں اور اس میں خلوص پیدا کریں۔ سورہ ۲۹، آیۃ ۴۵ میں ارشاد ہے " اقم الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر " میں ارشاد ہے " نمازوں کو قائم کرو یقیناً نماز فحشاء اور بدی سے روکتی ہے اور ذکر الٰہی یقیناً بہت بڑی چیز ہے " ساتھ ہی حق کی عبادت کرنیوالوں کی توجہ اس حقیقت کی طرف مبذول کرائی گئی ہے کہ " افسوس ہے ان نمازیوں پر جو اپنی نماز بے توجہی سے ادا کرتے ہیں۔ انکے ادا کرنے میں ریاکاری سے کام لیتے ہیں اور خیرات کو روکتے ہیں " جیسا کہ سورۃ ماعون میں فرمایا فویل للمصلین الذین ھم عن صلوٰتھم ساھون الذین ھم یرآءون ویمنعون الماعون پھر سورۃ ۲۳، آیۃ ۸ تا ۱۱ میں فرمایا۔ والذین ھم لاماناتھم وعہدھم راعون والذین ھم علیٰ صلوٰتھم یحافظون اولٰئک ھم الوارثون الذین یرثون الفردوس " وہ جو مومن ہیں اور جنت کے وارث ہیں۔ وہ وہی لوگ ہیں جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں اور اپنی امانتوں کے ادا کرنے میں اور اپنے عہدوں کے پورا کرنے میں سچے ہیں " ــــ اسلام اور ہندوازم دونوں ہی اس بات کو مانتے ہیں کہ تمام مذاہب کا مبداء خدا ہے اور دونوں اپنے ماننے والوں پر یہ فرض عائد کرتے ہیں کہ ان کی زندگیاں نیکی اور بھلائی کے اقبال کیلئے وقف ہوں، جیسا کہ قرآن کریم میں سورۃ ۶۸، آیۃ ۴ پر اللہ تعالیٰ نبی کریم صلعم سے یوں فرماتا ہے وانک لعلیٰ خلق عظیم " اور یقیناً تو اخلاق کے بلند ترین معیار پر قائم ہے " ــــ اسی طرح دونوں مذاہب انسان کو علت و معلول۔ بدل، (Compensation) لازم و ملزوم۔ مطابقت (Harmony) اور کمال (perfection) اور اسی قسم کے دیگر غیر فانی۔ لازوال اور صرف منشاء الٰہی کے ماتحت خود بخود

عمل میں آنیوالے قوانینِ قدرت پر ایمان لانیکا حکم دیتے ہیں۔ دونوں مذاہب ہمیشہ صراطِ مستقیم پر چلنے
اللہ پر بھروسہ رکھنے اور اسی پر توکل کرنے اور رب العالمین سے ہی ہدایت اور اس کی پناہ طلب
کرنیکی تعلیم دیتے ہیں۔ بعینہٖ جس طرح قرآن کریم کی تعلیم کا نام اسلام ہے۔ عربی میں جس کے معنے خدا کے
حضور سرِ تسلیم خم کر دینے کے ہیں اسی طرح ہندوستان کے زمانہ سلف کے برگزیدہ رشیوں اور آگم
گیانیوں کی تعلیم کا ملخص "بھگوان اور اس کی بنسری" کے قدیمی قصہ کی مثل سے نکالا گیا ہے اور اس
ملخص کو ہی ہندوازم کہا جا سکتا ہے۔

اس کے علاوہ اور بیشمار دلائل اس بات کے ثبوت میں پیش کئے جا سکتے ہیں۔ کہ کیوں دو
بڑے مذاہب ـــــ نہیں بلکہ تمام مذاہب ایک ہی منبع سے نکلے ہیں۔ اسلام اور ہندوازم میں مشابہت
پر دلالت کرنیوالے امور میں سے مذکورہ بالا امور نہایت ہی اہم ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ کوئی ہندو
یا مسلم اس بات کے اعتراف میں پس و پیش نہیں کرے گا کہ دونوں مذاہب کے بنیادی اُصول ایک ہی ہیں
چنانچہ یہ بنیادی اُصول اس بات کی ٹھوس مثال پیش کرتے ہیں کہ تمام مذاہب اپنی بنیاد کے لحاظ سے
ایک ہی ہیں۔ سر سی۔ پی۔ راما سوامی اپنے ایک مضمون کے دوران میں جو "ینگ مینز آف انڈیا" کو بھیجا
گیا تھا اور جو اس کے ۱۹۳۷ء اور ۳۸ء کے سالانہ سووینیئر میں چھپا تھا یوں رقمطراز ہیں:۔

"اگر ہم ہندو اپنے مذہب پر سچائی سے قائم ہیں تو ہمیں چاہیئے کہ ہم رواداری کا نمونہ پیش
کریں۔ اور اس بات کو سمجھیں کہ انسان خواہ ایک اوتار کی پیروی کرے یا دوسرے کی
اس سے اصلیت میں کوئی فرق نہیں آتا ہے۔ ہمارا مذہب اتنا بلند۔ اتنا مستحکم اتنا
متحمل اور اتنا وسیع ہے کہ بدھ کے اور ہماری دیگر ہستیوں اور رشیوں کے پیراؤں
کو نیز زراسٹر۔ موسیٰ۔ یسوع مسیح اور محمدؐ و دیگر بزرگوں کے ماننے والوں کو خبر سچائی مختلف
شکلوں میں الہام کی گئی ہے ان سب کو اپنا بھائی سمجھے۔ ان کی اسی طرح تعظیم و تکریم
کرے اور ان سے اسی طرح پیش آئے جس طرح کہ بھائیوں سے آنا چاہیئے کیونکہ وہ بھی اسی
صداقت کی جستجو میں ہیں جس کی جستجو میں ہم لگے ہوئے ہیں۔ . . . . . اگر ہم اپنے فلسفہ
پر ایمان رکھتے ہیں۔ اگر ہم پہچانتے ہیں کہ ہمارے لئے کیا بہتر ہے تو ہم یہ بھی جان
سکتے ہیں کہ ہمارا مذہب اس بالا ہستی کا پتہ دیتا ہے جو مختلف طریقوں سے مختلف لوگوں

مختلف ممالک کے اور بلحاظ تہذیب و تمدن مختلف مدارج کے لوگوں پر اپنا آپ ظاہر کرتا ہے۔ . . . . . . ،،

سر سی۔ پی۔ راما سوامی آئر کے مندرجہ ذیل فقرات :۔ اگر ہم اپنے مذہب پر سچائی سے قائم ہیں ،، اگر ہم اپنے فلسفہ پر ایمان رکھتے ہیں ،، نیز اگر ہم جانتے ہیں کہ ہمارے لئے کیا بہتر ہے ،، کسی حد تک اس مسئلہ کی عظمت و شان کا پتہ دیتے ہیں جو آج تمام دنیا کے سامنے پیش ہے۔ رسکن اعظم (Ruskin) نے کہا تھا کہ ،، کہ ہر شخص چاہتا ہے کہ وہ نیکی کرے لیکن سو میں سے ایک بھی اس میں کامیاب نہیں ہوتا۔ . . . . . . ابتدائے آفرینش سے آج تک کسی نے بھی گناہ میں لذت محسوس نہیں کی ،، اس کے باوجود ہم کسی عنصر کو دنیا میں غالب اور حکومت کرتا دیکھتے ہیں ؟ بھلائی یا برائی ؟ نیکی یا بدی ؟ کیا یہ عنصر آلہی ہے یا شیطانی ؟ اگر ایک مسلمان دیگر مذاہب کی مقدس کتب کا مطالعہ کرتا ہے تو یقیناً اس ارادے سے کہ ان میں نقص نکالے ، ان کے مفہوم کو بگاڑے اور ان پر حرف گیری کرے ۔ اسی طرح دوسرے مذاہب کا مطالعہ کرتے وقت ایک ہندو کا رویہ کسی طرح بھی اس سے مختلف نہیں ہوتا بدبختی سے فی زمانہ عام رجحان یہی ہے اور ہر مذہب کے متبعین کی اکثریت اس کی پرزور تائید کر رہی ہے عام تجربہ تو یہی بتاتا ہے گو خال خال شرفا کی مستثنیات بھی موجود ہیں۔ تعجب کی بات ہے کہ باوجود اپنی مقدس الہامی کتب میں وحدت انسانی اور مذہبی یگانگت کا سبق سیکھنے کے یہ لوگ بنی نوع میں تفرقہ پیدا کرنے اور علیحدہ علیحدہ فرقہ بندی کرنے کے ہر ممکن موقعہ سے فائدہ اٹھانے میں ذرا بھی ندامت محسوس نہیں کرتے اور ایسا کرتے وقت وہ بھول جاتے ہیں کہ یہ تو ان کے مذہبی فرائض میں سے ہے کہ وہ ایسی باتوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالیں اور ان پر زور دیں جو بنی نوع انسان میں اور مذاہب میں اتحاد کا موجب ہوں۔

ایک تعلیم یافتہ اور معزز عیسائی مبلغ کے متعلق جو اپنے عیسائی ماحول میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ مثال کے طور پر ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ حسب معمول اپنی شبینہ تبلیغ کے دوران میں جو وہ جنوبی ہند کے کسی مقام پر عوام الناس میں کیا کرتا تھا اس نے ہندو پرمیشور اور عیسائی خدا کا فرق بتایا ۔۔ ایک مسلمان اپنے مذہبی اصولوں کی بنا پر اس بات کا پابند ہے کہ ان تمام مذہبی کتابوں کو اپنے اصل کے لحاظ سے الہامی کتب مانے جو دوسری مذہبی جماعتوں کے نزدیک مقدس ہیں ۔

آپس میں مقابلہ کرنا چاہا تاکہ وہ عیسائی خدا کی ہندو پرمیشور پر برتری ثابت کرے۔ اپنے اس تقابل کو تمثیل رنگ دیتے ہوئے تاکہ عوام کالانعام اس کو سمجھ سکیں اس نے شری کرشن جی مہاراج کی ایک تصویر دکھائی جس میں آپ کو ایک بچہ دکھایا گیا تھا جس کے ایک ہاتھ میں مکھن تھا اور جس کے بشرے سے آپ کی طرف غلط طور پر منسوب کردہ شہوت پرستی کا اظہار ہو رہا تھا اور جو اپنے ساتھ کی شکل کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس تصویر میں قریب ہی یسوع مسیح کا شبیہ بھی تھا جو اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اوپر چہرہ کو پھیرے ہوئے عبادت کر رہے تھے۔ اس مبلغ کے الفاظ جو اس نے ہندو پرمیشور کے متعلق استعمال کئے انتہا درجہ کے تکلیف دہ اور طنز آمیز تھے۔ اس کے نزدیک کوئی ادنیٰ، ناپاک اور ناشائستہ لقب ایسا نہیں تھا جو ہندو پرمیشور کے لئے موزوں نہ ہو۔ اور اس تصویر کی آڑ لیتے ہوئے اس نے ہندوؤں کے مذہب اور ان کے پرمیشور کو بے نقط سنائیں۔ جب وہ ختم کر چکا تو ایک ہندو نوجوان نے آگے بڑھکر چند موزوں الفاظ میں اس کا جواب دیا۔ یہ جواب بھی جیسے کو تیسا والا معاملہ تھا، چنانچہ عیسائی مبلغ اس کو سن کر ہکا بکا رہ گیا کیونکہ وہ دونوں تصویریں منطق کے اصول تنسیخ کی رو سے ہندو نوجوان کے استدلال کی تصدیق کرتی تھی۔ گو وہ اتنی فحش بحث تھی کہ یہاں درج کئے جانے کے قابل نہیں لیکن غور تو کرو کہ دنیا اس منطق کی تلاش میں کدھر سے کدھر جا رہی ہے۔ قرآن کریم کی سورۃ ۲ آیۃ ۶۲ میں ان لوگوں کے لئے تنبیہہ ہے جو اپنے مذہب کی اشاعت کے نام پر اس قسم کی غیر شریفانہ حرکتوں پر اتر آتے ہیں اور تمام مذاہب کے اصول کا خلاصہ بھی یہی ہونا چاہیئے۔ لیکن ایک شیطان کی اتباع کرنیوالا شخص الہامی مذاہب کو قربانی کا بکرا بنا کر اپنی ناپاک خواہشات اور قیاسات کی بھینٹ چڑھا دیتا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ اس کا مذہب اس سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ تمام و کمال اپنی خودی اور اپنا آپ رب العالمین کے جو تمام مذاہب کا خدا ہے حوالے کر دے اور اس کی راہوں پر وقف ہو جائے لیکن عملی میدان میں آ کر جب بھی اسے موقعہ ملتا ہے وہ انتہائی کمینگی کے ساتھ احکام الٰہی کو اپنی خودی کی ہدایات کے تابع کر لیتا ہے۔ انسان کس قدر بیوفا ہے۔ ذہنی طور پر حقیقت کو حاصل کر لینے سے یا تو وہ اپنے آپ کو کافی حد تک اس قابل نہیں بنا سکتا یا وہ خود نہیں بناتا کہ وہ ان رذیل ترغیبات کا مقابلہ کر سکے جو اس کو دوسری طرف بلاتی ہیں اور نہ ہی وہ اس قابل ہوتا ہے کہ اس حقیقت کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالے۔ غالباً انسان اپنی مرضی کے خلاف خوشی سے بھی کام لیتا ہے۔ وہ آزاد ہے تاکہ

جس چیز کو چاہے منتخب کرے اور جس چیز کو چاہے ترجیح دے۔ بار بار اسے آگاہ کیا جاتا ہے کہ کونسا طریق الٰہی ہے اور کونسا شیطانی۔ بار بار اسے سمجھایا جاتا ہے کہ الٰہی راستہ سچائی۔ ملاپ۔ قوت مسرت تکمیل اور بقا کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور اسے یہ بھی سمجھایا جاتا ہے کہ شیطانی راستہ جھوٹ۔ نفاق۔ دکھ زوال اور فنا کی طرف جاتا ہے۔ پس یہ حقیقت کہ وہ ایک دوسرے کے بالکل متضاد اثرات کے ماتحت پوشیدہ نہیں رکھی گئی ہے یعنی رحمانی اور شیطانی اثر۔ جن میں سے ایک صحیح اور تعمیری ہے اور دوسرا غلط اور تخریبی۔ ایک حیات ہے تو دوسرا موت۔ لیکن پھر بھی باوجود رحمان کی اتباع کا دعوےٰ کرنے کے انسان گناہ کو نیکی کی نسبت اور فنا کو بقا کی نسبت بہت جلد قبول کرتا ہے۔ انسان کو آزادی دی گئی ہے اس آزادی کی ذمہ داریوں کا بھی علم دیا گیا ہے کہ کس طرح خدا کی اس دین کو اپنی بہتری و بہبودی کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ انسان آزاد ہے لیکن وہ اس آزادی کی ہی زنجیروں میں جکڑا پڑا ہے۔ اسے اپنے خیال۔ قول اور فعل کے نتائج کو بھگتنا ہوتا ہے۔ خواہ وہ برے ہوں یا اچھے۔ خواجہ کمال الدین صاحب نے اپنی کتاب "دی آئیڈیل پرافٹ" میں ایک واقعہ لکھا ہے جسے درج ذیل کیا جاتا ہے "اپنی زندگی میں صرف ایک مرتبہ محمد صلعم سے اس طرح ہوگیا کہ جبکہ آپ مکہ کے بارسوخ آدمیوں سے مذہبی گفتگو میں مشغول تھے تو اپنے ایک غریب اندھے آدمی سے جو کہ حق کا متلاشی تھا منہ پھیرلیا۔ آپ کے اس رویہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ناپسندیدگی کا اظہار ہوا۔ اس کے بعد جب کبھی بھی آنحضرت صلعم اس غریب اندھے کو دیکھتے تو ضرور اس کی تعظیم و تکریم کرتے اور فرماتے کہ اس شخص کا آنا سبب خوشی کا باعث ہے کیونکہ اسکی وجہ سے میرے مولیٰ نے مجھے تنبیہ کی تھی"۔ آنحضرت نے اس شخص کو دو مرتبہ مدینے کا ناظم مقرر فرمایا۔ اس قسم کی غیرارادی غلطی کا بھی آپ نے ازالہ کیا اور آپ کے الفاظ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آپ نے محبت و شفقت سے ایسا کیا۔

اگر خدا کا قانون اپنے برگزیدہ بندے کے بارے میں بھی اس طرح کام کرتا ہے جیسا کہ ہم نے اس معاملہ میں دیکھا کہ ایک ایسے مقدس انسان کی جس کی زندگی مسلسل عبادت میں صرف ہوتی ہے۔ جس کی زندگی اللہ تعالیٰ کے لئے وقف ہوتی ہے اور جس کو اپنے تعلق باللہ کا احساس ہوتا ہے۔ اس کی بھی معمولی سی غلطی پر جو محض ظاہری طور پر ہی غلطی نظر آتی ہے کس طرح الٰہی قانون کی تقدیس کو برقرار رکھا جاتا ہے تو دنیا یا بنی نوع انسان کے موجودہ دکھ کی وجہ کا سمجھ لینا ہمارے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ دنیا کے اس دکھ کے تمام تر

باحث کا کھوج اس حقیقت تک پہنچا ہے جس کی طرف کہ نبی اعظم نے بھی توجہ دلائی ہے کہ انسان نے شیطان کے ہاتھ میں اپنی باگ ڈور دے دی۔ باوجود اس بات کا علم رکھنے کے کہ اللہ تعالیٰ ہی اسکا مالک ہے اور باوجود اس اختیار کے کہ وہ شیطان کی اتباع سے انکار کر دے اور صرف خدا کے راستہ پر ہی گامزن ہو جائے۔ آج سے قریباً چودہ سو برس قبل ہی انسان کو اس سے آگاہ کر دیا گیا تھا۔

اگر قوموں کے رہنما نیک چلنی کے اس زرّین اصول کی طرف توجہ دیتے اور اپنے فلسفہ اور ایمان میں صادق ہوتے تو کیا وہ بنی نوع انسان کو اتنے لمبے عرصہ میں اس قابل نہ بنا سکتے تھے کہ وہ اس نیکی اور بلند اخلاق کی تلاش میں بڑھتے چلے جاتے جو کمال کے حصول کے لئے ضروری ہے؟ پیغمبر اسلام نے بیس سال کے عرصہ میں عرب کے ایسے وسیع ملک کے تمام باشندوں کو پستی اور وحشیانہ حالت سے اٹھا کر شائستگی اور زندگی کے مہذب راستوں پر چلا دیا۔ اس کے برعکس آج بھی دنیا میں ابتری پھیلی ہوئی ہے۔ دنیا درندگی۔ دکھ۔ غم۔ بیکسی اور تباہی کی مضبوط گرفت میں جکڑی ہوئی ہے۔ یہ عذاب یہ سزا کیوں؟ یہ سب نتائج ہیں۔ اس کی وجوہات کیا ہیں؟ اگر کبھی دنیا یا اس کا کوئی طبقہ خدا کے راستہ پر جو زندگی اور مسرت کا راستہ ہے گامزن ہوا ہے تو کیا موجودہ دنیا کی طرح سے بھی وہ پھل چننا پڑے تھے جو صرف دکھ اور موت کے تاریک راستہ پر چنے جا سکتے ہیں آج دنیا کے سامنے اس سے بڑھکر کوئی اہم اور عظیم الشان سوال نہیں۔ انسان نے اگر کبھی اپنے آپ کو مکمل۔ باقاعدہ اور صدق دل کے ساتھ کسی چیز کی تحقیقات کی تکلیف دی بھی ہے تو بہت شاذ۔ خواہ وہ دائمی طور پر تواتر کے ساتھ خدا کے نور میں بسنے والا ہو یا نہ۔ خواہ وہ سوئے اتفاق سے شیطان کے زیر اثر اس نور سے اپنی دنیاوی اور خود غرضانہ فطرت کی طرف لوٹا دیا گیا ہو اور خواہ اس کی زندگی کا ہر لمحہ اپنے قبول کردہ مذہب اور خدا کی طرف سے بھیجی ہوئی تعلیم پر جس پر کہ وہ ظاہراً اپنے ایمان کا دعویٰ کرتا ہے پوری طرح کاربند ہو یا نہ۔ انسان کا رویہ ہر حالت میں یہی رہا ہے۔ اس نے ہمیشہ اس بات سے گریز کیا کہ وہ اپنے خیالات۔ اقوال اور افعال کو پرکھے۔ ان کا مطالعہ کرے۔ اور ان پر مبصرانہ نظر ڈالے تا کہ اسے علم ہو سکے کہ آیا اس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ حقوق اللہ۔ حقوق العباد اور حقوق النفس کی مخلصانہ ادائیگی میں گذرا ہے یا نہیں اور یہ کہ کہیں اس کے نفس کی ادنیٰ خواہشات تو اسے دھوکا نہیں دے رہیں۔ نیز اس کے ایمان اور فرض پر فوقیت تو نہیں لے رہیں۔ وہ اپنے مذہبی مواعید اور اس

تعلیم و تنبیہات سے جن پر کہ اس کا ایمان تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی گئی ہیں بالکل بے تعلق اور بے وفا رہا ہے۔ وہ اپنی حریت۔ اپنے مذہب۔ اپنے مواعید۔ اپنے دعاوی۔ اپنے فرائض اپنے آپ اور اپنی نسل ان سب سے بیوفا ثابت ہوا ہے۔ اور یہ اس بات کا قدرتی نتیجہ ہے کہ اس نے خدا اور اس کی وحی سے بیوفائی کی۔ بیوفائی اگر سب سے بھیانک برائی ہے تو سب سے بھیانک جرم بھی ہے۔ یہ درست ہے کہ انسان کے وضع کردہ قوانین اس پر حرف گیری نہیں کرتے لیکن الٰہی قوانین تو ایسا کرتے ہیں۔ انسان وہی کاٹتا ہے جو بوتا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے اس لئے آؤ آج سے ہم اس کے منتخب شدہ بندوں میں سے ایک کی زبان سے نہایت انکساری کے ساتھ نکلے ہوئے پاک اور آسمانی الفاظ کو یاد رکھیں کہ:۔

"جب ہم گفتگو کرتے (یا کوئی کام کرتے) ہیں تو ہمیں اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے اور دیکھتے رہنا چاہیئے کہ کہیں ہم اپنی گفتگو میں شیطانی اثر کی رو کے نیچے تو نہیں بہ رہے، کیونکہ ہمارا مولے خدا ہی ہے"

شہادت حضرت امام حسینؓ[1]

{از سیّد غضنفر علی شاہ صاحب بخاری۔ بی اے}

میں فی الواقع اسے ایک زرّین موقع بلکہ اپنے لئے باعث فخر خیال کرتا ہوں کہ مجھے ایک ایسے موضوع پر بولنے کی دعوت دی گئی ہے جو تاریخی اعتبار سے اپنے اندر عظیم الشان اہمیت رکھتا ہے۔

محرم جو کہ اسلامی نظام تقویم کے لحاظ سے سال کا پہلا مہینہ ہے اور جسے ایک بابرکت مقدس مہینہ تصور کیا جاتا ہے۔ اس ماہ کا دسواں دن گو ایک لحاظ سے تاریخ اسلام میں غالباً سب سے بڑا دن ہے، لیکن انتہائی غم واندوہ کا دن ہے۔ یہ وہ دن ہے جس دن آج سے تقریباً تیرہ سو برس قبل اکسٹھ ہجری میں سیدالاولیاء حضرت امام حسینؓ نے اپنی جان عزیز کی عظیم الشان پیشکش کی اور اس طرح تاریخ شہادت میں ایک بینظیر اور بے مثال باب کا اضافہ کیا۔ اسلام اور حق کی خاطر (جو میرے نزدیک ایک ہی چیز کے دو مختلف نام ہیں) اس دلیرانہ اور بہادرانہ مقابلہ نے نہ صرف خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں کی بلکہ غیر مسلموں کی قوت متخیلہ کو بھی مسحور کر دیا۔ یہ حقیقت کہ مرور زمانہ کی طویل مدت اس اہم تاریخی واقعہ کی شہرت وعظمت کو کم نہیں کر سکی بلکہ اس کے برعکس اس کی یاد کی تابندگی میں ازدیاد کا باعث ہوئی ایک ایسی حقیقت ہے کہ جہاں تک اس واقعہ کی مسلمانوں کے جذبات تعظیم وتحسین پر گرفت کا تعلق ہے بجائے خود اپنی غیر فانی نوعیت کا ثبوت ہے۔

یقیناً اس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا اگر ہم کہیں کہ حضرت امام حسینؓ کی شہادت جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے اپنی مثال نہیں رکھتی۔ تمام ان لوگوں کے لئے جو حقیقی معنوں میں مسلمان ہیں آڑے وقتوں میں جبکہ وہ دشمن کی ان گنت تعداد کا مقابلہ کر رہے ہوتے ہیں یہ نظیر ہمیشہ وجہ طمانیت ہی ہے

---

[1] یہ مضمون ایک تقریر کا متن ہے جو کہ برطانیہ عظمےٰ میں مسلم سوسائٹی کے ایک اجلاس میں سید امام حسینؓ کی برسی مورخہ ۱۹ فروری ۱۹۴۰ء کے موقع پر کی گئی۔ الحاج لفٹننٹ کرنل سر حسن سہراوردی مشیر سکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا کرسی صدارت پر سرفراز تھے۔

اور تا ابد رہے گی۔ میرے خیال میں یہ بے محل نہ ہوگا اگر اس واقعہ سے متعلق آپ کی زندگی کے بعض تاریخی واقعات مختصراً بیان کر دئے جائیں تاکہ اس بلند مرتبت رجلِ عظیم کی شجاعت کی نوعیت کو بخوبی سمجھ کر اس کی پوری پوری داد دی جا سکے۔

حضرت امام حسینؓ حضرت رسول پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی چہیتی بیٹی فاطمۃ الزہرا کے بطن مبارک سے آپ (صلعم) کے دوسرے پوتے اور باب الحکمت۔ اسد اللہ حضرت علیؓ کے فرزند تھے۔ حضرت علیؓ کی خدمات فی الاسلام حد شمار و حد حساب سے باہر ہیں۔ آپ اسلام کے زبردست مؤید و معاون اور غازی تھے۔ نیز خلفاء راشدین میں سے آپ چوتھے اور آخری خلیفہ تھے۔

حضرت امام حسینؓ ۴ ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں آپ کی بھولی بھالی اور نیک خصلتوں کے باعث رسول اکرم صلعم آپ سے بہت محبت رکھتے تھے اور بڑے پیار سے آپ نے امام حسینؓ کو اور ان کے ساتھ اُن کے بڑے بھائی حضرت امام حسنؓ کو جنت کے سرداروں میں سے ایک سردار کا لقب عطا فرمایا تھا۔ عین ممکن ہے کہ آنحضرت صلعم نے اس لئے یہ لقب عطا فرمایا ہو کہ آپ نے اس پیغمبرانہ بصیرت سے جو آپ کو حاصل تھی ان تمام مصائب و مشکلات کو قبل از وقت ہی دیکھ لیا ہو جن میں سے آپ کے پوتے کو اسلام کی راہ میں گذرنا تھا خوش قسمتی سے آپ کی پرورش زمانہ طفولیت ہی سے ایسے ماحول میں ہوئی جس نے آپ کے کردار پر ایک مستقل اثر چھوڑا اور جس کی طفیل بڑے ہو کر آپ درخشندہ کمالات کا ایک جامع انسان بن گئے جس کی رگ رگ میں اسلام کے بلند مقاصد اور حقیقی اُصول سرایت کئے ہوئے تھے آپ کے اشد ترین دشمنوں کو بھی اس اعتراف کے بغیر چارہ نہیں کہ آپ صاف گوئی۔ ایمانداری۔ اخلاص۔ شجاعت۔ عالی ظرفی۔ تقویٰ اور قابلیت میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ آپ کی زندگی درحقیقت نیکی کا نمونہ سمجھی جاتی تھی اور اس کے متعلق مستند ریکارڈ موجود ہے جو اس قدر مکمل اور مفصل ہے کہ آپ کی ذات سے متعلق باریک در باریک تفصیلات کا بھی علم نہ ہونا قریب قریب ناممکن ہو جاتا ہے۔ سب سے قوی دلائل میں سے ایک جو آپ کو شہداء کی صفِ اوّل میں لا کھڑا کرتی ہے یہ ہے کہ آپ کے واقعہ شہادت کی تاریخ آپ کی زندگی اور آپ کا کردار قصے کہانیوں کے دھندلکے۔ سرسری یادداشتوں اور فرضی اسناد سے بالکل پاک ہے ورنہ دنیا کے دیگر شہداء عظام کی تاریخ کم و بیش ان چیزوں سے ملوث نظر آتی ہے۔

میں یہاں پر آپ کی زندگی کا ایک واقعہ بیان کرنا چاہتا ہوں جو مؤرخین کے نزدیک آپ کے کردار کی ایک صحیح تصویر ہے اور جس سے پتہ چلتا ہے کہ کس طرح آپ کی روزمرّہ کی زندگی قرآنی تعلیم کے مطابق تھی۔

ایک دفعہ مدینہ میں حضرت امام حسینؑ نے چند احباب کو شام کے کھانے پر مدعو کیا۔ جب کھانا کھلایا جا رہا تھا تو اتفاق سے خدمتگار کے ہاتھ سے بھاپ نکلتا ہوا شوربہ بھری قاب میں سے گر گیا جس نے آپ کی جلد مبارک کو جلا دیا۔ خدمتگار کو خیال ہوا کہ آقا اس پر سخت ناراض ہونگے چنانچہ اس نے فوراً قرآن مجید کی ایک آیت تلاوت کر دی جس کا ترجمہ یوں ہے کہ "جو لوگ غصے کو روکتے ہیں ان کے لئے جنت ہے. . ."۔ اس پر حضرت امام حسینؓ نے فرمایا "میں تم پر غصے نہیں ہوں"۔ اپنی شنوائی ہوتے دیکھ کر خدمتگار کا حوصلہ بڑھا اور اس نے قرآن مجید سے ایک اور آیت پڑھ دی "اور جنت ان لوگوں کے لئے بھی ہے جو خطاؤں کو بخش دیتے ہیں"۔ اس پر حضرت امام حسینؓ نے مزید فرمایا "میں نے تیری غفلت سے درگذر کیا"۔ خدمتگار نے یہ سنتے ہی اس کا دوسرا حصّہ بھی پڑھ دیا جس پر حضرت امام حسینؓ نے فرمایا "جاؤ میں نے تمہیں آزاد کیا۔ مزید براں تمہیں چار سو چاندی کے سکّے بھی انعام میں دیتا ہوں"۔ اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت امام حسینؓ اپنی زندگی کو قرآنی تعلیم کے مطابق ڈھالنے کے کس قدر مشتاق تھے اور آپ کی روزمرّہ زندگی کس قدر اس کے احکام کیمطابق گزرتی تھی۔

اس مختصر تمہید کے بعد اب میں آپ کے سامنے ان حالات و کوائف کو بیان کروں گا جنہوں نے اس اندوہناک المیہ کی طرف رہنمائی کی جشن سالگرہ منانے کے لئے ہم آج کی شام اکٹھے ہوئے ہیں۔ جب آنحضرت صلعم اپنے مقصد کی کامیاب تکمیل کے بعد اس جہان فانی سے رحلت فرما گئے تو اس امر کی ضرورت محسوس کی گئی کہ بطور آپ کے نمائندہ کے آپ کا ایک نائب مقرر کیا جائے جو ان تمام دینی و دنیوی فرائض کو انجام دے جو رسول پاک صلعم اپنے عین حیات میں انجام فرمایا کرتے تھے۔ اسلام کے اصول کہ ہمیں بخوبی علم ہے جمہوریت کے اصولوں پر مبنی ہیں اور یہ مذہب اپنے متبعین کو ایک ایسی اجتماعیت کی تلقین کرتا جو دنیا کے دیگر مذاہب کے لئے قابل رشک ہے۔ چنانچہ قدرتی طور پر آنحضرت کی نیابت کا مسئلہ بھی اسی جمہوری طریق کا متقضی تھا۔ یہ حقیقت بھی اس جمہوریت پسندی کی مزید اور قطعی تصدیق کرتی ہے کہ آنحضرت صلعم کی نیابت ایسے جلیل القدر منصب کے لیے حضرت علی رضؓ کو

نظر انداز کرتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ کو منتخب کیا گیا حالانکہ اگر موروثی اصول پر عمل کیا جاتا تو حضرت علیؓ نیابت کے حقدار تھے۔ لیکن اس انتخاب کے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمر اعظمؓ، حضرت عثمانؓ اور بالآخر حضرت علیؓ یکے بعد دیگرے خلیفہ منتخب ہوئے ان خلفاء کی زندگیاں ایک قابلِ ستائش مثال ہیں کہ کس طرح آنحضرت صلعم کے ان صحابہ کرام نے جب انہیں منصب خلافت کی دعوت دی گئی اپنے آپ کو اسلام کے اصول وطرق پر گامزن کر دیا۔

بدقسمتی سے ان خلفاء راشدین کا زمانہ صرف تیس برس ہی رہا اور سوائے پہلے خلیفہ کے جنہوں نے اپنی طبعی موت پائی باقی تینوں خلفاء قتل ہوئے۔ حضرت علیؓ کی وفات پر ہی امام حسنؓ کو جو حضرت امام حسینؓ کے بڑے بھائی تھے بخوشی پانچواں خلیفہ منتخب کر لیا گیا۔ اس وقت معاویہ نے جو کہ ابھی تک شام (موجودہ سیریا) کے گورنر تھے اس منصب کے لئے مقابل کا دعوے کیا۔ خود حضرت علیؓ کی زندگی میں معاویہ نے آپ کی بیعت کے انکار سے جمہوری طرقِ انتخاب کے بارے مخالفانہ روّیے کا اظہار کر دیا تھا اور عذر یہ کیا تھا کہ انہوں نے خلیفۂ ثالث حضرت عثمانؓ کے قاتلین کو سزا نہیں دی۔ امام حسنؓ نے اس بات کا پوری طرح سے احساس کرتے ہوئے کہ اگر انہوں نے اپنے انتخاب کو منوانے کی کوشش کی تو انہیں معاویہ سے جنگ کرنا پڑے گی اور اس طرح خواہ مخواہ مسلمانوں میں خونریزی ہوگی، معاویہ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو جانے کا فیصلہ کر لیا۔ معاویہ نے اس پر آپ سے یہ وعدہ کیا جو کہ ایک عہدنامہ کی شکل میں تھا کہ وہ فرائض خلافت کو احکام اسلام کے مطابق انجام دیں گے اور یہ کہ وہ اپنا جانشین خود منتخب نہیں کریں گے بلکہ جیسا کہ پہلے ہوتا آیا ہے وہ اس مسئلہ کو مسلمانوں کے عام انتخاب پر چھوڑ دیں گے۔

کہتے ہیں کہ حضرت امام حسینؓ اپنے بھائی کے اس فیصلہ سے متفق نہ تھے لیکن جب عہدنامہ پر دستخط ہو گئے تو وہ بھی اپنے بھائی کے ہمنوا ہو گئے کیونکہ انہیں سیاسی اقتدار کی کوئی طمع نہ تھی۔ یہ آپ کی نیک نیتی اور صادق الارادی کا ایک مدلّل ثبوت ہے کہ معاویہ کے زمانۂ خلافت کے بیس سال کی طویل مدت میں آپ نے کوئی اس قسم کا اقدام نہیں کیا کہ جس سے معاویہ کی پوزیشن کو صدمہ پہنچتا حالانکہ متعدد مواقع ایسے آئے جبکہ وہ ایسا کرنے میں حق بجانب تھے۔ ۵۰ھ میں آپ کے بڑے بھائی امام حسنؓ کو جو معاویہ کی نظروں میں ایک اہم رقیب تھے زہر دئیے جانے کا واقعہ حضرت امام حسینؓ کی طرف سے اس قسم کے اقدام کے لئے ایک جائز موقعہ تصور کیا جا سکتا تھا، جب حضرت امام حسینؓ نے انتقام لینے کی غرض سے

اپنے بھائی سے دریافت فرمایا کہ ان کے خیال میں اس غدارانہ فعل کا کون ذمہ دار ہو سکتا ہے تو اس شریف ہستی نے محض اس خیال سے کہ اس کے نتائج کہیں خانہ جنگی کی صورت میں ظاہر نہ ہو جائیں اس شخص کا نام بتانے سے انکار کر دیا اور جیسا کہ کہا جاتا ہے فرمایا:۔

"یہ دنیا محض ایک طویل شب ہے، اسے اس کے حال پر چھوڑ دو حتیٰ کہ میری اور اس کی دن کی کھلی روشنی میں اس بالا ہستی کی موجودگی میں ملاقات ہوگی جہاں اسے اپنے اعمال کی پوری پوری جوابدہی کرنا ہوگی"

جیسا کہ آپ کے جواب سے ظاہر ہے یہ بھائی سے ان کی ایک واضح درخواست تھی کہ وہ رضائے الٰہی کے سامنے ہر حالت میں سر تسلیم خم کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اور یہی وہ روایات تھیں جنہیں حضرت امام حسینؓ کو برقرار رکھنا تھا جبکہ امام حسنؓ کے بعد آپ نے نبی پاک محمد صلعم کے خاندان کی بزرگی کا لبادہ اپنا۔ امام حسنؓ کی شہادت کے بعد معاویہ نے دیکھ کر کہ اب اس کی پوزیشن محفوظ ہے اور انکا راستہ صاف ہے، خود ایک شاہی حیثیت اختیار کر لی اور اپنے بیٹے کو اپنا جانشین مقرر کر کے اس بات کا اعلان کر دیا کہ خلافت موروثی چیز ہے۔ نیز یہ کہ مالگذاری اور محاصل بادشاہ کی ملکیت ہیں حالانکہ اس کے برعکس آنحضرت صلعم اور آپ کے خلفاء راشدین نے اس بات کی بڑی احتیاط کی کہ یہ عوام کی ہی ملکیت رہیں۔ یہ اس عہدنامہ کی صریح خلاف ورزی تھی جو انہوں نے امام حسنؓ سے کیا تھا۔ لیکن باوجود اس بات کے کہ قصر شاہی (کیونکہ معاویہ کی جائے سکونت نے یہی رنگ اختیار کر لیا تھا) کی عام وضع قطع میں بعض ناجائز باتیں بھی داخل ہو چکی تھیں لیکن حضرت امام حسینؓ نے جب تک معاویہ زندہ رہے اپنے آپ کو اس بات پر حق بجانب نہ سمجھا کہ وہ کوئی سخت قدم اٹھائیں کیونکہ ان کا خیال تھا کہ بعض قابل اعتراض چیزوں کو چھوڑ کر اسلام کے اصول اگر اپنی اصلی شان سے زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں کر دیئے گئے۔

معاویہ کی وفات کے بعد ان کا لڑکا یزید تخت نشین ہوا اور اس نے حضرت امام حسینؓ سے بیعت کا مطالبہ کیا حالانکہ آپ نے یزید کے والد کے زمانہ میں ہی اس نامزدگی کو صحیح یا آئینی ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ یہ انتہائی بدبختی ہے کہ یزید کا کردار خود اس کا مخالف تھا۔ غالباً یزید بدی اور اس کی تمام لوازمات کا ایک بدترین نمونہ تھا۔ صرف یہی نہیں کہ وہ ایک گنہگار، شہوت پرست اور فاجر و فاسق انسان تھا بلکہ وہ ان بدیوں پر فخر کیا کرتا تھا۔ وہ شرابی تھا زانی تھا اور کہتے ہیں کہ درحقیقت وہ شرعی احکام کو توڑنے

کی بالارادہ کوشش کیا کرتا تھا۔ اگر وہ ایک سچا مسلمان ہوتا تو یہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت امام حسین رضؓ کو آمادہ کیا جا سکتا تھا کہ وہ اسے تنہا چھوڑ دیتے اب جبکہ دکھاوے کا اسلام بھی نظر انداز کر دیا گیا تھا تو یزید کی طرف سے یہ گستاخی کی انتہا تھی کہ وہ حضرت امام حسین رضؓ سے ایسی بیعت کا غیر مشروط مطالبہ کرے۔ لیکن یزید خوب سمجھتا تھا کہ جب تک حضرت امام حسین رضؓ زندہ ہیں اور اس کی حکومت کی کھلی کھلی مخالفت کر رہے ہیں اس وقت تک اس کی پوزیشن غیر محفوظ ہے۔ اسلئے وہ اپنے مدینہ کے گورنر کے ذریعہ حضرت امام حسین رضؓ کی بیعت کروانے کی فوری تدابیر عمل میں لایا تاکہ اگر وہ بیعت کرنے انکار کر دیں تو ان کا ہمیشہ کے لئے قلع قمع کر دیا جائے۔ بنی امیہ نے معاویہ کے زمانہ میں یمن میں بے پایاں اقتدار حاصل کر لیا تھا اور اس سے زیادہ یہ کہ ایک اجارہ دار فوج ان کی پشت پر تھی۔ جب اصل الیہ وقوع میں آیا تو یزید نے اس فوج سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ حضرت امام حسین رضؓ اس خیال سے کہ کہیں ان پر اس معاملہ میں ناقابل برداشت دباؤ نہ ڈال دیا جائے مدینہ سے مکہ شریف لے گئے جہاں وہ مکمل طور پر محفوظ تھے اور یزید کے جبر و تشدد سے آزاد۔ یزید خوب سمجھتا تھا کہ جب تک حضرت امام حسین رضؓ مکہ میں رہیں گے وہ کچھ نہیں کر سکتا اسلئے وہ خاموشی سے موقعہ کی تلاش میں رہا۔ آخر وہ موقعہ بھی آ گیا جبکہ کوفہ والوں نے حضرت امام حسین رضؓ کو دعوت نامہ بھیجا کہ وہ آکر ان کی پیشوائی کریں اور اس جابر سے رہائی دلائیں جو جدید عراق کے لوگوں پر تشدد کر رہا تھا خصوصاً اس لئے بھی اس صوبہ کے لوگوں کے دلوں میں خاندان علی رضؓ کے لئے عزت و دلبستگی تھی۔ یہ سوچ کر کہ اگر میں نے ان التجاؤں کو ماننے سے انکار کر دیا تو میں اپنے حق کی خاطر جہاد کرنے کے فرض سے جی چرانے والا ہو جاؤنگا اور یہ ایک ایسی چیز تھی کہ ہر وہ شخص جو آپ کے بے لوث کردار سے ذرہ بھی واقف ہے آپ سے اس کی کبھی بھی توقع نہیں کر سکتا۔ چنانچہ حضرت امام حسین رضؓ نے اپنے مٹھی بھر جاں نثاروں کی جماعت اور اہل بیت کو لیکر عراق کی طرف کوچ کر دیا۔ اہل بیت آپ کی ہمشیرہ چچیرے بھائی بہنوں۔ بھانجے بھانجیوں، اور آپ کے اپنے بچے بچیوں پر مشتمل تھے، آپنے احتیاطاً اپنا نمایندہ کوفے کو روانہ کر دیا تھا تاکہ پہلے تو وہ ان لوگوں کے صحیح خیالات معلوم کرے اور پھر آپ کو مطلع کرے۔ حضرت امام حسین رضؓ کے اس نمایندہ نے بھی جام شہادت پی لیا کیونکہ جب اس نے حضرت امام حسین رضؓ کو اطلاع پہنچادی اور کوفے کے گورنر کو یقین ہو گیا کہ اس کے متعلق خاطر خواہ رپورٹ ہو گئی ہے اور یہ کہ اس کے کسی فعل کا اثر اس رپورٹ پر نہیں پڑ سکتا

تو اس نے فوراً اس نمائندے کو گرفتار کر کے اس کا سر قلم کر دیا۔ اس گورنر نے ایک ہزار سپاہ پر مشتمل ایک فوج جس کا سالار حُرؔ تھا اس غرض سے بھیجی کہ وہ حضرت امام حسینؓ کو روکیں اور آپ سے یزید کی بیعت کا مطالبہ کریں اس فوج کا حضرت امام حسینؓ کے ساتھیوں سے عراق کی سرحد پر تصادم ہوا جہاں حُرؔ نے حضرت امام حسینؓ سے تمام صورتِ حالات کی وضاحت کی اور وہ احکام بھی بتائے جو اسے ملے تھے۔ جب آپ کو یقین ہو گیا کہ اہل کوفہ یزید کے رنگ میں رنگین ہو گئے ہیں تو مکہ واپس لوٹ جانے کی اجازت چاہی حُرؔ نے اس امید پر کہ یہ مان لیا جائے گا اس پیغام کو مکمل طور سے گورنر تک پہنچا دیا۔ لیکن گورنر نے جسے یزید کی طرف سے سختی سے احکام مل چکے تھے ... ہم کی مزید سوار فوج کی کمک عمرو ابن سعد کی قیادت میں روانہ کی تاکہ وہ حضرت امام حسینؓ کی بیعت حاصل کریں ورنہ آپ کو نیست و نابود کر دیں، جب عمرو ابن سعد موقعہ پر پہنچا تو حضرت امام حسینؓ دریائے فرات کے کنارے کربلا کے میدان میں خیمے لگائے ہوئے تھے اس دفعہ بھی اس کو حضرت امام حسینؓ نے وہی جواب دیا لیکن اب کے آپ نے تین صورتیں پیش کیں۔ یا یہ کہ آپ کو دمشق لیجایا جائے تاکہ آپ یزید سے بالمشافہ بات چیت کر سکیں اور یا آپ کو مکہ واپس جانے دیا جائے اور یا پھر آپ کو کسی سرحدی علاقہ میں بھیجدیا جائے تاکہ آپ جہاد فی الاسلام میں حصہ لے سکیں۔ یہ تینوں شرطیں بھی مزید ہدایات کی خاطر گورنر تک پہنچادی گئیں، لیکن اس دفعہ گورنر نے جواب شمر کے ہاتھ بھیجا اور اسے ہدایت کی کہ اگر عمرو ابن سعد اس معاملہ میں مزید تاخیر سے کام لے تو وہ خود فوج کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لے۔ حضرت امام حسینؓ کے پڑاو اور دریا کے درمیان آمد و رفت منقطع کر دے تاکہ وہ پانی نہ لے سکیں۔ آپ سے غیر مشروط بیعت کا مطالبہ کرے اور اگر آپ کو اس سے انکار ہو تو آپ کو نیست و نابود کر دے۔ چونکہ یزید کو دراصل حضرت امام حسینؓ کی ذات پریشان کئے ہوئے تھی اور گورنر اہل بیعت کے باقی افراد کے لئے نیک سلوک کا دم بھرتا تھا اس لئے جب حضرت امام حسینؓ کو یہ جواب پہنچا تو آپ پر واضح ہو گیا کہ سوائے جنگ کے آپ کے لئے کوئی چارہ نہیں۔ جب آپ کے خاندان کے دیگر افراد کو پروانہ راہداری پیش کیا گیا تو انہوں نے سے واپس پھینک دیا اور کہا کہ پیشتر اس کے کہ حضرت امام حسینؓ کو کوئی چھوئے یا آپ کا بال بھی بیکا کرے وہ سب ایک ایک کر کے لڑتے ہوئے جان دیدیں گے۔ حضرت امام حسینؓ نے کوشش کی کہ اپنے اصحاب کی مختصر جماعت کو اس خطرہ سے متنبہ کریں جس میں کے وہ تھے اور ان کو ترغیب دی کہ

وہ آپ کو تنہا چھوڑ کر مکہ واپس لوٹ جائیں کیونکہ وہ جانتے تھے کہ صورت حالات قریب قریب مایوس کن ہے۔ آپ نے انہیں یہ بھی یقین دلایا کہ یزید کو محض آپ کی ذات کی ہی ضرورت ہے نہ کہ ان کی۔ لیکن آپ کے بہادر ساتھیوں نے آپ سے جدا ہو جانے سے قطعی انکار کر دیا اور آپ کو چھوڑ دینے کی نسبت آپ کے سامنے موت کے گھاٹ اترنے کو ترجیح دی۔ اس حادثۂ المیہ سے پہلے تین دن میں اہل بیت نے جس میں کہ بچے بھی شامل تھے اور عورتیں بھی بھوک اور پیاس کی اشد ترین سفاکانہ اذیتیں جھیلیں کیونکہ دریا کے کنارے اور حضرت امام حسینؓ کے پڑاؤ کے درمیان سوار فوج نے گھیرا ڈالا ہوا تھا اور پانی لانے کے لئے دریا تک پہنچنے میں وہ مانع تھی۔

محرم کی دس تاریخ کو اصل المیہ وقوع میں آیا اور حضرت امام حسینؓ نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے ساتھیوں کو یکے بعد دیگرے قتل ہوتے دیکھا۔ اس کے بعد آپ کے رشتہ داروں کی باری آئی اور وہ بھی دلیری سے مقابلہ کرتے ہوئے یکے بعد دیگرے کام آئے۔ جب یہ خونریزی جاری تھی تو تیر نیزوں سے جو کہ ان پر پھینکے جا رہے تھے کمسن بچے بھی بری طرح زخمی ہو رہے تھے اور مارے جا رہے تھے۔ جب حضرت امام حسینؓ نے جو کہ سوائے ایک اور کے خاندان کے آخری مرد رہ گئے تھے۔ ہاتھ اٹھایا تو یہ شہیدِ اعظم اس قدر پُر وقار تھا اور اس کی صورت اس قدر دلیرانہ تھی کہ باوجود ہزارہا کی تعداد میں ہونے کے دشمن آپ تک پہنچنے سے ہچکچاتا تھا۔ بالآخر ظالم شمر نے جس کو تمام دنیا اس کے اس کمینہ فعل کی وجہ سے نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے متعدد دستوں کے ساتھ آپ پر حملہ کر دیا اور وہ جانباز اور شرافت کا پتلا سپاہی تینتیس ۳۳ زخم کھانے کے بعد شجاعت و بہادری کا بے مثل کردار پیش کرتے ہوئے گرا اور شہید کر دیا گیا۔ اس کا سر کاٹ دیا گیا اور اس کا جسم مبارک سواروں کے پاؤں تلے روندا گیا۔ یہ شریف خاندان بالکل معدوم نہیں ہو گیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت امام حسینؓ کے فرزند زین العابدین بیمار بستر پر پڑے تھے اور گو کہا جاتا ہے کہ انہوں نے کوشش کی کہ اٹھیں اور میدان کارزار میں جائیں لیکن انہیں اس اقدام سے باز رکھنے میں کامیابی حاصل ہوئی۔

آپ کا سر یزید کو بھیجا گیا اور جب اس نے اسے دیکھا تو اس کی ضمیر نے اسے اتنی ملامت کی کہ وہ رویا اور کہتے ہیں کہ اس نے اپنے گورنر کو سخت سست کہا، سر کو واپس کر دیا اور آپ کے خاندان کے

لوگوں کو اجازت دیدی کہ وہ واپس مکہ چلے جائیں۔ حضرت امام حسینؓ کی وہ تقریر جو آپ نے مخالف لشکر کو خطاب کرتے ہوئے فرمائی اس امر پر پوری روشنی ڈالتی ہے کہ کیوں یہ عظیم الشان ہستی اپنے آپ کو اور اپنے اعزہ و اقارب کو قربانی کی بھینٹ چڑھا دینا ضروری سمجھتی تھی آپ نے فرمایا "یا ایھا الناس! رسولِ خدا صلعم نے فرمایا ہے کہ وہ شخص جو کسی حاکم کو دیکھتا ہے کہ وہ ظلم کا ارتکاب کر رہا ہے۔ خدا کی حدود کو توڑ رہا ہے۔ اللہ کے عہد کو توڑ رہا ہے۔ آنحضرت صلعم کی تعلیم کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔ خدا کی مخلوق پر گنہگارانہ طریق سے اور جبر و تشدد سے حکومت کر رہا ہے — وہ شخص جو ایسے حاکم کو دیکھتا ہے اور اپنے قول و فعل سے اس کی مخالفت نہیں کرتا۔ اللہ تعالےٰ اسے جنت میں اچھا مقام عطا نہیں فرمائے گا۔ آج فسق و فجور کا دور دورہ ہے۔ حدود اللہ کو توڑا جا رہا ہے اور جسے حرام ٹھہرایا اسے حلال۔ اس لئے مجھے پورا حق حاصل ہے کہ میں اس جور و جفا کو نیست و نابود کر کے اس کی جگہ حق اور انصاف قائم کروں۔"

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اس وقت جو حالات پیدا ہو چکے تھے ان کے لئے آپ کے دل میں کس قدر تڑپ تھی اور یہ کہ آپ کے لئے متنازع فیہ مسئلہ میں کسی قسم کی مصالحت کرنا کیوں ناممکن تھا۔

مؤرخین کی رائے میں اس وقت آپ کے دل میں جو سب سے زیادہ جذبہ کام کر رہا تھا وہ یہ تھا کہ آپ باقی مسلمانوں کے لئے ایک نظیر پیش کرنا چاہتے تھے کیونکہ باوجود نیک اور پارسا ہوتے کے مسلمانوں نے حاکم کے غیر اسلامی طریق سے بیزار ہو کر حکومت کے دنیاوی معاملات میں دلچسپی لینا چھوڑ دی تھی۔ اور یہ تبھی ہو سکتا تھا کہ جیسا کہ آنحضرت صلعم نے ہر ایک مسلمان پر فرض کیا ہے اپنی جان اور اپنے اعزہ و اقارب کو قربان کر کے بھی حاکم کی مخالفت پر کمر باندھ لے۔

جہاں تک موت کا تعلق ہے آپ کے لئے اس سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہ تھی اور نہ ہی کوئی حقیقی مسلمان اس سے ڈرتا ہے۔ اور یہ اسلام کی بنی نوعِ انسان کے لئے اہم ترین پیشکشوں میں سے ایک پیشکش ہے کہ اس نے مسلمانوں کے قلوب میں سے موت کے خوف کا بھوت نکال پھینکا اور یہ ایک ایسا جذبہ ہے جو صرف انسان کی روح کو ہی سرخرو نہیں کرتا بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ یہ جذبہ رکھنے والوں کے دلوں کو ایک بے مثال شجاعت اور دلیری سے معمور کر دیتا ہے۔ اور پھر کیا اللہ تعالےٰ نے

قرآن مجید میں ان لوگوں کے لئے جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جان دیتے ہیں یہ وعدہ نہیں فرمایا کہ وہ بقا کو حاصل کریں گے اور کبھی فنا نہیں ہونگے ؟

قرآن مجید میں یوں ارشاد ہے :-

ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون

ترجمہ :- ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قتل ہوئے مردہ مت کہو۔ نہیں۔ وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں جانتے۔ (قرآن مجید۔ سورۃ ۲۵۔ آیۃ ۱۵۴)

حضرت امام حسینؓ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے اور یقیناً انہوں نے ابدی زندگی حاصل کر لی۔ آج جہاں آپ کو تعظیم و تکریم سے یاد کیا جاتا ہے اور مسلمانوں کا ایک فرقہ ہر سال کربلا کے میدانوں میں عقیدت کے پھول برسانے جاتا ہے وہاں مسلمانوں کے نزدیک یزید کا نام بھی منحوس سمجھا جاتا ہے اور اس کے حصہ میں وہ پتھر ہی رہ گیا ہے جو اس کی قبر پر پھینکا جاتا ہے۔ وہ قبر جو محض پتھروں کے ایک بدنما انبار کے سوا کچھ نہیں۔

حضرت امام حسینؓ کی شہادت نے اسلام کے لئے ایک احیاء کا کام کیا کیونکہ جب یہ المیہ وقوع میں آیا تو دنیائے اسلام میں خوف و نفرت کی ایک لہر دوڑ گئی اور یہی چیز بنو امیہ کے زوال کی اصل وجہ بنی جو اس واقعہ کے تھوڑے عرصہ بعد ہی سیاسی میدان میں جا پڑے۔

یہ حقیقت کہ اس سارے عرصہ میں حتیٰ کہ آخری لمحہ تک بھی حضرت امام حسینؓ اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جان اپنی بیعت کر کے بچا سکتے تھے اور اس طرح بڑے انعام و اکرام بھی حاصل کر سکتے تھے آپ کی شہادت کا رتبہ اور بھی بڑھا دیتی ہے کیونکہ انعام و اکرام کی لالچ آپ کو گفت و شنید کے دوران میں بارہا دی گئی لیکن ہر دفعہ آپ نے انکار کر دیا۔ دنیا کے دیگر شہداء کے معاملہ میں انہیں اس قسم کا اختیار کبھی نہیں دیا گیا جیسا کہ حضرت امام حسینؓ کو حاصل تھا اور ایکی دفعہ انکی اپنی جان ہی خطرہ میں ہوتی تھی اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ انہیں اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کو اپنے سامنے سفاکانہ طریق پر اذیت میں اور ذبح ہوتے دیکھنے کی ناقابل برداشت تکلیف سہنی پڑی ہو۔

وہ عظیم الشان انسان بہت ہی قابل عزت انسان ہے جو کہ باوجود ان بے پایاں مصائب کے جو اس پر ٹوٹ پڑے استقلال سے اپنی جگہ پر جما رہا اور اسلام کی آبرو رکھ لی۔ اور یقیناً ہمیں

چاہیئے کہ ہم آپ کی برسی کماحقہ منائیں۔ میرا مطلب ہے کہ ہم نہ صرف آپکی لفظی ستائش ہی کریں بلکہ ہم اپنے افعال کے ذریعہ آپ کے نمونہ کی تقلید کریں۔

میں سمجھتا ہوں کہ بڑے سے بڑا خراج تحسین جو ہم اس شہید اعظم کو پیش کر سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہم ہر چیز میں اسے اپنے سامنے رکھیں اور اسی کی نیک خصلتوں کے مطابق اپنے کردار کو ڈھالیں۔ اس حد تک کہ ہم ایک حقیقی مسلمان کی طرح اپنی زندگی کو بنالیں اور سب سے بڑھکر یہ کہ ہم ہر اس قربانی کے لئے خواہ وہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو تیار رہیں جو اسلام کی خاطر ضروری ہو۔

آخر میں میں برادران اسلام سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ حضرت امام حسینؓ پر اور آپ کی روح پر درود شریف اور رحمتیں بھیجیں۔ آپ پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتیں ہوں۔

ہجرت

جناب ڈاکٹر حمید اللہ صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی۔ ڈی لٹ استاد قانون جامعہ عثمانیہ

جلاوطنی، توطن، تبادلۂ آبادی اور مماثل مفہوم رکھنے والی اصطلاحیں آج کل نہ صرف بین الاقوام اور بین الممالک سیاست میں روز افزوں اہمیت اختیار کرتی جارہی ہیں بلکہ ایک جماعت کے سیاسی خیالات کے باعث یہ مسئلہ اب خود ہمارے گھروں میں منڈلانے لگا ہے۔ حضرت موسیٰ کے زمانے میں بنی اسرائیل نے اجتماعی طور سے مصر سے ترک وطن اور بعد میں فلسطین والوں کو نکال کر ان کے ملک میں خود توطن اختیار کیا تھا۔ پھر بخت نصر کے زمانے میں انھیں فلسطین کے اس نئے وطن سے دیس نکالا ملا تو اس کی صدا ہائے بازگشت مختلف زمانوں میں مختلف ممالک میں آتی رہیں۔ اس تاریخ کا جدید ترین اعادہ یہودیوں کے فلسطین میں قومی وطن بنانے اور نازی جرمنی سے ان کے نکالے جانے کی صورت میں ہویدا ہوا ہے۔

یہودیوں سے قطع نظر حالیہ سالوں میں ترکوں نے پچاس لاکھ سے زائد انسانوں کا ہمسایہ ممالک سے تبادلہ کیا ہے۔ جنوبی تیرول سے کئی لاکھ جرمن درّہ برنیر کے اس پار چلے جانے پر حال میں اٹلی کی طرف سے مجبور کئے گئے جن کی جائداد غیر منقولہ کی قیمت کا اندازہ پانچ تا بارہ ارب لیرا کیا گیا اور ساڑھے سات ارب پر تو سب متفق ہیں۔ ۲۰ نومبر ۱۹۳۹ء کے لندن ٹائمز کے مطابق پولینڈ میں لبلن کے اطراف جرمنی، آسٹریا، چکوسلواکیا اور پولینڈ کے کوئی ڈیڑھ کروڑ یہودی یکجا کئے جارہے ہیں۔ اسی طرح بالٹک ممالک سے کئی لاکھ جرمن مشرقی جرمنی میں منتقل کئے گئے ہیں۔ ۱۴ فروری ۱۹۴۰ء کے لندن ٹائمز کے مطابق بارہ دن میں چھ لاکھ روسیوں کو جرمن مفتوحہ علاقے سے روس منتقل کرنے کے انتظامات کئے گئے ہیں۔ فرانسیسی مستشرق خاصکر حالیہ زمانوں میں قدیم عرب نوآبادکاری کا مطالعہ کرنے لگے ہیں کیونکہ عربوں سے بڑھکر کوئی نوآبادکار قوم نہیں گزری ہے جس نے جذب اور قلب ماہیت کے شام، مصر، عراق، شمالی افریقہ وغیرہ میں عجیب اور حیرت انگیز واقعات ثبت تاریخ

کتنے ہیں عربوں کی کاروائی جو زیادہ تر حضرت عمرؓ کے زمانے میں عمل میں آئی، دراصل عہدِ نبوی ہی کی تعلیم اور عمل پر مبنی ہے۔ تاریخ کے اس اہم گوشے پر بہت کم کبھی کسی نے لکھنے کی کوشش کی ہے کم از کم میرے مطالعے میں کسی زبان میں ایسی کوئی چیز پڑھنے میں نہیں آئی۔[1] پانچ چھ سال سے میں اس موضوع پر مواد جمع کرتا رہا ہوں۔ اب اس جمع شدہ مواد سے ایک سرسری خاکہ کھینچکر اہلِ علم کی خدمت میں بغرضِ تنقید و اصلاح اور بغرضِ توسیع و امداد پیش کرنے کی جرأت کرتا ہوں۔

لغوی تحقیق لفظ "ہجرت" سامی زبانوں میں ایک دلچسپ تاریخ رکھتا ہے۔ یہ لفظ "ہجر" سے ماخوذ ہے جس کے معنے حبشی اور بعض دیگر سامی زبانوں بلکہ خود قدیم عربی میں "شہر" کے ہیں۔ چنانچہ مشہور بیس جلدوں والی بڑی عربی "لسان العرب" میں ایک قدیم لغت نویس الازہری کے حوالے سے لکھا ہے:۔

قال الازھری: واصل "الھجرۃ"	الازہری کا بیان ہے کہ عربوں کے نزدیک
عند العرب خروج البدوی	اصل میں "ہجرت" کے معنے یہ ہیں کہ کوئی
من بادیتہ الی المدن یقال	خانہ بدوش صحرانشین (بدوی) اپنے
"ھاجر الرجل" اذا فعل ذلک	صحرا کو چھوڑ کر کسی شہر میں جا بسے۔

(لسان العرب تحت کلمہ "ھجر" نیز دیکھو تحت کلمہ "غرب")

ظاہر ہے کہ جب "ہجر" کے معنے شہر کے ہیں تو ہجرت کے معنے ابتداءً صرف یہی ہو سکتے تھے کہ کسی بستی، کسی شہر میں جا کر آباد ہو جانا اور خانہ بدوشی کی جگہ حضری زندگی اختیار کر لینا۔ اس سلسلے میں یہ بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ عرب میں خود "ہجر" نام کا ایک بڑا مشہور شہر گذرا ہے۔ یہ سلطنت بحرین کا پائے تخت اور حالیہ صوبۂ الحسائیں (جو عرب میں خلیج فارس پر واقع ہے) آباد ہوا تھا کسی شہر کو "شہر" کا نام دینا ہیچ پوچھیے تو نیا نہیں بلکہ قدیم سے ہر قوم اپنے پایۂ تخت کو شہر ہی کہتی رہی ہے۔ "مدینہ" کے معنے بھی شہر کے ہیں۔ مکے کا قدیم شہر بکہ بھی یہی معنے رکھتا ہے۔ چنانچہ بیت بعل کا شہر بعلبک کہلاتا ہے۔ قرآن میں مکے کو "ھذا البلد الامین" کا نام بھی دیا گیا ہے۔ اور "بلد" کے

---

[1] اس مضمون کے مطبع جانے لیکن شائع ہونے سے کوئی تین ماہ پہلے عبدالقدوس ہاشمی صاحب نے روزنامہ رہبر دکن میں البتہ ایک مختصر عام پسند مضمون لکھا ہے۔

معنے بھی شہر کے ہیں۔ حضرت ابراہیم کے زمانے میں ان کے ملک کے صدر مقام کا نام اُور تھا۔ اور اُور کے معنے بھی شہر کے ہیں، اور کسی نہ کسی طرح ہندوستان بھی یہ لفظ پہنچکر زیادہ تر دکن میں بنگلور، میسور، ناگور، متور وغیرہ ناموں میں بطور لاحقہ موجود ہے۔ رومی بھی اپنے شہر روم کو عام طور سے اُربس کہتے تھے، اس کے معنے بھی شہر کے ہیں (انگریزی لفظ اَرْبَن بمعنی شہری' اسی سے ماخوذ ہے۔ بلدہ حیدرآباد اور مصر القاہرہ بھی قابل ذکر ہیں)

غرض ہجرت کے لغوی معنے شہر میں جا بسنے کے تھے۔ اور آسان ہے کہ کوئی صحرا کی تکلیف دہ زندگی کو چھوڑ کر کسی نخلستان کی سرسبز بستی میں جا بستے تو لفظ "ہجرت" کو بعد میں یہ معنے دیئے جائیں کہ کسی نعم البدل کو حاصل کرنا، کسی خراب جگہ کو چھوڑ کر اچھی جگہ جا رہنا۔ میں سمجھتا ہوں کہ رسول کریم کے ترک وطن کر کے مدینہ جا رہنے کو اسی آخر الذکر مفہوم میں بلحاظ ادب "ہجرت" کے نام سے موسوم کیا گیا جیسا کہ ہم آگے دیکھیں گے، سیرت نبوی اور خلافت راشدہ کے سلسلہ میں ہجرت کے معنے صرف ہجرت مدینہ ہی کے نہ تھے بلکہ نومسلموں کا اسلامی علاقے میں آ آکر اکٹھا ہونا اور مفتوحہ علاقوں میں مسلم نو آبادکاروں کا لیجا کر بسانا بھی اسی نام سے یاد کیا گیا ہے۔

عہد نبوی میں ہجرت کا تاریخی مفہوم

(۱) ترکِ وطن۔ مکے میں تبلیغ اسلام کی رکاوٹوں سے مجبور اور دل برداشتہ ہونے کے بعد حضرت رسول کریم نے اپنے ساتھیوں کو ابتداءً حبشہ ہجرت کر جانے کی ہدایت فرمائی۔ چنانچہ کئی سو آدمی چھوٹی بڑی ٹکڑیوں میں بحری راستے سے نجاشی کے ملک میں جا رہے۔ ایک ٹکڑی کی سرگذشت طبری نے لکھی ہے کہ یہ لوگ مکے سے چل کر شعیبہ کی بندرگاہ پہنچے جو حالیہ جدہ کے قریب تھا۔ وہاں ایک جہاز

۱۔ فرانسوا نو (FRANCOIS NAU) نے اپنی کتاب (LES ARABES CHRETIENS DE MESOPOTAMIE DE SYRIE DU VIIIe Siècles (1933) P. 129, 132) میں ایک جگہ ضمناً لفظ ہجرت کو "ہاگرینی" یعنی بی بی ہاجرہ کے (جن کو بخاری شریف میں ہاجر ہی کے نام سے یاد کیا گیا ہے اور جو حضرت ابراہیم کی بیوی اور حضرت اسمٰعیل کی ماں تھیں) نام سے ماخوذ سمجھا ہے۔ مگر یہ توجیہہ محض نا سمجھی تھی اور ظاہر ہے کہ کسی نے قبول بھی نہیں کی۔

لنگر اٹھانے کو تیار تھا اور ان لوگوں نے نصف دینار (یعنی پانچ درہم) کرایہ پیش کیا اور حبش جا اترے۔ معلوم نہیں یہ کرایہ فی کس تھا یا جملہ جماعت کا۔

کچھ دنوں کے بعد غرانیق[1] کے مشہور واقعے کے سلسلے میں چند لوگ مکہ واپس آ گئے مگر بہت جلد وہ اور ان کے علاوہ بعض دیگر مسلمان دوبارہ حبش چلے گئے۔ یہ دونوں واقعے ہجرت حبشہ کے نام سے مشہور ہیں۔

آنحضرت کو جب مربی و با اثر چچا اور شفیق بیوی کی وفات کے بعد آپ کے نئے بزرگ خاندان (ابولہب) نے جات باہر کر دیا تو آپ اپنے ایک غلام کے ساتھ طائف تشریف لے گئے اور ارادہ فرمایا کہ اگر وہاں تبلیغ میں کوئی کامیابی کی صورت ہو تو وہیں بس جائیں۔ لیکن وہاں مکے سے زیادہ تکلیف ہونے پر آپ واپس چلے آئے۔ مگر تاریخ نے اسے ہجرت کی اصطلاح سے یاد نہیں کیا۔

قدیم عرب بھی حج کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حج کے موسم میں جب مختلف اقطاع عرب کے حاجی آ کر منا (قریب مکہ) کے میدان میں جمع ہوتے تھے اور میلہ لگتا تھا تو اس اجتماع سے فائدہ اٹھا کر آنحضرت

---

[1] قرآن مجید میں ایک جگہ لات، عزیٰ اور منات تین بتوں کا ذکر ہے اور اس کے بعد بتوں کی بے بسی اور بت پرستی کی برائی کا ذکر ہے۔ قرآن کی تفسیروں میں ایک قصہ مشہور ہے کہ جب آنحضرت نے ایک مرتبہ "اَللّٰتَ وَالْعُزّٰی وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی" کی آیتیں پڑھیں تو کسی نے قافیہ ملا کر تلك الغرانيق العلى و ان شفاعتهن لترتجى" (یعنی وہ بڑے سردار ہیں اور ان کی سفارش کی توقع کی جا سکتی ہے!) کا جملہ کس دیا اور شہر میں مشہور ہو گیا کہ آنحضرت بتوں کے متعلق اس رعایت کو منظور کرتے ہیں کہ وہ خدا تو نہیں ہیں لیکن وہ خدا کے پاس سفارش کر سکتے ہیں۔ جب آنحضرت کو یہ معلوم ہوا تو آپ نے اصل آیتیں پڑھیں اور مکے والوں کو کوئی دھوکہ نہ رہا۔ مگر ابتدائی خبر کا ایک جز حبشہ پہنچ گیا کہ آنحضرت اور مکہ والوں میں صلح ہو گئی ہے۔

میرا ذاتی خیال ہے کہ غرانیق کی آیتیں ممکن ہے آنحضرت ہی نے تلاوت فرمائی ہوں لیکن سوال کے طور پر (یعنی کیا وہ بڑے سردار ہیں اور کیا ان کی سفارش کی توقع کی جا سکتی ہے؟) بغیر حرف سوال کے سوالیہ آیتیں قرآن مجید میں بہت ہیں (مثلاً حضرت ابراہیمؑ کا چاند سورج وغیرہ کو خدا کہنا) ــــ اور جب التباس کا شبہ ہوا تو یہ آیتیں منسوخ ہو گئیں جس طرح قرآن میں اور جگہ بھی ہوا ہے اور نئی آیتیں شریک کی گئی ہیں۔

مختلف قبائل کے پڑاوؤں میں جاتے اور انہیں اسلام کی دعوت دیکر کہتے کہ مجھے اپنے ملک لے چلو اگر تم میری بات مانو تو قیصر و کسریٰ کی دولتیں تم پر نچھاور ہونے کو تیار ہیں۔ تاریخ نے اس خواہش ترک وطن کو بھی ہجرت کا نام عام طور سے نہیں دیا گو بعض وقت "ہجرت کا ارادہ" اسے ضرور سمجھا گیا ہے۔

آخر مدینے والوں سے بیعتِ عقبہ ہوئی اور انہوں نے اقرار کیا کہ آنحضرتؐ اور دیگر مکی مسلمانوں کے مدینہ آنے پر وہ ویسی ہی حفاظت کریں گے جیسی اپنی اور اپنے بیوی بچوں کی۔ اور چند سو مسلمان جو مکے میں تھے مدینہ چلے گئے۔ یہ وہ ہجرت ہے جس کی طرف منسوب ہو کر سنہ ہجری بھی رائج ہے، اور لفظ ہجرت سے اب عام طور پر دماغ فوراً اسی واقعے کی طرف رجوع ہوتا ہے۔

۲۔ نومسلموں کو اسلامی علاقے میں آ رہنے کا حکم دینا۔

لفظ ہجرت کے اس دوسرے مفہوم کے دو پہلو ہیں۔ ایک تو وہی جو آجکل "ملکی بننا" (نیچرالی زیشن) کہلاتا ہے، یعنی جب ایک قومیت والا دوسری قومیت اختیار کرنا چاہے تو آخر الذکر کے ملک میں جا کر مقیم ہو جائے اور حتی الامکان اسی کا تمدن اور تخیل بھی اختیار کرے۔ چونکہ اسلام ایک خاص قسم کی اور مستقل قومیت ہے جو دیگر جغرافی، نسلی، لسانی اور رنگی قومیتوں سے جدا ہے اس لئے ظاہر ہے کہ اسلام اپنے گھر میں اپنے مخصوص اصولوں پر عمل چاہے گا۔ جو شخص اسلامی قومیت اختیار کرنا چاہے تو اس کے رنگ، اس کی نسل اور اسکی زبان سے بحث نہیں ہوگی۔ اسے صرف لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا قائل ہونا اور قرآن پر چلنے کا اقرار کرنا ہوگا۔ اسی لئے نہ تو ایسے شخص کو بارہ سالہ قیام کی ضرورت ہوتی ہے، نہ مقامی زبان اچھی طرح جاننے کا صداقت نامہ پیش کرنا ہوتا ہے اور نہ کسی خاص جگہ رہنے کی پابندی ہوتی ہے۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ اس پر وہ سب ذمہ داریاں فوراً عائد ہو جاتی ہیں جو عام مسلمانوں پر عائد ہیں*۔ آج کل تو یہ ضروری نہیں رہا ہے کہ کوئی شخص جو اسلام قبول کرنا چاہے وہ اسلامی ملک میں بھی آ رہے اور عہد نبوی میں بھی فتح مکہ کے بعد ایسی کوئی پابندی نہیں تھی لیکن ہجرت مدینہ کے بعد ابتدائی چند سالوں میں ہر مسلمان ہونیوالے شخص کو اسلامی سرزمین میں آ کر مقیم ہونا پڑتا تھا۔ جیسا کہ نیچے مزید تفصیل آئے گی۔

اس مفہوم کا دوسرا پہلو وہ پالیسی ہے کہ مسلمان اسلامی علاقے میں رہیں اور مرکز سے بچھڑے رہنے کے باعث نقصان نہ تو خود اٹھائیں اور نہ دیگر مسلمانوں کو پہنچائیں۔ اسلامی علاقے میں آ رہنے

* اور وہ سب حقوق بھی حاصل ہو جاتے ہیں جو عام مسلمانوں کو حاصل ہیں۔

سے ایک تو "افتتان" سے بچنا ممکن ہے، ورنہ غیر مذہب والے ہمسایہ بہلا پھسلا کر، ڈرا دھمکا کر، خانگی یا اجتماعی یلگری دباؤ ڈال کر فتنے میں مبتلا کر سکتے ہیں۔ چنانچہ خود عہدِ نبویؐ میں مہاجرین حبشہ میں سے کم از کم دو باوجود نجاشی کی غیر متعصبانہ حکومت کے اس عیسائی ماحول میں عیسائی بن گئے۔ ایک بی بی سودہ کا شوہر سکران اور دوسرا بی بی ام حبیبہ کا شوہر عبید اللہ بن جحش۔ اس آخر الذکر نے بقول طبری اپنی بیوی کو بھی عیسائی بننے کے لئے دباؤ ڈالا مگر وہ ثابت قدم رہیں۔ دوسرے اسلام کے جملہ اصول کا سیکھنا اسلامی تہذیب اور اسلامی ماحول کا حاصل کرنا غیر اسلامی ملک میں بڑی حد تک ناممکن ہے جرمنی اور انگلستان میں چھوٹے چھوٹے دیہات میں بھی میں نے نومسلم دیکھے ہیں اور ان کو سب سے بڑی تکلیف یہ محسوس ہوتی تھی کہ ان کے بچوں کی تعلیم عام مقامی مدارس کے غیر اسلامی ماحول میں کما حقہٗ نہیں ہو سکتی تیسرے اگر مسلمان چوطرف بٹے رہیں تو ہر ٹکڑی کمزور ہوگی اور ہر کسی طاقت والے کا شکار بن جائے گی۔ اس لئے مسلمانوں کا عہدِ نبویؐ میں یہ فریضہ قرار دیا گیا تھا کہ وہ نہ صرف اسلام قبول کر کے اسلامی احکام پر چلیں بلکہ اسلامی علاقے میں بھی آکر آباد ہو جائیں۔ اس طرح مسلمانوں کی اجتماعی قوت زیادہ ہوگی اور وہ اپنے حریفوں کا نسبتاً زیادہ آسانی کے ساتھ مقابلہ کر سکیں گے، غرض اولاً استحکام پھر توسیع کا اصول کار فرما رہا۔

یہی وجہ ہے کہ جب کبھی کسی قبیلے کا وفد مدینہ آکر اسلام قبول کرنے کا اظہار کرتا تو آنحضرتؐ ان لوگوں کو مدینہ آبسنے کی ہدایت فرماتے۔ اسی طرح جب کبھی دورہ کرنیوالے مبلغ بھیجے جاتے تو انہیں سمجھا دیا جاتا کہ نومسلموں سے کہدیں کہ وہ مدینہ جا رہیں جہاں اُن کے لئے روزگار کا انتظام کیا جائے گا۔ یہ لوگ زیادہ تر قابل کاشت افتادہ زمینوں، بعض صورتوں میں معدنیات کی کانوں میں کام کرتے اور اپنی گذر بسر کا انتظام کر لیتے تھے۔

سات سال تک اس اصول کی پابندی ہوتی رہی اور جب مکہ فتح ہو گیا اور اسلام کا پورے عرب میں بول بالا ہو گیا تو پھر اعلانِ نبویؐ شائع ہوا کہ لا ھجرۃ بعد الفتح (فتح کے بعد ہجرت کی ضرورت نہیں) اس مشہور و معروف حدیث شریف کا ایک تو یہ مفہوم ہو سکتا ہے کہ اہل حجاز کی ہجرت کی ضرورت نہیں کیونکہ اب ان کا پورا علاقہ اسلامی سرزمین بن چکا ہے اور اسلامی قلمرو میں داخل ہو گیا ہے یا اس کا مفہوم ایک عام حکم ہے کہ جب کسی علاقے پر اسلامی مملکت قائم ہو جائے تو پھر اس علاقے کے اندر مسلمانوں کا جبری تبادلۂ آبادی غیر ضروری ہے کیونکہ اس سرزمین کے ہر گوشے میں اسلامی حکومت

ہو گی، اسلامی ماحول ہوگا اور اسلامی تعلیم و عبادت کی سہولت ہو گی۔

عہد نبوی میں فتح مکہ سے پہلے چند قبائل کو اس قاعدے سے مستثنا بھی کیا گیا تھا۔ طبقات ابن سعد وغیرہ میں تلاش پر مجھے ایسی دو چار ہی نظیریں مل سکی ہیں۔ ان پر غور کرنے سے سیاست نبوی کی دو بیدا مصلحتوں پر روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ جب کبھی کسی قبیلے کا اِکا دُکا آدمی مسلمان ہوتا تو اسے اپنے سابقہ وطن میں رہنے نہیں دیا جاتا تھا بلکہ اسے لازمی طور سے مدینہ آ رہنے کی تاکید کی جاتی اور وہ (مع بیوی بچوں کے اگر ہوں) اسلامی علاقے میں آ کر بس جاتا۔ اس کے برخلاف اگر کوئی پورے کا پورا قبیلہ مسلمان ہوتا تو یہ دیکھا جاتا کہ وہ کس جگہ رہتے ہیں۔ اگر ان کا علاقہ اسلامی سرزمین سے متصل یا بہت قریب ہوتا اور اس قبیلے کی قوت بھی کافی ہوتی تو اسے وہیں اس کے سابق وطن ہی میں رہنے دیا جاتا۔ کیونکہ اس کے معنے دراصل اسلامی مملکت کی سرحد کی توسیع اور نئے علاقے کا الحاق تھا۔ قبیلہ مزینہ اس کی اچھی نظیر ہے جس کے حالات ابن سعد نے لکھے ہیں۔ ۵ھ میں یہ قبیلہ مسلمان ہوا۔ اس قبیلے کے وفد ہی میں کئی سو آدمی تھے۔ ان کا علاقہ مدینے سے صرف بیس میل پر واقع تھا۔ آنحضرت نے ان سب کو ان کے سابقہ مسکن ہی میں رہنے کا حکم دیا۔ البتہ تعلیم و تربیت وغیرہ کا مناسب بندوبست کر دیا گیا۔ اس توسیع کی پالیسی کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ دشمن کو گھیر لیا جائے۔ چنانچہ مکے کے چاروں طرف اسلامی قبائل آباد رہنے دیئے گئے۔ قبیلۂ اسلم خاص طور پر اس سلسلے میں قابل ذکر ہے۔ اس قبیلے کے لوگوں کو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم لوگ اپنے ملک ہی میں رہو اور تمہیں وہی حقوق اور وہی ثواب حاصل ہوگا جو مہاجرین کو حاصل ہوتا ہے۔ اسی جگہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ آنحضرتؐ نے ہجرت کا حکم دے کر اس کو مذہبی رنگ بھی عطا کر دیا کہ ہجرت کرنا ایک ثواب کا کام ہے اور کسی مذہبی آدمی کیلئے یہ بات کافی ہے۔ مزید برآں مہاجرین کے لئے چند حقوق تھے مثلاً اسلامی مملکت کی آمدنی اسلامی سرزمین ہی پر خرچ ہوتی تھی، اور روزینے، تنخواہیں، انعام و اکرام وغیرہ بھی وہیں کے باشندوں کو حاصل ہو سکتے تھے۔

قبیلۂ اسلم اصل میں قبیلۂ خزاعہ کی ایک شاخ تھی۔ خزاعہ مکے کے جنوب میں رہتے تھے اور غالباً اسلم بھی وہیں رہتے ہونگے۔ جب دشمن کے چاروں طرف اس طرح اسلامی بستیوں کا سلسلہ قائم ہو کر جال بن گیا تو زبردست دشمن کو بے خونریزی مطیع کرنے کا عام اسلامی اصول بہ آسانی روبعمل آ سکا۔

اور زبردست دشمن کے مطیع اور مسلمان ہو جانے سے اس کی پوری قوت اسلام کے کام آسکتی ہے۔ اس کے محض تباہ کر دینے کے معنے ایک ممکنہ قوت و مدد سے محروم ہونا ہے۔

بہرحال اس طرح کی اجازت دینے میں بڑی سختی سے جانچ پڑتال ہوتی تھی کہ آیا وہ لوگ اپنی ضرورتیں خود مہیا کرتے ہیں، ان کے پاس کافی ذرائع معیشت مثلاً جانور اور زمین وغیرہ ہیں یا نہیں اور یہ کہ حریف ان پر معاشی دباؤ ڈال کر انھیں مرتد تو نہیں کر سکتا؟ ان سب کے علاوہ ایک اور صورت بھی ممکن تھی اور اس کی بکثرت نظیریں ابن سعد وغیرہ نے محفوظ کی ہیں۔ وہ یہ کہ کسی قبیلے کے چند خاندان مسلمان ہو جائیں اور یہ نومسلم بذات خود کافی قوت رکھتے ہوں اور معاشی حیثیت سے پختہ ہوں تو ایسے نومسلموں کو آنحضرت صلعم کا حکم "فارقوا المشرکین" ہوا کرتا تھا یعنی اپنے غیر مسلم رشتہ داروں اور حلیفوں سے ہر طرح کے تعلقات منقطع کر لو۔ شادی بیاہ، بین القبائل جنگیں اور جملہ معاملات میں مشرکین سے ان کا کوئی تعلق نہ رہے، وہ اسلامی تعلیم پر عمل کریں، نماز اور زکات کی پابندی کریں اور سیاسی حیثیت سے مدینے کے ساتھ ملحق ہو جائیں۔ ایسے دور دراز قبائل کو مقامی خود اختیاری بھی حاصل ہو جاتی تھی اور مدینے کے ساتھ ان کا تعلق میری نظر اور اندازے میں ایک عہدیہ (کنفیڈریشن) سے بڑھکر نہ تھا۔ چنانچہ آس پاس کے دیگر اسلامی قبائل یا بستیوں کی وقت ضرورت حفاظت کرنا، کمک اور مدد بہم پہنچانا اور دیگر غیر مسلم قبائل سے لڑکر اپنی حفاظت و استحکام کے فرائض انجام دینا، یہ سب ایسے امور تھے جن کی ہدایت تو مدینے سے ہوتی تھی لیکن نگرانی اور تعمیل مقامی وحدت سے متعلق تھی۔ چنانچہ ایسی تفصیلی نظیریں متعدد موجود ہیں۔ اسی طرح کے نومسلم قبائل میں سے ان کی ایک دلچسپ نظیر ابن سعد نے محفوظ کی ہے کہ چند لوگ مدینہ آئے اور آنحضرت صلعم سے کہا کہ آپ کے بھیجے ہوئے معلم ہمارے پاس آئے اور انھوں نے ہم سے کہا کہ جو ہجرت نہ کرے اس کا اسلام قبول نہیں۔ ہمارے ملک میں ہماری جائداد اور معیشت کی چیزیں ہیں۔ کیا آپ کے معلم کا کہنا ٹھیک ہے؟ ہمیں اس کی تعمیل میں کوئی تامل نہیں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا نہیں، اسلام کا قبول ہونا اس پر موقوف نہیں تم جہاں رہو تمھیں مہاجرین ہی کے حقوق و فرائض حاصل ہوں گے۔

اس طرح کی دور دراز بستیوں میں تعلیم کے بندوبست کے لئے دورہ کنناں معلم مقرر کیے جاتے تھے۔ ان مقاموں کے نوعمر اور ذہین لوگوں کو مدینہ بلا کر کچھ عرصہ اسلامی صدر مرکز میں رکھا جاتا اور اسلامی

تربیت سے آراستہ کر کے ان کے ملک کو واپس کر دیا جاتا تھا۔ ان کے علاقوں میں مسجدیں بنانے کی خاص تاکید ہوتی تھی۔ عمان جیسے دور دراز مقام کے نومسلموں کے نام آنحضرت صلعم کا ایک تنبیہی ہدایت نامہ بخاری وغیرہ نے محفوظ کیا ہے کہ مسجدیں بناؤ ورنہ فوج بھیجکر تمہیں سزا دی جائے گی۔

مختصر یہ کہ عہد نبویؐ میں ہجرت کا یہ مفہوم بھی تھا کہ نومسلموں کو اسلامی علاقے میں بسایا جائے اور آیت وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ میں اسی طرف اشارہ ہے کہ اس طرح سے رفتہ رفتہ اسلامی علاقے کی توسیع ہوتی رہے گی، تاکہ اس بڑھنے والی آبادی کے لئے خدا کی زمین تنگ نہ ہو جائے۔ اصل منشا یہ تھا کہ خدا کے ملک میں خدا ہی کا راج ہو، اور عام فاتحین کے برخلاف جو فتح کا منشا لوٹ مار کرنا اور راہنوں کو نوازنا سمجھتے رہے ہیں، اسلامی فتح کا منشا یہ تھا کہ کسی انسان، کسی جانور تک کا بے ضرورت خون نہ بہایا جائے اور کوئی درخت کوئی پودا تک رائیگاں ضائع نہ کیا جائے۔ جیسا کہ سپہ سالاروں کو دی ہوئی ہدایتوں میں آنحضرت صلعم نے بارہا فرمایا ہے۔ منشاء صرف یہ تھا کہ دنیا میں خدا کی حکومت اور خدا ہی کا بول بالا ہو اور خدا کے احکام سے کوئی بھی مستثنا نہ ہو یہاں تک کہ حکمران ملک تک اپنے کئے کا مواخذہ دار ہو۔ سیرت شامی میں ایسی بکثرت نظائر ایک مستقل باب میں جمع کئے گئے ہیں، جب آنحضرت صلعم نے اپنی ذات کے خلاف مقدمے سُنے اور فریق ثانی کے حق میں فیصل کئے۔

{باقی آیندہ اشاعت میں ملاحظہ فرمائیں}

تفصیل آمدنی ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور بابت ماہ نومبر ۱۹۴۰ء

تاریخ	کوپن نمبر	اسمائے گرامی معطی صاحبان	روپے	آنے	پائی
۴/۱۱	۱۵۲۶	جناب چوہدری محمد نور غنی صاحب مشن	۱۰	۰	۰
	۱۵۲۷	،، میاں بشیر احمد صاحب ،،	۵	۰	۰
	۱۵۲۸	،، ڈاکٹر برکت علی صاحب ،،	۵	۰	۰
	۱۵۲۹	،، احمد میاں صمد میاں صاحبان ،،	۴	۰	۰
۶/۱۱	۱۵۴۰	،، ایم سید علی صاحب ،،	۲۵	-	-
	۱۵۴۱	،، ایس احمد علی صاحب ،،	۲۰	۰	۰
	۱۵۴۲	،، کے ایس محمد عبدالسلام صاحب	۱۰	۰	۰
		،، کے بی شیخ محی الدین صاحب	۵	۰	۰
	۱۵۴۹	،، خواجہ صلاح الدین احمد صاحب ۱—۰—۰ ،، خواجہ جلیل احمد صاحب ۱—۰—۰ ،، حاجی محمد ابراہیم صاحب ۱—۰—۰ ۳—۰—۰	۳	۰	۰
۵/۱۱	۱۵۵۰	جناب نذیر یار جنگ بہادر	۱۰	۰	۰
،،	۱۵۵۱	،، احمد حبیب صاحب	۵	۰	۰
۶/۱۱	۱۵۵۲	،، سید عبدالمنان صاحب	۵	۰	۰
۶/۱۱	۱۵۵۳	،، اسد النساء خاتون صاحبہ	۳	۰	۰
۷/۱۱	۱۵۵۴	،، نواب میجر ملک ممتاز محمد صاحب	۲۰	۰	۰
،،	۱۵۶۵	،، شیخ صادق حسن صاحب	۱۵	۰	۰
،،	۱۵۶۶	،، خانبہادر شیخ منہاج الدین صاحب	۱۰	۰	۰
،،	۱۵۶۶	،، شیخ عطاء الرحمن صاحب	۱۰	۰	۰
،،	۱۵۶۷	،، ڈاکٹر راجہ خاں صاحب	۵	۰	۰
	۱۵۶۸	،، ایس۔ کے قدوائی	۵	۰	۰
۸/۱۱	۱۵۷۲	،، مسز ایس۔ ایم سلیمان صاحب	۱۰	۰	۰
،،	۱۵۷۳	،، ایس۔ کے۔ وحید صاحب	۱۰	۰	۰
،،	۱۵۷۴	،، یو۔ علی۔ بیگ	۱۰	۰	۰
،،	۱۵۷۵	،، محمد وحید صاحب	۱۰	-	۰
،،	۱۵۷۶	،، یوں سلیمان صاحب	۵	-	۰
۹/۱۱	۱۵۷۷	،، ایم احسان اللہ صاحب	۵	۰	۰

تاریخ	کوپن نمبر	اسمائے گرامی معطی صاحبان	روپے	آنے	پائی
۹/۱۱	۱۵۷۸	جناب عبدالوہاب صاحب	۲	۸	۰
،،	۱۵۷۹	،، مسز ایف۔ اے معین صاحب	۲	۴	۰
،،	۱۵۸۰	،، جناب کرم الٰہی صاحب	۵	۴	۰
۱۱/۱۱	۱۵۸۶	،، ٹی محمد صاحب	۱۰	۰	۰
،،	۱۵۸۷	،، مس عقیلہ خانم صاحبہ	۵	۰	۰
،،	۱۵۸۸	،، جناب عبدالقادر صاحب	۳	۰	۰
،،	۱۵۸۹	،، محمد ابراہیم صاحب	۲	۰	۰
،،	۱۵۹۰	،، محمد حسن صاحب	۱	۰	۰
۱۲/۱۱	۱۵۹۴	جناب غلام مقصود صاحب	۲	-	۰
۱۳/۱۱	۱۵۹۵	،، فخر الدین صاحب	۳۰	-	۰
۱۴/۱۱	۱۶۱۴	،، ایس احمد علی صاحب	۸	-	-
۱۵/۱۱	۱۶۲۵	،، عبدالکریم صاحب	۵	۰	۰
۱۶/۱۱	۱۶۳۷	،، محمد نور الزمان صاحب	۸	۰	۰
،،	۱۶۳۸	،، انیس احمد صاحب	۵	۰	۰
۱۸/۱۱	۱۶۵۱	،، عبدالحق صاحب	۵	۰	۰
۲۲/۱۱	۱۶۸۴	،، محمد اظہر الحق صاحب	۴	۰	۰
۲۵/۱۱	۱۶۹۵	،، لفٹننٹ کرنل بی عبدالغفار صاحب	۲	۰	۰
،،	۱۶۹۶	،، ایم اے۔ رؤف صاحب	۳	۰	۰
،،	۱۶۹۷	،، ڈاکٹر این اکبر خانصاحب مشن عہ امانت ہے	۳	-	۰
۲۸/۱۱	۱۷۰۵	حسب وصیت سیٹھ قاسم علی مرحوم	۲۰۰	۰	۰
۲۹/۱۱	۱۷۰۷	،، خانصاحب ڈاکٹر محمد معز الدین صاحب	۱۰	۰	۰
۳۰/۱۱	۱۷۱۲	،، عبدالمجید صاحب	۱۵	۰	۰
		فروخت رسالہ اسلامک ریویو	۴۱۸	۶	-
		،، ،، اشاعت اسلام	۴۲	۲	-
		،، ووکنگ گزٹ	۲۹	-	-
		،، کتب	۳۹۷	۳	-
		میزان	۱۴۶۹	۷	۰

تفصیل اخراجات دی ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور۔

بابت ماہ نومبر ۱۹۴۰ء

تاریخ	بل نمبر	تفصیل اخراجات	پائی	آنے	روپے
۸/۱۱	۶۷	امپرسٹ بل بہ تفصیل ذیل			
		محصول ڈاک از نمبر ۱۱۱۲ تا ۱۲۳۸ ۔۔۔ ۲۰۹-۷-۰			
		آرٹ پیپر و کرافٹ پیپر ۔۔۔ ۴۶-۵-۰			
		کاغذ برائے گزٹ ۔۔۔ ۴-۱۱-۰			
		۳ رم کاغذ برائے اشاعت اسلام ۔۔۔ ۱۳-۱۴-۰			
		متفرق ۔۔۔ ۱-۶-۰			
		خرید کتب ۔۔۔ ۵-۱۲-۰			
		۲۸۱-۷-۰	۰	۷	۲۸۱
	۶۸	امپرسٹ بل بہ تفصیل ذیل			
		محصول ڈاک از نمبر ۱۳۳۹ تا ۱۴۳۱ ۔۔۔ ۱۱۸-۰-۰			
		خرید کتب برائے فروخت ۔۔۔ ۶۷-۳-۳			
		بلاک برائے اسلامک ریویو ۔۔۔ ۱۸-۴-۰			
		کاغذ برائے دفتر ۔۔۔ ۸-۲-۹			
		ترجمہ ۔۔۔ ۲۰-۰-۰			
		پروف ریڈنگ اگست و ستمبر ۔۔۔ ۲۰-۰-۰			
		بجلی ۔۔۔ ۲-۹-۰			
		پیپر برائے اشاعت اسلام ۔۔۔ ۲۰-۷-۹			

تاریخ	بل نمبر	تفصیل اخراجات	پائی	آنے	روپے
۸/۱۱	۶۸	متفرق ۔۔۔ ۱-۱۳-۶			
		۲۸۵-۵-۶	۶	۵	۲۸۵
	۶۹	امپرسٹ بل بہ تفصیل ذیل			
		محصول ڈاک از نمبر ۱۴۳۲ تا ۱۵۵۶ ۔۔۔ ۱۹۳-۰-۰			
		خرید کتب برائے فروخت ۔۔۔ ۵۶-۲-۰			
		سٹیشنری ۔۔۔ ۴-۱۰-۰			
		کاغذ برائے گزٹ ۔۔۔ ۴-۱۲-۰			
		کتابت اشاعت اسلام ماہ ستمبر ۱۹۴۰ء ۔۔۔ ۱۷-۱۴-۰			
		متفرق ۔۔۔ ۹-۹-۰			
		۲۸۵-۱۴-۰	۰	۱۴	۲۸۵
		کرایہ برائے کتب ارسال کردہ دفتر ووکنگ انگلستان	۰	۱۲	۳۵
		میزان ۔ ۸۸۸-۴-۶	۶	۴	۸۸۸

مسجد ووکنگ میں آجاتے ہیں۔ نماز و خطبۂ عیدین کے بعد تمام احباب کو مشن کی طرف سے ہندوستانی طرز کی دعوت دی جاتی ہے (۷) رسالتمآب حضرت نبی کریم صلعم کے یوم ولادت کو بڑے تزک و احتشام سے منایا جاتا ہے۔ جس میں حضرت نبی کریم صلعم کی زندگی کے حالات پیش کئے جاتے ہیں (۸) دور دراز ممالک کے غیر مسلمین کو خط و کتابت کے ذریعہ تبلیغ کی جاتی ہے۔ انہیں اسلامی لٹریچر مفت بھیجا جاتا ہے۔ (۹) مسجد ووکنگ میں جو غیر مسلم و نومسلم زائرین آتے ہیں۔ ان کو اسلام کے متعلق صحیح معلومات بہم پہنچائی جاتی ہیں۔ (۱۰) ووکنگ مشن کے زیر اہتمام نومسلمین کی ایک جماعت لنڈن میں "برطانیہ عظمےٰ کی مسلم سوسائیٹی" کے نام سے اشاعت اسلام کی تحریک میں کوشاں رہتی ہے۔

(۵) **مشن کے آرگن** ۔ اس مشن کے فقط دو ہی ماہواری رسالے ہیں (۱) رسالہ اسلامک ریویو انگریزی۔ (۲) اس کا اردو ترجمہ رسالہ اشاعت اسلام لاہور۔ ان دو رسالوں کی کل کی کل آمد مشن ووکنگ انگلستان پر صرف ہوتی ہے۔ جس قدر مسلم پبلک ان رسالوں کی خریداری بڑھائے گی۔ اسی قدر مشن کی مالی تقویت ہوگی۔ ان دو رسالوں کے سوا مشن ووکنگ کا کسی اور رسالہ یا اخبار سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔

(۶) **مشن کے تاثرات** ۔ (۱) مشن کی اکیس۲۱ سالہ تبلیغی تگ و دو سے اس وقت تک ہزاروں کی تعداد میں یورپین و امریکن اخوان و خواتین اسلام قبول کر چکے ہیں۔ جن میں بڑے بڑے لارڈز۔ رؤساء۔ فضلاء۔ علماء۔ فلاسفر۔ پروفیسر۔ مصنف۔ ڈاکٹر۔ ماہرین علم طبعیات تاجر۔ مغربی متشرقین و فوجی شہرت کے نومسلمین ہیں۔ یہ نومسلمین نمازیں پڑھتے۔ روزے رکھتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ بعض تو تہجد تک کو نہایت سوز و گداز سے پڑھتے ہیں۔ قرآن کریم کا بامعنی روزانہ مطالعہ کرتے ہیں۔ چند ایک فریضہ حج بھی ادا کر چکے ہیں۔ اُن میں سے اکثر تبلیغ اسلام کی جدوجہد میں عملاً حصہ لے رہے ہیں۔ (۲) ان اکیس۲۱ سالوں میں لاکھوں کی تعداد میں اسلامی کتب۔ رسائل۔ پمفلٹ۔ ٹریکٹ مختلف مسیحی ممالک میں مفت تقسیم کئے جا چکے ہیں۔ جن کا نہایت ہی اچھا اثر ہوا ہے۔ اس مفت اشاعت سے یورپین حلقہ میں عیسائیت سے تنفر پیدا ہو چکا ہے۔ وہ لوگ عیسائیت سے بالکل بیزار ہو چکے ہیں۔ ان کا زیادہ تر رجحان طبع اب اسلام کی طرف ہو رہا ہے۔ کل کے کل مغرب و امریکہ میں اس وقت اسلامی تعلیم کی تشنگی روز بروز بڑھ رہی ہے۔ اس وقت مغربی دنیا کے مذہبی خیالات میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو چکا ہے۔ یورپ و امریکہ میں اب دشمنانِ اسلام۔ اسلام پر حملہ کرنے کی جرات نہیں کرتے۔ اس مشن کی اکتیس سالہ تبلیغی تگ و تاز نے اسلام کے متعلق مغربی ممالک میں ایک ہمدردانہ فضا پیدا کر دی ہے۔ کثرت سے لوگ مغربی لائبریریوں میں ووکنگ کی مرسلہ اسلامی کتب و رسالہ اسلامک ریویو کا مطالعہ کرتے ہیں۔ مسجد ووکنگ میں ان غیر مسلمین کے خطوط کا رات دن تانتا بندھا رہتا ہے۔ غیر مسلم طبقہ میں سے اکثر احباب اسلامی لٹریچر کے مطالعہ کرنے کے بعد مختلف قسم کے استفسار کرتے ہیں۔ اور آخر کار۔ اپنے شک و شکوک کو رفع کرنے کے بعد۔ اعلان اسلام کا فارم پُر کر کے شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان میں معہ اپنے فوٹو کے روانہ کر دیتے ہیں۔ ان کا اعلان اسلام معہ انکے فوٹو کے مشن کے آرگن میں شائع کر دیا جاتا ہے۔

(۷) **انگلستان میں اشاعتِ اسلام مسلمانوں کی سیاسی الجھنوں کا بہترین سلجھاؤ ہے** قرآن کریم نے فلاح کے اصول کا ایک راستہ اشاعت اسلام تجویز کیا ہے۔ اشاعت کی غرض۔ غیروں کو اپنے میں شامل کرنا ہوتا ہے۔ یعنی انہیں اپنا ہمخیال اور ہم مذہب بنانا ہوتا ہے۔ اگر کسی قوم کی شماری طاقت۔ اس قوم کی سیاسی قوت کو بڑھا سکتی ہے۔ تو اس کے اصول کے لئے اشاعت ہی ایک بہترین طریق ہے۔ مغربی اقوام نے اس راز کو سمجھا۔ انہوں نے اسلام کی اتباع میں فوراً مشن قائم کئے۔ پھر اس وقت ہندوؤں نے پہلے شدھی کا راگ گایا۔ لیکن آج اچھوتوں کو اپنے میں ملانے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس ساری سرگرمی کی تہ میں وہی شماری طاقت مضمر ہے۔ ان حالات میں کیا ہمارا فرض نہیں کہ ہم اشاعت اسلام میں کوشاں ہوں۔ اور جب کہ گذشتہ پچیس تیس سالوں میں ہم یہ ایک دوسری کوشش اور مختلف قومی تحریکوں میں جو ہم نے اپنے سلجھاؤ کے لئے کیں۔ بالکل ناکام ہو گئے ہیں۔ تو کیا ہمارا فرض نہیں ہے کہ مغرب میں اشاعت اسلام کو بھی ہم بطور تجربہ اختیار کریں۔ اگر بالفرض ہم آیندہ دس سال میں انگلستان میں بیٹھ کر حکمران قوم کے دس ہزار نفوس کو اپنے اندر شامل کر لیں۔ تو جس قدر ہماری سیاسی قوت بڑھ سکتی ہے۔ اس کا اندازہ صرف تصور ہی کر سکتا ہے۔ آج اگر انگلستان کے لوگوں کا ایک کثیر حصہ اسلام قبول کر لے۔ جن میں ہوس آف لارڈز و ہوس آف کامنز کے ممبر بھی ہوں۔ تو مسلمانوں کو اپنے حقوق کے لئے کسی سیاسی جدوجہد کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ اس صورت میں ہم کو ضرورت نہیں کہ ہم مسلم مدبران سیاست کے وفود کو انگلستان بھیجکر انگریزی قوم کو اپنے ہم آرا کریں یا اپنے حقوق کی طرف توجہ دلائیں۔ وہ اسلام سے مشرف ہو کر مسلمانوں کے لئے اسلامی درد و احساس سے خود بخود وہی کہیں گے اور کریں گے۔ جو ہم چاہتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہماری موجودہ سیاسی الجھنوں کا بہترین سلجھاؤ۔ انگلستان میں فریضۂ اشاعت اسلام کو ادا کرنا ہے۔ یوں تو مغرب کے اور ممالک بھی محض سیاسی ہم آہنگی پیدا کرنے کیلئے اشاعت اسلام کے دائرے میں آنے چاہئیں۔ لیکن انگریزی قوم میں **اشاعت اسلام** ہمارا اوّلین نصب العین ہونا چاہیئے۔

(۸) **ووکنگ مسلم مشن ایک عالمگیر اسلامی تحریک ہے** دنیا بھر میں فقط ایک ہی اسلامی تحریک ہے۔ جس سے کُل مسلمانان عالم کو دلی محبت و ہمدردی ہے۔ کیونکہ یہ تحریک قیاسی و وہمی حالات سے نکل کر اب ایک حقیقت ہو چکی ہے۔ یہ مشن اس وقت تک ٹھوس اسلامی خدمات سرانجام دے چکا ہے۔ اس تحریک کے ذریعہ شاندار نتائج نکل چکے ہیں۔ دنیا بھر کی اسلامی تحریکوں میں اگر کوئی تحریک گذشتہ تیس سالوں میں سرسبز و کامیاب ہوئی ہے۔ تو وہ یہی ووکنگ مشن کی اسلامی تحریک ہے۔ اس تحریک کے جاذب عالمِ اسلام ہونے کی وجہ صرف فرقی امتیازات سے اسکی بالاتری و آزادی ہے۔ یہ مشن جمیع مسلمانان عالم کا واحد مشن ہے اسکو کسی فرقہ اسلام یا جماعت یا انجمن سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ اس کے ذریعہ یورپ و امریکہ میں فقط توحید و رسالت کی تبلیغ ہوتی ہے۔ اور اس غیر فرقہ دارانہ تبلیغی مسلک کی وجہ سے دنیا بھر کے مختلف مقامات کے مسلمان مسلسل اس کی مالی امداد کرکے اپ میں اتحاد بڑھا رہے ہیں اس اسلامی مشن کو عالمگیر مقبولیت حاصل ہے۔ ہندوستان کے علاوہ جاپان۔ چین۔ فلپائین۔ آسٹریلیا۔ سماٹرا۔ جاوا۔ بورنیو۔ سنگاپور۔ سیلون۔ افریقہ۔ بلاد اسلامیہ۔ شمالی و مغربی امریکہ کے مسلم بھائی اس تحریک کی امداد کرتے رہتے ہیں۔

(۹) ووکنگ مسلم مشن انگلستان کی ذیل کے طریقوں سے امداد ہو سکتی ہے

(۱) یکمشت عطیہ کی صورت میں کچھ امداد دیں۔ (۲) اپنی ماہوار آمد میں سے کچھ حصہ مقرر کر دیں۔ جو ماہ بماہ مشن کو پہنچتا رہے۔ (۳) ششماہی یا سالانہ رقم اس کار خیر کے لئے ارسال کریں (۴) رسالہ اسلامک ریویو کی خود بھی خریداری کریں اور انگریزی دان احباب کو بھی تحریک خریداری فرمائیں۔ سالانہ چندہ مبلغ [illegible] ہے۔ (۵) یورپ۔ امریکہ اور دیگر انگریزی دان مسیحی ممالک کی پبلک لائبریریوں میں مسلم بھائی اپنی طرف سے بطور صدقہ جاریہ۔ تبلیغ اسلام کی خاطر متعدد کاپیاں رسالہ اسلامک ریویو کی مفت جاری کرائیں۔ اس رسالہ کے ذریعہ ان کی طرف سے اسلام کا پیام غیر مسلموں تک پہنچتا رہے گا۔ اس صورت میں سالانہ چندہ پانچ روپے ہے (۶) رسالہ اشاعت اسلام اردو ترجمہ رسالہ اسلامک ریویو کی خریداری فرمائیں۔ اس کا حلقہ اثر وسیع فرمائیں۔ اس کا سالانہ چندہ ۳؎ ہے اور ممالک غیر کیلئے ۵؎ ہے۔ (۷) ووکنگ مسلم مشن سے جس قدر اسلامی لٹریچر انگریزی میں شائع ہوتا ہے۔ جو کتابوں۔ ٹریکٹوں اور رسائل کی صورت میں ہوتا ہے۔ اسے خود خریدیں۔ یورپ و امریکہ کے غیر مسلمین میں اسے مفت تقسیم کرا کر داخل حسنات ہوں۔ تاکہ اسلام کا دلفریب پیام اس لٹریچر کے ذریعہ اُن تک پہنچتا رہے۔ اس مقصد کے لئے دفتر مشن ووکنگ میں مسیحی غیر مسلموں اور غیر مسلم مسیحی لائبریریوں کے ہزاروں پتہ موجود ہیں۔ جن کو آپ کی طرف سے مفت لٹریچر بھیجا جا سکتا ہے۔ اور اس کی ترسیل کی رسید۔ ڈاکخانہ کے تصدیقی سرٹیفکیٹ کے ذریعہ آپ تک پہنچا دی جاویگی۔ (۸) شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان میں ہر سال بڑے تزک و احتشام سے عیدین کے تہوار منائے جاتے ہیں۔ جن میں بارہ صد کے لگ بھگ نفوس کا مجمع ہو جاتا ہے نماز و خطبہ کے بعد کل مجمع کو مشن کی طرف سے دعوت دی جاتی ہے۔ جس پر مشن کو ڈیڑھ صد پونڈ (قریباً اٹھارہ صد روپیہ) کا ہر سال خرچ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ مسلم احباب اس مد میں امداد فرمائیں۔ (۹) ہر سال مسجد ووکنگ کے زیر اہتمام جلسہ میلاد النبی صلعم ہوتا ہے۔ اس پر بھی زر کثیر صرف ہوتا ہے جس میں کوئی نہ کوئی نو مسلم حضرت نبی کریم صلعم کے اخلاق فاضلہ یا سوانح حیات پر بصیرت افروز تقریر کر کے غیر مسلمین یورپین احباب کو اس شخصیت کامل سے روشناس کرتا ہے۔ اس سعید تقریب پر بھی مشن کو خرچ کرنا پڑتا ہے۔ (۱۰) اپنی زکوٰۃ کا ایک کثیر حصہ مشن کو دیں۔ قرآن کریم کی رو سے اشاعت اسلام کا کام۔ زکوٰۃ کا بہترین مصرف ہے۔ (۱۱) فطرانہ عید میں اس کار خیر کو نہ بھولیں۔ (۱۲) عید قربان کے روز قربانی کی کھالوں کی قیمت سے اللہ کے اس نیک کام کی امداد فرمائیں۔ (۱۳) اگر آپ کا روپیہ بنک یا ڈاکخانہ میں جمع ہو۔ تو اس کا سود اشاعت اسلام کے لئے ووکنگ مشن کو دیں۔ علماء کرام نے اس کے متعلق فتوے دے دیا ہے کہ اسلام کی اشاعت میں یہ سود صرف ہو سکتا ہے۔ اگر آپ سود کی ان رقوم کو بنک یا ڈاکخانہ وغیرہ سے نہ لینگے تو اسلام کی اشاعت و حمایت کی بجائے۔ یہ رقم دشمنان اسلام کے ہاتھ چلی جاویگی۔ جو اسے عیسائیت کی تبلیغ اور اسلام کے خلاف استعمال کرینگے (۱۴) ہر قسم کی نذر۔ نیاز۔ صدقہ۔ خیرات۔ زکوٰۃ بھینٹ کا بہترین مصرف ووکنگ مسلم مشن ہے۔

(۱۰) ووکنگ مسلم مشن کا سرمایۂ محفوظ (ریزرو فنڈ)

ایک کارکن نظام کے لئے ازبس ضروری ہے کہ اس کے پاس معقول محفوظ سرمایہ ہو۔ یہ کام اکیس سال سے با احسن وجوہ یورپ میں اسلام کی اشاعت کر رہا ہے اس مشن کو ہمیشہ کے لئے انگلستان میں زندہ و قائم رکھنے کے لئے مینجنگ کمیٹی ٹرسٹ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس مشن کے لئے دس لاکھ روپیہ سرمایہ محفوظ میں جمع کیا جاوے۔ اس دس لاکھ روپے کو بنک میں بطور فکسڈ ڈیپازٹ رکھ دیا جائیگا۔ اگر مسلم قوم ہمت کرے۔ تو کوئی مشکل بات نہیں۔ اس سکیم کے روبراہ ہونے سے مشن آئے دن کی مالی مشکلات اور روز روز کی دریوزہ گری سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔ اور آئے دن کی فراہمی امداد کی زحمت سے ہمیشہ کیلئے بے نیاز ہو کر آئندہ کیلئے کسی جیب کا محتاج نہ رہیگا۔ کیا چالیس کروڑ مسلم بھائی دس لاکھ روپیہ بھی اس کار خیر کیلئے فراہم نہ کر سکینگے۔

(۱۱) ووکنگ مسلم مشن کا نظم و نسق

یہ مشن ایک معتبر رجسٹری شدہ ٹرسٹ کے زیر اہتمام چل رہا ہے جس کے ٹرسٹیز او ممبران مینجنگ کمیٹی کی امانت و دیانت مسلمہ ہے۔ یہ مشن اس وقت چار نگران کمیٹیوں کے ماتحت چل رہا ہے۔
(۱) بورڈ آف ٹرسٹیز۔ (۲) ٹرسٹ کی مجلس منتظمہ۔ (۳) لنڈن میں مسجد ووکنگ انگلستان کے مشن کی نگرانی کرنے والی کمیٹی۔ (۴) لٹریری کمیٹی (جو کتب کی طباعت و اشاعت کی منظوری دیتی ہے)۔ (۵) یہ ایک غیر فرقہ دارانہ ٹرسٹ ہے۔ اس ٹرسٹ کا کسی جماعت۔ کسی انجمن یا کسی فرقہ سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ مغربی ممالک میں اس کی تبلیغ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ تک محدود ہے۔

(۱۲) مشن کا مالی انتظام

(۱) مشن کی جملہ رقوم جو باہر سے آتی ہیں۔ تین کارکنان مشن کی موجودگی میں موصول ہو کر۔ رجسٹرات آمد میں چڑھ کر ان ہر سہ کے تصدیقی دستخطوں کے بعد اسی روز بنک میں چلی جاتی ہیں۔ (۲) جملہ اخراجات متعلقہ دفتر لاہور و دفتر ووکنگ انگلستان۔ امپرسٹ کے ذریعہ ہوتے ہیں۔ جسے فنانشل سکریٹری صاحب منظور شدہ بجٹ کی حدود کے اندر پاس فرماتے ہیں (۳) آمد و خرچ کا بجٹ باضابطہ ہر سال پاس ہوتا ہے۔ (۴) سال بھر بجٹ کے ماتحت بل پاس ہوتے ہیں (۵) چیکوں پر تین عہدہ داران ٹرسٹ کے دستخط ہوتے ہیں۔ (۶) آمد و خرچ کی پائی پائی تک ہر ماہ رسالہ اشاعت اسلام لاہور میں شائع کر دی جاتی ہے (۷) ہر ماہ کے حساب کو آڈیٹر صاحب پڑتال کرتے ہیں۔ تمام حساب کا سالانہ بیلنس شیٹ۔ جناب آڈیٹر صاحب کے تصدیقی دستخطوں کے ساتھ رسالہ اسلامک ریویو انگریزی میں شائع کر دیا جاتا ہے۔

(۱۳) ضروری ہدایات۔

(۱) ٹرسٹ کے متعلق جملہ خط و کتابت بنام سکریٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ لاہور۔ پنجاب ہونی چاہیئے۔ (۲) جملہ ترسیل زر بنام فنانشل سکریٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور۔ پنجاب (ہندوستان) ہو۔ (۳) ہیڈ آفس۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور (پنجاب) ہے۔ (۴) انگلستان کا دفتری ماسک ووکنگ سرے انگلینڈ ہے۔

Address in England :- The Imam , The Mosque, WoKing, Surrey, England.

(۵) بنکرس۔ لائیڈ بنک لمیٹڈ لاہور و لنڈن ہیں۔ (۶) تار کا پتہ "اسلام" لاہور۔ (پنجاب۔ ہندوستان)

تمام خط و کتابت بنام سکریٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ۔ عزیز منزل برانڈرتھ روڈ۔ لاہور (پنجاب۔ ہندوستان) فرمائیں

MARCH 1941 R L No. 908

شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان

حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم مبلغ اسلام بانی ووکنگ مسلم مشن انگلستان

مدیر اعزازی

خواجہ نذیر احمد بیرسٹر ایٹ لاء لاہور

قیمت تین روپے آٹھ آنہ (عہ) سالانہ — قیمت پانچ روپے (للعہ) ممالک غیر کیلئے

درخواستہائے خریداری بنام مینیجر رسالہ اشاعت اسلام۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور پنجاب۔ انڈیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ اکبر

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (آل عمران آیت ۱۰۴)

ترجمہ۔ اور چاہیئے کہ تم میں ایک گروہ ہو جو بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھے کاموں کا حکم دیں اور بُرے کاموں سے روکیں اور وہی کامیاب ہونے والے ہیں

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ

ترجمہ۔ وہی (ذات پاک) ہے جس نے اپنے رسول (محمدؐ) کو ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا تاکہ اسکو تمام دینوں پر غالب کرے۔ گو مشرکوں کو بُرا (ہی کیوں نہ) لگے

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ

شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان — مغرب میں تبلیغ اسلام کا واحد مرکز

ووکنگ مسلم مشن انگلستان

کے ذریعہ

یورپ۔ امریکہ و کل انگریزی دان مسیحی ممالک میں اس وقت اسلام کی اشاعت ہو رہی ہے

(۱) تشکیل مشن۔ ووکنگ مسلم مشن کا جملہ تبلیغی کاروبار ایک باضابطہ رجسٹری شدہ ٹرسٹ کے ماتحت ہے۔ جس کا نام ”ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ“ ہے۔ اس ٹرسٹ میں (۱) ووکنگ مسلم مشن انگلستان (۲) رسالہ اسلامک ریویو (انگریزی) (۳) رسالہ اشاعت اسلام (اردو)۔ (۴) کتب خانہ بشیر مسلم لائبریری (۵) مسلم لٹریری فنڈ (۶) ووکنگ مسلم مشن کا سرمایۂ محفوظ۔ شامل ہیں۔

(۲) اغراض و مقاصد۔ (۱) ووکنگ مسلم مشن اور اس کی متعلقہ تحریکات کو انگلستان و دیگر ممالک میں غیر فرقہ وارانہ اصول پر زندہ رکھنا۔ (۲) مغربی ممالک میں تحریر و تقریر کے ذریعہ اسلام کی اشاعت کرنا۔ (۳) انگریزی میں اسلامی کتب و رسائل کو کثرت سے مسیحی حلقوں میں مفت تقسیم کرنا۔ (۴) انگلستان و دیگر مسیحی ممالک میں تمام امور سرانجام دینا جن کی اسلام کی تبلیغ کے لئے ضرورت ہے۔

(۳) تبلیغی مسلک۔ (۱) مشن کی تبلیغ فقط لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ تک محدود ہے۔ (۲) اس کو کسی فرقۂ اسلام یا جماعت یا انجمن سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ (۳) یہ مشن ایک غیر فرقہ وارانہ ٹرسٹ کے ماتحت ہے۔ جس کے ٹرسٹیز مختلف فرقہائے اسلام سے تعلق رکھتے ہیں۔ (۴) ووکنگ مشن کی نمازیں فرقہ بندی سے بالاتر ہیں۔ یہ مشن امامت نماز میں کسی فرقی تمیز کو ملحوظ نہیں رکھتا۔ (۵) مسجد ووکنگ کے امام مختلف فرقہائے اسلام کے رہ چکے ہیں۔ جن میں نومسلمین بھی شامل ہیں۔

(۴) مغربی ممالک میں اسلام کی اشاعت کے ذرائع (۱) رسالہ اسلامک ریویو انگریزی۔ ہزاروں کی تعداد میں۔ یورپ۔ امریکہ و دیگر انگریزی دان مسیحی ممالک میں غیر مسلمین نومسلمین اخوان و خواتین کو ہر ماہ تبلیغ کے لئے مفت بھیجا جاتا ہے۔ (۲) دنیا بھر کی مشہور و معروف غیر مسلم مسیحی لائبریریوں کو رسالہ اسلامک ریویو ہر ماہ مفت بھیجا جاتا ہے۔ (۳) انگریزی اسلامی ادبیات کی مفت اشاعت کی جاتی ہے (۴) مشن کے مبلغین ہفتہ میں [illegible] لندن میں اور دو دفعہ مسجد ووکنگ میں اسلام پر لیکچر دیتے ہیں۔ لیکچر کے بعد سامعین کی چاء سے تواضع کی جاتی ہے (۵) جمعہ کی نماز لندن میں ادا [illegible] جس میں نومسلمین مسلمین و مسلم طلباء۔ کثیر تعداد میں شامل ہوتے ہیں۔ (۶) عیدین کے سالانہ اجتماعوں میں ایک ہزار سے اوپر نفوس شامل ہوتے ہیں [illegible] نومسلمین کے علاوہ غیر مسلمین زائرین بھی۔ اسلامی اخوت کے اس دلفریب منظر کو دیکھنے کیلئے

Dear Imam,

For the last two or three years I have seriously and studiously been studying the Faith of Islam and I have now proved to myself that it is the only true Faith and the only Faith that a man can follow with a clear conscience to the salvation of his soul.

I wish to be accepted into the Faith of Islam and be instructed fully in the tenets of the Faith and in the observances I must follow for my ultimate salvation.

I pray that I may be found worthy of acceptance into the Faith of Islam and I declare that I shall be a good and true follower of the Prophet, for I know Islam to be the only true Faith.

I am,
Yours sincerely,
(Mr.) ANTHONY CRUTHWELL.

Chester,
25th August, 1940.

یہ بڑی نیکی ہے کہ آپ رسالہ کی خریداری بڑھائیں۔ کیونکہ اس رسالہ کی آمد بہت حد تک ووکنگ مسلم مشن کے اخراجات کی کفیل ہے۔ رسالہ ہذا کی دس ہزار اشاعت ووکنگ مشن کے ⅓ اخراجات کی ذمہ دار ہو سکتی ہے۔

فہرست مضامین

رسالہ

اشاعت اسلام

جلد ۲۷ | ماہ مارچ ۱۹۴۱ء مطابق ماہ صفر ۱۳۶۰ھ | نمبر ۳

گیلانی الیکٹرک پریس ہسپتال روڈ لاہور میں باہتمام خواجہ عبدالغنی پرنٹر و پبلشر چھپ کر عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع ہوا:-

بسم اللہ الرحمن الرحیم　　نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

بابت ماہ مارچ ۱۹۴۱ء

شذرات

ہم بصد مسرت اس ماہ مسٹر اینتھنی کرہقول کی فوٹو ہدیہ ناظرین کرتے ہوئے مسٹر موصوف کے وہ خیالات بھی پیش کرتے ہیں جن کا انہوں نے اسلام قبول فرماتے وقت اظہار کیا۔ ہمیں امید ہے کہ مسٹر موصوف کے خیالات دلچسپی سے خالی نہ ہونگے۔

" میں گذشتہ دو تین سال سے اسلام کا نہایت ہی غور و تحقیق سے مطالعہ کرتا رہا ہوں۔ اور مجھے اس بات کا یقین ہو چکا ہے کہ اسلام ہی ایک سچا اور حقیقی مذہب ہے جسے اختیار کر کے انسان تمام اخلاقی کمزوریوں اور گناہوں سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔

میں دل سے اسلام قبول کرتا ہوں۔ اور اس کے اصولوں سے کماحقہ آگاہی حاصل کرنے کا متمنی ہوں تاکہ ان پر عمل پیرا ہو کر میں نجات اخروی حاصل کر سکوں۔

میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اسلام پر چلنے کی استقامت بخشے۔ اور اس کا بھی اظہار کر دینا چاہتا ہوں کہ میں حضرت نبی کریم صلعم کا ایک سچا پیرو ہوں کیونکہ یہ امر مجھ پر متحقق ہو چکا ہے کہ اسلام ہی صرف وہ مذہب ہے جو حق و صداقت کا علمبردار ہے۔"

اخبار مسجد ووکنگ

اس مشن کا ایک فرض منصبی ان غلط فہمیوں کا ازالہ کرنا بھی ہے جو اس ملک میں اسلام کے متعلق پائی جاتی ہیں۔ اور جب کبھی اخبارات میں اسلام کے خلاف کوئی غلط بیانی شائع ہوتی ہے تو ہم فوراً اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں۔ بلاشبہ مشن کو اس معاملہ میں بڑی کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ اور اب مسیحی مصنفین کے قلم سے اکثر کتابیں، اسلام کے متعلق، دیانتدارانہ طریق پر لکھی جانے لگی ہیں۔ اور بعض عقلمند اڈیٹر اس قسم کی کتابوں کو شائع کرنے سے پہلے ان کے مسودات امام صاحب کی خدمت میں بھیجدیتے ہیں تاکہ وہ ابتدائی مسیحی مصنفین کے معاندانہ رویہ کا شکار نہ ہو جائیں۔

گزشتہ عرصہ میں، اسلام اور آنحضرت صلعم کے متعلق بہت کم مضامین شائع ہوئے اگرچہ ہم ان سے بالکل متفق نہیں تاہم، ان کا انداز بیان نسبتاً بہت بہتر ہو گیا ہے پھر بھی بعض لوگ ابھی تک نیش زنی سے باز نہیں آتے مثلاً جولائی میں، دی "نیو سٹیٹسمین اینڈ نیشن" میں ایک مضمون شائع ہوا جس میں مضمون نگار نے ہٹلر کو آنحضرت صلعم سے تشبیہ دی تھی، چنانچہ امام صاحب نے فوراً اس مضمون پر نوٹس لیا اور اسکے جواب میں ایک طویل مضمون لکھ کر اسی اخبار میں شائع کرایا، اسلامک ریویو ماہ فروری میں یہ مضمون بجنسہٖ شائع کیا گیا ہے۔ اس مضمون کی اشاعت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمیں بہت سے خطوط موصول ہوئے جنہیں لوگوں نے اسلامی لٹریچر طلب کیا چنانچہ ضروری اور مفید لٹریچر طالبان حق کی خدمت میں فوراً روانہ کیا گیا، مثال کے طور پر ہم دو ایک خطوط پیش کرتے ہیں:۔

"ڈیر امام صاحب - ۲۰ جولائی کے "نیو سٹیٹسمین اینڈ نیشن" میں آپ کے دستخط سے جو قابل قدر مضمون شائع ہوا ہے اس پر میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں۔ میں اس مضمون کو پڑھکر بہت رنجیدہ ہوا تھا اور میں اُمید کرتا ہوں کہ پبلک اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرے گی۔ میں آپ کے خیالات سے، اپنی پوری ہمدردی کا اظہار کرتا ہوں۔" آپ کا مخلص - جے۔ ایم۔ آئی (سابق ناظم دفتر تعلیمات مصری، لندن)

دوسرا خط

ڈیر سر، میں دی "نیو سٹیٹسمین اینڈ نیشن" مورخہ ۲۰ جولائی میں، آپ کا قابل قدر اور مدلل مضمون پڑھکر بہت متاثر ہوا۔ اگرچہ مذہب کے وسیع مفہوم سے میں لا ادری ہوں تاہم میں صداقت کا جویاں ہوں

یعنی میں نے "لاادریت" کو اس کے حقیقی معنی میں استعمال کیا ہے۔ براہ کرم مجھے دو تین ایسی کتابوں سے مطلع فرمائیے، جو اسلامی اصول اور عقائد پر مستند ہوں۔ مبسوط کتابوں کے بجائے مختصر اور سادہ کتابیں بہتر ہونگی۔ نیز میں آنحضرت صلعم کے سوانح حیات پر بھی ایک کتاب ضرور پڑھنی چاہتا ہوں۔ اس عنایت کے لئے پیشگی شکریہ عرض کرتا ہوں۔"　　آپ کا مخلص۔　　ڈبلو۔ جی۔ بیکر

زائرین مسجد ووکنگ

گذشتہ ششماہی میں، زائرین کی تعداد معمول سے زیادہ تھی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ووکنگ میں بہت سے پناہ گزین آئے ہوئے ہیں اور ان کے علاوہ ہندوستانی افواج کے سپاہی، جو بی، ای، ایف کے ہمراہ الڈرشاٹ میں ڈنکرک سے آتے ہیں، سب کے سب جمعہ کی نماز کے لئے ووکنگ مسجد میں تشریف لاتے رہے ہیں۔

مسجد میں ایک نامور شخصیت کی آمد

۹ اگست ۱۹۴۰ء جمعہ کے دن ہز رائل ہائینس شہزادی سنیہ آف البانیہ مسجد میں تشریف لائیں۔ موصوفہ نے، جو فرنچ بخوبی بولتی ہیں، مشن کے متعلق استفسارات بھی کئے اور اس کی تبلیغی جدوجہد میں کافی دلچسپی کا اظہار کیا، چنانچہ انہوں نے دس پونڈ کی رقم بطور امداد بھی عطا فرمائی اور وعدہ فرمایا کہ میں انشاءاللہ عنقریب اپنے بھائی ہز میجسٹی شاہ زوغو کے ساتھ پھر یہاں آؤں گی۔

یاد رفتگاں

" اور جو لوگ خدا کی راہ میں شہید ہوں ان کو مردہ مت کہو، کیونکہ وہ زندہ ہیں، مگر تم نہیں جانتے۔ (قرآن مجید ۲: ۱۵۴)

آج ۲۸ دسمبر کا دن، دنیا کی نگاہ میں ممکن ہے وقیع نہ ہو، لیکن انشاءاللہ ایک زمانہ آئیگا جب لوگ اس دن کی اہمیت کا احساس کرنے لگیں گے۔

آٹھ سال ہوئے اس تاریخ کو، خواجہ کمال الدین مبلغ اسلام نے، لاہور میں اپنے معمولی سے مکان میں وفات پائی۔ ہم نے انہیں مبلغ اسلام کے نام سے یاد کیا ہے، اور سچ تو یہ ہے کہ وہ خود اپنے لئے اس نام کو بہت پسند کرتے تھے۔ اگرچہ ان میں اور خوبیاں بھی تھیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حقیقی معنوں میں مبلغ اسلام تھے۔ دوسرے مذاہب کے مبلغین کے برخلاف، ان کی شخصیت نے

اس نام کو چار چاند لگا دیئے۔ جس طرح اس نام نے انہیں عزت عطا کی، انہوں نے اس نام کی شان دوبالا کر دی۔ انہوں نے دنیا کو دکھا دیا کہ کسی مذہب کا مبلغ ہونا، اور بات ہے اور اسلام کا مبلغ ہونا اور ہے۔ وہ دراصل دنیا میں تبلیغ اسلام کے لئے ہی پیدا ہوئے تھے۔ صدیوں سے اسلام میں ایسی شان اور اس مرتبہ اور اس شخصیت کا کوئی داعی پیدا نہیں ہوا تھا۔ اس دور انحطاط میں ان کی شخصیت اپنے اندر شہابی کیفیت رکھتی تھی۔ وہ تن تنہا مبلغ بھی تھے، لکچرار بھی، خطیب بھی اور انشا پرداز بھی، مصنف بھی اور مناظر بھی، منتظم بھی اور کارکن بھی مصلح بھی اور ریفارمر بھی۔ اگرچہ ان کی شخصیت مرعوب کن تھی تاہم وہ دوستی میں بہت استوار تھے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ نہایت ہمدردی سے پیش آتے تھے اگرچہ ان کی زندگی ایثار کا مجسمہ تھی تاہم وہ دوسروں سے کوئی توقع نہیں رکھتے تھے، اگرچہ وہ برائی کے دشمن تھے تاہم دوسروں کی کمزوریوں سے چشم پوشی کرتے تھے۔ جیسا کہ بڑے آدمیوں کی فطرت ہوتی ہے وہ چھوٹی چھوٹی باتوں کی مطلق پرواہ نہیں کرتے تھے کیونکہ ان کی نظر ہمیشہ بڑے بڑے مقاصد پر جمی رہتی تھی۔

چنانچہ یہ ان کی وسعت اور بلند نظری کا کرشمہ تھا کہ انہوں نے، اس وقت مذہبی خدمت کا بیڑا اٹھایا، جب، عوام میں اس چیز کے ساتھ، بہت دلچسپی تھی۔ اور انہوں نے منفعت بخش وکالت کو خیرباد کہکر، اس قوم کو تبلیغ کرنی شروع کی جو اسلام کے سب سے بڑے مخالف تھے۔ بلاشبہ مرحوم کا انگلستان میں، تبلیغی مشن قائم کرنا، اسلامی تاریخ میں ایک مہتم بالشان کارنامہ ہے۔ اس کام کے لئے اس جرأت، ہمت، حوصلہ، نگاہ اور استقلال کی ضرورت تھی، جو صرف ان لوگوں میں پایا جاتا ہے، جو پیدائشی لیڈر ہوتے ہیں۔ جب دنیا یہ سمجھ رہی تھی، کہ اب مذہب کا دور ختم ہو چکا ہے، اس وقت ان کی فراست نے، آنے والے مذہبی دور کی جھلک دیکھی اور اسی فراست کو مذہبی اصطلاح میں ایمان کہتے ہیں۔ الغرض مرحوم مذہب کے مستقبل پر ایمان رکھتے تھے اسی لئے انہوں نے، اس کام میں اپنا تن من دھن سب لٹا دیا۔

پس انسانی شعور کے پیچیدہ ترین خطہ یعنی مذہب میں وہ، انسانوں کے مسلمہ رہنما تھے اور آج ربع صدی گذرنے کے بعد، خلاف محل نہ ہوگا اگر ہم یہ کہیں کہ آج ایک عقلمند آدمی کے لئے یہ معلوم کرنا مشکل نہیں کہ مذہبی دور، دنیا میں قائم ہو چلا ہے اور مرحوم اور ان کے ساتھی کسی سراب میں مبتلا نہیں تھے

تھے۔ اور ووکنگ مسلم مشن کا تخیل محض ایک خیالی پلاؤ نہیں تھا۔ بتدریج عوام میں اس حقیقت کا احساس شدید تر ہوتا جائیگا اور اس وقت وہ یہ محسوس کر کے بہت ملول ہونگے کہ خواجہ کی وفات بڑے بے وقت ہوئی کیونکہ ان کی قبل از وقت وفات کا بڑا سبب عامتہ المسلمین کی سرد مہری ہے، اگرچہ ان کے قواء بہت مضبوط تھے تاہم جس قدر جد وجہد انہیں کرنی پڑی وہ اُن کی طاقت سے باہر تھی۔ زندگی میں ان کو جن پریشانیوں کا سامنا ہوا، اُن سے وہی لوگ واقف ہیں جن کو ان کیساتھ کام کرنیکا اتفاق ہوا۔ آئیندہ نسلیں ممکن ہے ان کی یادگاریں تعمیر کریں، اور عالی شان عمارتیں اُن کے نام سے منسوب کریں لیکن یہ سب کچھ اس قصور کی تلافی نہیں کر سکتے، جو ہم سے سرزد ہو چکا یعنی ہم نے اسلام کے سچے فرزند ہونیکا ثبوت نہیں دیا۔ کہ ہم نتائج سے بے پرواہ ہو کر اپنی جان و مال اسلام کی راہ میں نثار کر دیتے اور بلاشبہ وہ اسلام کے لئے ایثار مجسم تھے۔ اگرچہ وفات سے پہلے کئی دفعہ انہیں خون کی قے آئی لیکن ہر بار وہ، نہایت صبر و سکون کے ساتھ، اسلام پر مضامین لکھانے لگتے تھے یا مشن کے متعلق ہدایات جاری کرتے تھے۔ بلاشبہ یہ ایک ایسا نظارہ تھا کہ فرشتے دیکھتے تو انہیں بھی لطف آجاتا۔

اگرچہ وہ لوگ بھی شہید ہیں جو سر بازار شہید ہو کر ہزاروں کو متاثر کرتے ہیں لیکن سب سے زیادہ المناک موت وہ ہے جو کنج تنہائی میں آتی ہے اور ہزاروں مشکلات کا مقابلہ کرتے کرتے آتی ہے۔ خواجہ مرحوم کی شہادت اسی قسم کی تھی۔ پھر وہ بھی شہید ہیں جو تلوار ہاتھ میں لئے شہید ہوتے ہیں "قاتلون و ہم یقتلون" لوگ ان کی مدح کرتے ہیں، اور ان کی عظمت کے گیت گاتے ہیں لیکن خواجہ کی شہادت کا انداز جدا تھا۔ وہ اپنے بھائیوں کے غم میں شہید ہوئے ان کے ہاتھ میں مرتے وقت تلوار تو نہ تھی لیکن قلم ضرور تھا جس کے ذریعہ انہوں وہ مضامین لکھے جو آنیوالی نسلوں کے دلوں کو گرماتے رہیں گے۔

ہم بلاشبہ مرحوم کے جانشین ہونے کے مدعی نہیں ہیں، ہمارے لئے باعث فخر بات صرف یہ ہے کہ ہم نے ان کی زندگی کا قریب سے مشاہدہ کیا اور اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ انہیں تبلیغ اسلام اور قرآن سے کس قدر عشق تھا۔ اور اسلام کے شاندار مستقبل پر کس قدر یقین تھا۔

ہم انکی برابری کا دعویٰ نہیں کر سکتے، وہ تو ان لوگوں میں سے تھے جو ایسے ادارے قائم کر سکتے ہیں جنکی ان کے ہمعصروں کو ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ ہمارے لئے یہ کافی ہے اگر ہم اس ادارہ کو قائم رکھ سکیں جو انہوں نے قائم کیا تھا۔ اب تو اس ادارہ کی اہمیت کا لوگوں کو احساس بھی ہو چلا ہے اگر ہم یہ کام کر سکیں تو بلاشبہ ان

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

از قلم حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مبلغ اسلام

کوئی قوم جب انحطاط کی طرف جاتی ہے۔ تو وہ حقایق سے منہ موڑ کر لفظ پرست ہو جاتی ہے۔ پھر آہستہ آہستہ لفظ پرستی بھی چھٹ جاتی ہے۔ جس سے ایک عظیم الشان حقیقت خاک میں مل جاتی ہے۔ یہی حالت درود شریف پڑھنے کی ہے۔ اصول کے لحاظ سے تو یہ مقدس شغل میرے نزدیک نماز سے کچھ ہی کم درجہ پر ہے۔ لیکن لوگوں نے جو مدت سے صرف تکرار لفظی پہ اکتفا کر رکھی تھی۔ آج نہ صرف ان الفاظ کو چھوڑنے لگے ہیں۔ بلکہ ان مقدس الفاظ پر بھی معترض ہیں۔ کہا جاتا ہے۔ کہ جب درود شریف ایک دعا ہے۔ جس میں ہم خدا تعالےٰ سے آنحضرت صلعم کی ازدیاد ترقی چاہتے ہیں تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے دنیا کو ایسی حالت میں چھوڑا جب آپؐ میں تکمیل نفس نہ ہو چکی تھی۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جناب ابراہیم علیہ السلام کا رتبہ بالضرور آنحضرت سے زیادہ ہوگا کیونکہ جس ترقی کی درخواست سرور کائنات کے متعلق کی جاتی ہے۔ وہ ترقی بطور مثال جناب ابراھیم کی طرف منسوب کی گئی ہے ؎

اس اعتراض کا کسی آریہ کی زبان سے سن لینا تو ایک معمولی بات تھی۔ لیکن آج اچھے بھلے مسلم بھی درود شریف کے متعلق اگر معترض نہیں۔ تو متامل ضرور ہو چکے ہیں۔ یہ ساری مصیبتیں لفظ پرستی کا نتیجہ ہیں۔ کوئی بھی تھوڑی دیر کے لئے تکلیف تحقیق کو گوارہ نہیں کرتا۔

یوں تو ہر زبان میں لفظوں کے کئی ایک معنے ہوتے ہیں لیکن عربی الفاظ حقایق و معارف کا خزانہ ہیں۔ ان کا ایک ایک لفظ مختلف معانی کا حامل ہوتا ہے۔ لفظ کا محل و موقعہ ہی بتلاتا ہے کہ کسی خاص مقام پر کسی لفظ کے کیا معنے ہونے چاہئیں۔ اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

لفظ صلوٰت کا ماخذ صلے ہے۔ اس کے ایک معنے تو خدا تعالےٰ سے رحمت و ترقی کی دعا مانگنا دوسرے معنے بذات خود ترقی۔ کامیابی۔ رفعت اور مقصد کا پورا ہونا بھی ہوتا ہے۔ تیسرے معنے

ان افعال و اسباب کا جمع کرنا ہے۔ جن کے ذریعہ ہم سرسبز اور کامیاب ہوتے ہیں۔ یہ تینوں معانی مختلف کتب لغت میں موجود ہیں۔ اس پر صاحب تاج العروس یہ ایزاد کرتے ہیں۔ کہ جب یہ لفظ آنحضرت صلعم کے متعلق استعمال ہو۔ تو اس کے معنے بالخصوص آپ کے فرض زندگی یعنی اشاعت و تبلیغ اسلام کی کامیابی ہے۔ یہ چاروں معانی مسلم ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس لفظ کے معنے کسی خاص مقام پر کیا ہوتے ہیں۔ یہ امر ظاہر ہے کہ درود شریف پڑھنے کی بنیاد قرآن کریم کی یہ آیت ہے، اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا یعنی (تحقیق اللہ اور اس کے فرشتے نبیؐ پر صلوٰۃ کا تکرار کرتے ہیں۔ اے مومنین! تم بھی صلوٰۃ و سلام پر عامل ہو) یہ تو صحیح ہے۔ کہ صلّی کے ایک معنے خدا تعالیٰ سے خاص دُعا مانگنے کے ہیں اور یہ بھی صحیح ہے کہ انسان و فرشتے ایسی دُعا مانگ سکتے ہیں۔ لیکن آیت تو کہتی ہے۔ کہ خدا تعالیٰ بھی یہ امر کر رہا ہے۔ اب اس کے معنے اگر دُعا کے سوائے اور کوئی نہیں ہو سکتے۔ تو پھر خدا کا اس دعا میں مخاطب کون ہے؟ لہذا اس لفظ کے معنے اس موقع پر دعا، صلوات نہیں ہو سکتے۔ ہمیں معنیٰ اوّل کو چھوڑ کر دوسرے معنوں کی طرف توجہ کرنی ہو گی۔ اور وہ صاف ہیں۔ آیت شریف کے معنے یہ ہوئے۔ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے ہمیشہ اسباب کے مہیا کرنے یا پیدا کرنے میں مصروف ہیں۔ جس سے آنحضرت صلعم کا مقصد زندگی کی تکمیل کو پہنچے۔ اور آپؐ کا نام بلند ہو۔ اور آپؐ کے مشن کو ترقی ہو۔ اور اس موقع پر یہ بھی ہدایت کی گئی ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے یہ عمل کر رہے ہیں تو اے مسلمانو تم بھی یہی عمل کرو تم بھی ان کاموں میں مصروف ہو جاؤ۔ جن سے حسبِ تشریح صاحب تاج العروس اشاعت اسلام کی تکمیل و ترقی ہو۔ تاریخ اس امر پر شاہد ہے کہ اوّل تو اسلام روز افزوں ترقی کرتا رہا لیکن وہ باتیں جنہیں ہم خدا اور اس کے فرشتوں کے متعلق منسوب کر سکتے ہیں۔ وہ خود بخود لوگوں کا ان اصولوں کی طرف رجوع کرنا ہے۔ جو نہ صرف اسلام کی ہی روح رواں ہیں۔ بلکہ وہ معرکتہ الآرا باتیں ہیں جنہوں نے مذاہب دیگر کو اسلام سے جدا کیا۔ اس امر کے ثبوت میں تاریخ کی اوراق گردانی کرنا نہیں چاہتا۔ جو آج ہمارے سامنے ہو رہا ہے۔ وہ اس آیت شریف کی ایک کامل تشریح ہے۔ یوں تو آج دنیا نہ صرف بظاہر اسلام سے منہ موڑ رہی ہے۔ بلکہ مذہب کو ہی بنفسہٖ جواب دے رہی ہے۔ لوگ نہ صرف علی الاعلان اپنے اپنے مذہب سے ہی الگ ہو رہے ہیں۔ بلکہ ضرورتِ مذہب کے ہی منکر ہیں۔ ہاں تعلیم مذہب کی جگہ انہوں

نے چند اُصول زندگی اختیار کر رکھے ہیں۔ جن پر وہ بطور مذہب چلنا چاہتے ہیں۔ اب اگر ان اُصولوں کو غور سے دیکھا جائے۔ تو وہ سب کے سب اسلام کے بنیادی اُصول ہیں۔ ہمارا زمانہ کچھ اس قسم کا مبارک زمانہ واقع ہُوا ہے کہ ہمیں تبلیغ و اشاعت میں صرف اسی قدر کہہ دینا ہے۔ کہ جن جن امور کی خاطر دوسرے مذاہب والوں نے اپنے مذہب کو چھوڑ رکھا ہے۔ وہ خالصتہً اسلامی نہیں۔ اور ہمیں ان دوستوں کو صرف اسی قدر بتلانا ہے کہ جن اُصولوں کے تم اس قدر دلدادہ ہو رہے ہو۔ قرآن نے اس کا نام اسلام رکھا ہے ؛

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ یہ قلبی کیفیت اور مذہبی ذہنیت کس نے پیدا کی۔ ہماری حالت جمود تو ظاہر ہے۔ اور جس طرح ہم اس فریضہ حقہ سے الگ ہو چکے ہیں۔ وہ بھی روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ پھر کس نے امور سلطنت میں دُنیا کو جمہوریت کا دلدادہ کر دیا ہے۔ کس نے مساوات انسانی کی رُوح پھونک دی ہے؟ کس نے ذات پات اور رسمی تعزز کو ملیا میٹ کر دیا ہے؟ وہ کون سے اسباب ہیں جنہوں نے ہندوستان جیسی قدامت پرست اور چاردیواری میں رہنے والی قوم کو شدھی سنگھٹن جیسے مفید اُصولوں پر عامل کرا دیا ہے؟ کیوں ہندو اصحاب آج ورثہ نسواں پر زور دے رہے ہیں۔ ازیں قبیل ازدواج بیوگان طلاق وغیرہ کے مسائل بھی ہیں۔ دوسری طرف فلسفہ حیات کے لئے کل دنیا مغرب کو دیکھتی تو مغرب میں ذیل کے مضبوط اُصول کس مسلمان نے جا کر شائع کئے ہیں؟ توحید۔ مساوات انسانی۔ عالمگیر اخوت۔ انسان کی سرشت کا مکمل اور بے عیب ہونا دنیا میں ادراک کا مادہ پر غالب رہنا۔ تعمیر وغیرہ۔ یہ اُصول اور بیسیوں اور مسائل۔ کُل کے کُل اسلامی ہیں۔ لیکن آج اگر یورپ ان پر فریفتہ ہے۔ تو یہ انقلاب ہماری کوششوں کا تو نتیجہ نہیں۔ یہ تو آیت زیر بحث کی ایک لفظاً اور عملاً تفسیر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں فرماتے ہیں کہ میں اور میرے فرشتے تو انسانی قلوب میں اُصول اسلام کی طرف رغبت پیدا کر رہے ہیں۔ ہم (خدا) تو اِنّ اللہ و ملٰئکتہ یصلّون علی النبیّ کر رہے ہیں۔ لیکن مسلمانو تم بھی کچھ کام کرو۔ ہم تو دنیا کے لوگوں کو قرآنی اُصول کی طرف لا چکے ہیں۔ لیکن تم جا کر انہیں اطلاع دو۔ کہ ان اُصولوں کا نام اسلام ہے۔

معترض اب غور کرے۔ کہ آیت کے یہ معنے کسی تکلف کے محتاج نہیں۔ ایک طرف ان معانی کی مؤید لغت عرب ہے۔ اور دوسری طرف واقعات عالم اس کی تصدیق کر رہے ہیں؛

ہاں اگر کوئی جماعت ان امور کی کافر (منکر) ہے۔ تو وہ وہی ہیں۔ جن کا نام مسلمان ہے جس قدر بھی آنحضرت کے اس ارشاد کی تعریف ہو تھوڑی ہے۔ کہ تم مجھ پر آٹھوں پہر درود بھیجو ہم نے تعمیل ارشاد میں تو حد کردی۔ جونہی کسی کی زبان پر آنحضرت صلعم کا نام پاک آیا۔ چاروں طرف سے اللھم صل علیٰ محمدؐ کا شور پڑ گیا۔ لیکن ایک نے بھی اس پر غور نہیں کیا کہ آنحضرت کا مقصد یہ ہرگز نہ تھا۔ غرض تو یہ تھی۔ کہ جس وقت آپ کا نام زبان پر آئے اسی وقت ہمیں آپؐ کے مشن کی اشاعت کا خیال ہو۔

درود شریف کے اگر معنے دعا کے ہی لئے جائیں۔ تو پھر دعا کی حقیقت تو قرآن نے یہ بیان کی ہے۔ کہ جو بات خدا سے مانگی جائے۔ پہلے خود اس کے پورا کرنے کے اسباب پیدا کئے جائیں یعنی ہم کوشش میں اپنی طرف سے کوئی کمی نہ چھوڑیں۔ اور تکمیل کے لئے خدا کی طرف دیکھیں۔ کس قدر افسوسناک بات ہے۔ کہ درود شریف میں تو ہم خدا سے ملتجی ہوں۔ کہ آنحضرت صلعم کا نام بلند ہو۔ مگر ہمارے روزمرہ کے افعال معاذاللہ آپؐ کیلئے باعثِ ننگ ہوں۔ یہ دعا نہیں۔ بلکہ خدا تعالیٰ سے مضحکہ اور مذاق کرنا ہے۔ اشاعت اسلام کے سوال کو چھوڑ دیا جائے۔ درود شریف تو اس لحاظ سے اصلاح اخلاق کا بہترین ذریعہ تھا۔ اگر درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ اور کسی شخص کی تعلیم کی کامیابی کا بڑا بھاری ثبوت یہ ہوتا ہے۔ کہ اس معلّم کے پیرو اس تعلیم پر عامل ہوں۔ تو محمدؐ عربی کی رفعتِ ذکر اور آپؐ کی کامیابی کا ثبوت اس زمانہ میں ہمارے افعال سے ہونا چاہیئے تو درود شریف پڑھنے سے پہلے ہمیں اصلاح اعمال کی فکر کرنی چاہیئے اور گویا ہم یہ کہنے کے قابل ہو جائیں۔ کہ جہانتک اصلاح اعمال میں ہم سے جو کچھ ہوتا تھا۔ وہ تو ہم کر گذرے۔ آگے خدا کا کام ہے۔ اسی طرح لفظ "صلی" کے جاتی معانی پر غور کرنے سے اور تشریحات بھی ہو سکتی ہیں۔ رہا یہ کہ خدا تعالیٰ نے درود شریف میں کامیابی کا ایک نمونہ جناب ابراہیمؑ کو پیش کیا ہے۔ اور ہمیں اُسے نصب العین بنانے کیلئے متوجہ کیا ہے۔ دراصل اس سے مراد بھی وہی ہے۔ جو میں لکھ چکا ہوں۔ جناب ابراہیم سے جو برکت و رحمت کا وعدہ تھا۔ وہ اس کی اولاد کے ذریعہ ہونا تھا۔ اگر جناب اسمٰعیلؑ بھی آپ کی اولاد میں سے ہیں اور آنحضرت صلعم اسی باغ کے ایک گُل سرسبد ہیں۔ تو جس قدر اسلام کی اشاعت ہو گی وہ اسی برکت کی افزائش ہے۔ جو جناب ابراہیمؑ کو عطا ہوئی۔ جناب ابراہیمؑ اپنی اولاد کے لئے برکت کی دُعا مانگتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اس دعا کو منظور فرماتے ہیں۔ اور حضرت نبی کریم اپنے آپؐ کو ابراہیمؑ کی

دعا کا اظہار کرتے ہیں۔ ہم درود شریف میں خدا تعالیٰ کو اسکا وعدہ یاد دلاتے ہیں۔ کہ تو نے جس طرح جناب ابراہیم سے برکت کا وعدہ کیا تھا۔ اس کی اجراء جناب اسمٰعیل کی اولاد سے ہوتی ہے۔ اس برکت کے آج ہم وارث ہیں۔ لہٰذا ہم میں وہ توفیق پیدا کر دے۔ کہ جس کے ذریعے ہم اس برکت کے وارث ہو جائیں۔ جو تو نے جناب ابراہیم کو عطا فرمائی۔ آپ کی اسرائیلی نسل تو باغِ روحانیت سے کٹ چکی ہے ہاں دوسری شاخ ذریعہ وہ وعدہ کردہ برکت جاری ہے۔ اسکا ظہور آنحضرتؐ کی ذات پاک سے ہوا جنکے نام لیوا آج ہم ہیں۔

قارئین کی خدمت میں ایک التماس

گذشتہ پرچہ کے ساتھ، اس رسالہ کی مسلسل اشاعت پر ۲۸ سال گذر چکے ہیں۔ ایسی دنیا میں جو مذہب سے بیگانہ ہو چکی ہو، اور ایسے لوگوں کے سہارے، جو معقول وجود کی بناء پر تصویر کا روشن پہلو دیکھنے کے لئے آمادہ نہ ہوں، یہ ایک ایسی مدت ہے جس پر ہم بجا طور سے خدا کا شکریہ ادا کر سکتے ہیں۔

ان سطور کے لکھتے وقت، انسانی تہذیب کی قسمت ایک ترازو میں لٹک رہی ہے۔ انسان نے اب تک دنیا کو خوبصورت بنانے کے لئے جس قدر کوشش کی تھی، وہ اس پر پانی پھیرنا چاہتا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھکر، وہ انسانی عمرانی زندگی اخلاقی بنیاد کو اکھاڑ پھینکنے میں اس وقت ایک شیطانی مسرت محسوس کر رہا ہے طاقت کے احساس سے اس کا دماغ پھر گیا ہے اس لئے وہ کہتا ہے کہ اس کائنات کو میری مرضی کے تابع ہو کر چلنا چاہیئے، افسوس اُسے یہ خیال نہیں آتا کہ وہ اس خواہش کا اظہار کر کے، انسان کی قسمت کی رہنمائی میں چٹان سے اپنا سر ٹکرا رہا ہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہ وہ انسانی ارادہ کی بے قدری، اور انسانی کوششوں کی بے قیمتی کو واضح کرتا ہے۔

آنحضرت صلعم آخر الانبیاء ہیں، اس اعتبار سے نہیں کہ اب دنیا الہامی ہدایت سے بلند تر ہو گئی ہے بلکہ آپؐ کی تعلیمات اور شخصیت ایسی ہیں کہ تاریخ کے متبدل طریق کی بناء پر انسان کی ثقافتی زندگی میں جو خلیجیں پیدا ہوتی رہتی ہیں، ان کو پر کر سکتی ہیں۔ بنی آدم کو اپنی تاریخ کے نئے تغیر کے موقع پر کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنے ارتقائی سفر میں، قرآنی صداقتیں، بنی آدم کے لئے، رہنما روشنی کا کام دیتی رہیں گی۔ خود شناسی کے سلسلہ میں، جب کبھی بنی آدم کو دشواریوں کا سامنا ہوگا تو آنحضرتؐ

کی شخصیت ایک روشنی کے مینار کا کام دیگی اور انسانی جذبات کے طوفانی سمندر میں منتشر انسانی طاقتوں کے لئے ایک مرکز بن جائے گی۔

تجربہ نے بتایا ہے کہ یورپ مذہب سے بالکل ہی بیگانہ نہیں ہو چکا ہے۔ تعصب پر بنائے عدم واقفیت، اور چند سیاسی اسباب نے اب تک یورپ کو اس واحد مذہب کے قبول کرنے سے باز رکھا، جو ان کی بلند حوصلہ ثقافتی زندگی میں، ان کا حقیقی مددگار ثابت ہو سکتا تھا۔ اب جبکہ اُن کی ثقافتی خود شناسی کی کوششیں، ان کو تباہی کے کنارے پر لے آئی ہیں، تو وہ اب غیر شعوری طور پر مذہب کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔

مذہب کا یہ دور جب در اصل یورپ میں شروع ہوگا، اس وقت اُسے اس امر کا فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگے گی کہ کون سا مذہب اختیار کرنے کے قابل ہے؟ یورپ کو ایک ایسے مذہب کی ضرورت ہے جو بنی آدم کے لئے مکمل ضابطۂ حیات کا کام دے سکے خصوصاً ایک مہذب اور بین الاقوامی جمعیت کے لئے۔ اور ایسا مذہب دنیا میں اسلام کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے؟ اگر اس موجودہ کشمکش کا انجام یہی ہونا ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ ہم مسلمان، جو اس مقدس مذہب کے علمبردار ہیں، اس وقت اپنے فرائض کا کس قدر احساس کر رہے ہیں؟ اور ہم نے ان ظلمت کے باشندوں کو اسلامی تعلیمات سے کس حد تک آگاہ کیا ہے؟۔

ہمیں افسوس کے ساتھ اعتراف کرنا پڑے گا کہ اس معاملہ میں ہم نے، ووکنگ مسلم مشن قائم کرنے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں کیا ہے؛ یہ مشن زبردست قلمی جہاد میں مصروف ہے اور اس سلسلہ میں، جو کم خرچ بھی ہے اور مؤثر بھی، اسلامک ریویو سب سے زیادہ عملی خدمت انجام دے رہا ہے۔ یہ رسالہ پچھلے ۲۸ سال سے، اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کو اُن دور دراز گوشوں میں پہنچا رہا ہے۔ جہاں کوئی مشرقی مبلغ نہیں پہنچ سکتا۔ اور یہ اسی رسالہ کی ان تھک کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج یورپ میں بعض اقوام کے لئے اسلام کی طرف میلان کا چرچا سنتے ہیں۔ یہ چرچا، خود مغرب ہی میں پیدا ہوا اور اس کی اہمیت بالکل واضح ہے اور یہ بھی کہ، اس چرچا کی بنیاد صرف ایک ہی سرچشمہ ہے اور وہ اسلامک ریویو ہے، جو استقلال کے ساتھ ہزاروں یورپین افراد کو اس مذہبی انقلاب کی یاد دلاتا رہتا ہے، جس کے لئے یورپ تقریباً تیار ہو چکا ہے۔

علاوہ بریں، مدیران رسالہ، وطنی ضروریات سے بھی غافل نہیں رہے ہیں انہیں اس سیاسی

بحران کا بخوبی احساس ہے جو اس وقت ہندوستان میں ہماری سیاسی زندگی پر طاری ہو رہا ہے، وہ اس بات سے بھی واقف ہیں کہ ہماری موجودہ دشواریوں کی ایک بڑی وجہ مذہبی غلط فہمیاں بھی ہیں۔ اسی لئے وہ برابر اس رسالہ میں ایسے مضامین شائع کرتے رہتے ہیں، جو تعلیمیافتہ ہندوؤں کو اپیل کر سکیں

اگر ہم ہندوستان کو خود مختار دیکھنے کے آرزو مند ہیں تو ان تمام غلط فہمیوں کا ازالہ کرنا ضروری ہے، جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین پائی جاتی ہیں، حکمرانوں کو برا کہنے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا، جبکہ ہم ہندو اور مسلمان، دونوں کے زاویہ نگاہ میں زمین اور آسمان کا فرق موجود ہے، پس ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم اپنے ہندو محبان وطن کو اس حقیقت کا احساس کرائیں کہ بنی آدم کی ترقی میں اسلام ایک ناگزیر عنصر ہے، اور اسلئے لازمی طور پر، وہ ہندوستان کی تقدیر کے فیصلہ میں بھی ایک ناگزیر عنصر ہے۔

اگر اسلامک ریویو اس مفاہمت کے لئے ایک سازگار فضا تیار کر سکے تو وہ ہندی قومیت کے لئے ایک زبردست خدمت انجام دے سکیگا، پس ہندوستان میں بھی اور تمام دنیا میں بھی اسلامک ریویو اپنے سامنے، خدمت کا ایک اعلیٰ پروگرام رکھتا ہے اور یہ بات کہ وہ کس حد تک اور کس قدر جلد، اس اعلیٰ خدمت کو انجام دے سکتا ہے، اس کے معاونین پر منحصر ہے۔

(آفتاب الدین احمد)

پیام اسلام

قرآن کریم سے ایک اجنبی دل کو معرفت کرنیوالی کلام پاک کی اجنبیت غیریت اور تنفر کو دور کرکے اس سے فیضیاب کرنیوالی معرکۃ الآرا اور ضخیم کتاب، آسمانی بادشاہت اور اسکا چارٹر کا مختصر سا خاکہ دیکھنا ہو تو پیام اسلام پڑھ لو اس کتاب میں قرآن کی ضرورت اور اسکے اسالیب خاصہ پر بحث ہوگی قرآن کریم کے جداگانہ عنوانوں کے تحت میں تقسیم ہوگی خاص کر امور ذیل پر بحث ہوگی، انسان کے متعلق قرآن کا نصب العین۔ کائنات میں انسان کا مقام خلافت الٰہیہ اور اسکے حصول کے ذرائع، روحانی، اخلاقی، تمدنی، اقتصادی، سیاسی تعلیمات قرآنی، تزکیہ و اصلاح نفس ایک جیلان فی شکل انسان کا بانی اخلاق سے متعلق ہونا۔ انسان کے کمالات اور اسکے نقص۔ موجودہ زمانہ کی مشکلات اور اخلاقی بدعنوانیاں اور ان کا قرآنی حل وغیرہ بعض صد اقتباسات علیہ غیرہ وغیرہ پر نہایت زبردست بحثیں۔ فہم قرآن اور اس سے مستفید ہونا آسان ہو جائے گا۔ اس کتاب کا مختصر خاکہ پیام اسلام میں دیا گیا ہے۔ قیمت صرف ۶ر

عربوں کے تعلقات بیزنطینی سلطنت سے

زمانۂ جاہلیت اور ابتدائے اسلام میں!

{از جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب}

جزیرہ نمائے عرب تین بر اعظموں کے بیچ میں واقع ہوا ہے۔ اسی لئے قدیم زمانے سے اس کو بین الممالک اہمیت حاصل رہی ہے۔ جب تک راس امید کی راہ ہندوستان اور یورپ میں راست تعلقات نہیں قائم ہو گئے، مشرق کا تجارتی مال بڑی حد تک عرب ہی کی راہ مغرب کو پہنچتا تھا۔ اور عرب خود بھی تجارت کے سلسلہ میں دور دور تک نکل جاتے تھے۔

ایک طرف اس تجارتی کاروبار نے عربوں کو مصر و شام اور چین و ہند تک پہنچایا تو دوسری طرف ان کے بے آب و گیاہ مرز بوم کی غیر مہمان نوازی انھیں قدیم سے ترکِ وطن پر مجبور کرتی رہی ہے، ایک طرف قبیلہ طی نے عراق و ایران میں "تازی" بن کر چینیوں سے پورے عربوں کیلئے "تاشی" (TASHi) کا لقب حاصل کیا، تو دوسری طرف سنہ عیسوی کی ابتداء میں جب سینٹ پاول کا دمشق سے گذر ہوا تو . . . . اسے وہاں ایک عرب بادشاہ

HEYD, HISTOIRE du COMMERCE du LEVANT, I, P. 25 - ۱

HEFFENING, DAR ISLAMISCHE FREMDENRECHT, SEC P. 101

رسالہ دبدبۂ آصفی حیدرآباد دکن (۱۳۲۳ھ) رجب شعبان "تجارت العرب قبل الاسلام" از حکیم شمس اللہ قادری۔ ارض القرآن مؤلفہ سید سلیمان ندوی اور عربی جہاز رانی مؤلفہ ایضاً کے متعلقہ ابواب بھی دیکھیے۔ نیز تمدن عرب مؤلفہ لیبان (لو بون: LE BON)

BRETSCHNEIDER, KNOWLEDGE POSSESSED BY THE ANCIENT CHINESE OF THE ARABS, P. 6-2

حارث[1] نامی سے سابقہ پڑا۔عربوں کی نوآبادیاں حلب جیسے شمالی مقام تک میں اپنے لئے طاقتیں قائم کرا چکی تھی[2]۔ جب بیزنطینی رومیوں کو عروج اور فروغ حاصل ہُوا تو ان سے اکثر حکومتیں مٹ کر ناپید ہو گئیں یا بیزنطینیوں کے ماتحت اور آلۂ کار بن گئیں۔ بیزنطینیوں اور ایرانیوں میں باہم نسل بہ نسل سے بیر تھا تو خانہ بدوش عرب ان دونوں کے مستقل اور موروثی دشمن تھے اور عراق اور شام کے مرغزاروں پر ہمیشہ حملے کرتے اور لوٹ مار مچایا کرتے تھے۔ان خانہ بدوشوں کی روک تھام کے لئے انھوں نے عربوں ہی سے کام لیا اور ان کی حاجز مملکتیں (BUFFER-STATES) عربی سرحد پر قائم کر دیں۔ ایرانیوں نے حیرہ (حال کوفہ) کی ایک عربی ریاست سے اپنی رعایا کی حفاظت کا سامان کیا تو بیزنطینیوں نے دمشق میں ایک ایسی ہی ریاست قائم کی۔ ایرانی اور بیزنطینی جنگوں میں حیرہ اور دمشق کے عرب اپنے حامیوں کا ساتھ دیتے اور ان کے جھنڈوں کے نیچے برادرکشی میں لوٹا فرو حصہ لیا کرتے تھے۔

دمشق میں ابتداءً قبیلۂ ضجعم برسر اقتدار تھا مگر جب یمن کے سد مارب کے ٹوٹنے سے ہزاروں اہل قبائل بے خانماں اور بے روزگار ہو کر ترک وطن پر مجبور ہو گئے تو قبیلۂ غسان بھی گھومتا گھامتا یمن سے شام آپہنچا۔ یہاں کے لہلہاتے مرغزار جن کو دیکھ کر "جنات تجری من تحتہا الانہار" کی تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے، انہیں اس قدر پسند آئے کہ وہاں رہنے بسنے کی اجازت کیلئے ہر قیمت کے دینے پر آمادہ ہو گئے۔ ضجعمی ریاست نے بیزنطینی سلطنت کی جانب سے ان پر فی کس سالانہ حسب حیثیت ایک، ڈیڑھ یا دو دینار مقرر کئے۔ غسانی کچھ دن تو یہ محصول برداشت کرتے رہے پھر اس سے انکار کر دیا اور مقابلے پر اُتر آئے، آخر ایک گھمسان کی لڑائی ہوئی جس میں قبیلہ ضجعم بالکل تباہ و برباد ہو گیا۔ رومی شہنشاہ دیقیوس[3] (DECIUS فوت ۲۵۱ء) نے اس صورت

[1] لفظ حارث بعد میں لقب بن گیا اور اس سے مراد بیزنطینی سلطنت کا باجگزار عرب حکمران ہونے لگا۔ دیکھئے -DESVERGERS L'ARABIE, P.88 NOTE

[2] انجیل -II COR. XI 32.

[3] -ENCYL. of ISLAM-S.V. SHAM نیز NOELDEKE, LA PERSE ANCIENNE. P.160 NOTE

[4] التنبیہ والاشراف مؤلفہ مسعودی صفحہ (۱۸۲)- x جیسا کہ آگے حوالے میں بیان کیا گیا ہے، یہ (باقی بر صفحہ آئندہ)

حال کو دیکھا تو راضی برضا ہو گیا اور غسانی سردار کو بلا بھیجا کہ تم بڑے بہادر معلوم ہوتے ہو کہ عربوں کے بہادر ترین اور تعداد میں بھی کثیر ترین قبیلے کو یوں آسانی سے نیست و نابود کر دیا۔ بہتر ہو کہ ہم آپس میں دوست رہیں۔ میں تمہیں ضجعیوں کی جگہ مقرر کرتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تم پر کوئی عرب قبیلہ حملہ آور ہو تو چالیس ہزار مسلح رومیوں سے تمہاری مدد کروں گا اور اگر ہم پر کوئی عرب قبیلہ حملہ آور ہو تو تم ہمیں بیس ہزار مسلح مقاتلوں (COMBATANTS) سے مدد دو، نیز ہمارے اور ایرانی تعلقات میں کبھی دخل نہ دو۔ غسانی سردار ثعلبہ نے اسے منظور کر لیا تو شہنشاہ دیقیوس نے اسے ایک تاج یلدی سے سرفراز کیا۔[1]

غسانیوں نے ہمیشہ عربی وفاداری کی لاج رکھی اور کڑے سے کڑے وقت میں بھی اپنے حامی رومیوں کا ساتھ نہیں چھوڑا بلکہ رفتہ رفتہ ان کے اثر سے خود عیسائی مذہب بھی اختیار کر لیا۔[2]

بیزنطینی اثرات رفتہ رفتہ پھیلتے ہی گئے اور شام سے گذر کر فلسطین اور پھر خود شمالی عرب تک حاوی ہو گئے۔ معان، آذرح، جرباء، آیلہ، مقنا، دومۃ الجندل وغیرہ مقامات کے علاوہ قبائل کلب تغلب، لخم، جذام، قین، بلی، بہراء، قضاعہ وغیرہ پر بھی یہی اثرات کارفرما تھے اور ان قبائل کو اکثر حالات جنگ میں ہم بیزنطینی جھنڈے کے نیچے جمع دیکھتے ہیں،[3] ان قبائل کو قیصر روم کی طرف سے سالانہ پندرہ سیر سونا بطور وظیفہ مقرر تھا[4] اور یہ رقمی امداد ان کو قابو میں رکھنے کا بڑا ذریعہ تھی جیسا کہ

(بقیہ صفحہ ...) یہ مؤرخ ابن حبیب کا بیان ہے اس کو بڑی تاریخی اہمیت حاصل ہے اور سد مارب کے ٹوٹنے کی تاریخ کو متعین کرنے میں مدد ملتی ہے۔ اب تک محققین کا خیال یہ تھا (دیکھئے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام تحت غسان و مارب) کہ یہ واقعات شہنشاہ آنسطاس کے زمانے میں ہوا جس کا ۵۱۸ء میں انتقال ہوا۔ مگر محمد بن حبیب کے مطابق سد مارب کا ٹوٹنا چھٹی صدی عیسوی میں نہیں بلکہ تیسری صدی عیسوی میں ہوا ہے۔

[1] یہ پورا بیان محمد بن حبیب کی کتاب المحبر سے لیا گیا ہے جس کا واحد مخطوطہ برٹش میوزیم میں ہے۔ دیکھئے صفحہ (۱۳۰) ومابعد۔ نیز دیکھئے میرا جرمن مضمون (ZDMG) جلد (۸۹) میں۔

[2] ENCYCl. of ISLAM S. V. GHASSAN [3] سیرۃ ابن ہشام طبع یورپ صفحہ ۹۹۲ حالات جنگ موتہ)

[4] DeGoeje, Memoire sur la Conquete de la Syrie, 2nd P. 29; NICEPHORE CPOLITANE, DE REBUS MAURITIUM GESTIS, P. 27

ہندوستان کی شمالی مغربی سرحد پر قیصر ہند کی حکومت اب بھی کرتی ہے۔

بیزنطینی سلطنت نے مصر اور اسکندریہ پر بھی تسلط جما لیا تھا۔ اور حبش یعنی ابی سینیا تک اس کے زیر نگیں آ چکا تھا۔ حبش نے آخر یمن (جنوبی عرب) پر قبضہ کر کے ایک اہم تجارتی راہ پر قابو پالیا۔ مصر اور حبش سے عربوں کے تجارتی تعلقات مستقل اور قدیم تھے جیسے کہ آیندہ مزید تفصیل سے واضح ہوگا۔

یہ بیان ہو چکا ہے کہ قبیلۂ قضاعہ قیصر روم کے زیر اثر تھا۔ ضجعم خانوادہ بھی اسی قبیلے سے تعلق رکھتا تھا، رسول کریمؐ کے پر دادا کے دادا قصی نے جو اسی قبیلہ قضاعہ سے تعلق رکھتے تھے، اپنے اہل قبیلہ اور حلیفوں کی مدد سے مغربی عرب کے سب اہم مرکز اور تجارتی راہوں کے ایک بڑے جنکشن یعنی شہر مکہ پر قبضہ کر لیا تھا[1]۔ مکے پر اس وقت جنوبی عرب کے ایک قبیلے (خزاعہ) کا تسلط تھا۔ اگر ابن قتیبہ کے بیان[2] پر اعتماد کیا جائے تو قصی کو خود قیصر روم نے مدد دی تھی جسکے ذریعے مکے پر قبضہ حاصل ہوا۔

قصی نے مکے میں ایک شہری مملکت (City State) قائم کی جس میں علاوہ اور ضروریات مملکت کے ایک دارالندوہ بھی (جس کا لفظی ترجمہ ہوگا ہاؤز آف پارلیمنٹ) تعمیر کیا گیا۔ اس میں شہر کے وہ سب مرد مشورے کے وقت جمع ہوتے تھے جن کی عمر کم از کم چالیس سال کی ہو۔ تو قصی کے بیٹے البتہ عمر کی اس قید سے مستثنیٰ تھے[3]۔ قصی کے بعد وہاں ایک طرح کی اعیانیت (امراء کی حکومت Aristocracy) قائم ہوگئی جس میں عہدے موروثی ہو گئے، مثلاً قومی معبد (کعبے) کی تولیت حج اور حاجیوں کا انتظام، سپہ سالاری، علمبرداری، سفارت وخطابت (یا ایک طرح وزارت خارجہ) عشر یعنی محصول درآمد کی وصولی، رفادہ یعنی حجاج کی خدمت وضیافت وغیرہ کے نام سے اہل شہر پر سالانہ ٹیکس اندازی، وغیرہ[4]۔ فلیقی اور اس سے زیادہ یونانی، شہری مملکتوں سے مکے کی یہ شہری مملکت

---

[1] ابن ہشام، طبری وغیرہ۔ [2] کتاب المعارف۔ طبع یورپ، صفحہ (۳۱۳)

[3] اخبار مکہ للازرقی صفحہ (۶۴، ۶۵، ۶۵م)

[4] التنبیہ والاشراف للمسعودی ص ۲۰۲ تا ۲۰۳۔ سیرت ابن ہشام ص ۸۰، ۸۳، ۸۵، ۲۱۰۔ طبقات ابن سعد ج ۱ حصہ ۱ ص ۳۹۔ العقد الفرید لابن عبد ربہ ج ۱ ص ۴۲، ج ۲ ص ۴۵، ۴۶۔ ازرقی ص ۶۳، ۶۹۔

غیر معمولی مشابہت رکھتی تھی۔ یہ تقابلی مطالعہ گو بہت دلچسپ ہے مگر ایک علاحدہ مضمون کا محتاج ہے۔
عبد مناف بن قصی کے چار بیٹے مشہور ہیں۔ شمس، ہاشم، نوفل اور المطلب۔ کہتے ہیں کہ ان میں سے پہلا نجاشی حبش سے ملا، دوسرا قیصر روم اور شاہ غسان سے، تیسرا کسریٰ ایران سے اور چوتھا حمیر یعنی یمن کے بادشاہ سے ملاقی ہوا اور اس بات کے پروانے[۱] حاصل کئے کہ وہ بے خدشہ، امن و حفاظت کے ساتھ ان کے ملکوں میں تجارت کے لئے آیا جایا کریں گے۔[۲] کہتے ہیں کہ قیصر روم نے نجاشی کے نام سفارشی خط دیا تھا۔ اسے دیکھ کر نجاشی نے ان لوگوں کو اپنے علاقے میں تجارت کے لئے آمد و رفت کا عام پروانہ عطا کیا۔[۳]

اب مکے والے ہر سال "رحلة الشتاء" اور "رحلة الصيف" کے نام سے سردیوں میں یمن اور گرمیوں میں شام و مصر وغیرہ علاقوں میں آنے جانے لگے تھے۔ مگر اس سے نہ سمجھنا چاہیئے کہ بیزنطینی حکومت آزاد تجارت کی حامی تھی۔ چونکہ شام پر بدوی قبائل کی غارتگریوں کا سلسلہ غیر منقطع چلا آرہا تھا، اسلئے بیزنطینی حکومت ہر صحرا نشین کو شبہ کی نظر سے دیکھنے میں شاید حق بجانب بھی تھی عرب کاروانوں کے لئے چند منڈیاں مقرر تھیں۔ ان کے علاوہ دیگر مقامات پر وہ آزادانہ نقل و حرکت نہیں کر سکتے تھے۔[۴] اسی طرح انھیں ہتیار، ادرسونا اور اسی قسم کی بعض چیزوں کے برآمد کرنے کی قطعی ممانعت تھی۔ اور سرحد پر ان کی بڑی سختی سے جانچ پڑتال کی جاتی تھی۔ ان کا اسباب کھولا جاتا تھا۔[۵] اور کوئی دقیقہ نگرانی کا فروگذاشت نہ کیا جاتا تھا۔ مزید برآں اُن سے متعدد ٹیکس وصول کئے جاتے تھے۔ عربوں کو مجبوری تھی۔ یمامہ،[۶] یمن اور دیگر اندرونی علاقوں کے غلّہ کی پیداوار ضروریات کے

---

[۱] یعقوبی ج ۱ ص ۲۸۰۔ نیز لسان العرب (ایلاف) نیز سورۂ ایلاف کی تفسیریں۔

[۲] تاریخ طبری سلسلہ اول ص ۱۰۸۹ - Lammens, La Mecque P. 128 etc.

[۳] ابن سعد ج ۱ حصہ ۱ ص ۴۳، ۴۴ - بعض مفسرین کی رائے ہے کہ "لایلاف قریش" میں اسی کی جانب اشارہ ہے اور ایلاف کے معنے بھی یہی ہیں یعنی امن نامے حاصل کرنا۔

[۴] LAMMENS La Mecque a La veille P. HEGIRE, P. 129-30 a APR GUTERBACK

[۵] LAMMENS La Mecque a La veille de L'HEGIRE, P. 129-30 a APR GUTERBACK

[۶] تاریخ طبری ص ۱۹۱۹۔

لئے ناکافی ہوتی تھی اور بہر طور عرب شام سے غلے اور دیگر مایحتاج کے خرید نے کے لئے ہر قسم کی پابندیاں اور شرطیں گوارا کرتے تھے۔ اسی سلسلے میں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مصر پر قبضہ کے بعد سے رومیوں نے بحر احمر میں سمندری حمل و نقل شروع کر دی تھی جس کے باعث بین الممالک کارواں کا معزز عرب سے گذر نا کم ہو گیا تھا۔ اور "وادی غیر ذی زرع" (مکہ) والے اس سبب سے زیادہ متاثر ہونے تھے۔ کوئی تعجب نہیں جو عبد مناف کے چاروں بیٹے انھیں حالات سے مجبور ہو کر باہر نکلے ہوں اور اپنے ہاں کی خام پیداوار (جس میں جانوروں کے پوست[1] سب سے اہم تھے) باہر کی منڈیوں میں نکالنے کی جانب متوجہ ہوئے ہوں۔

یمن میں بحران ایک زرخیز علاقہ ہے۔ اسلام کے تقریباً سو سال پہلے یہ خطہ بڑی حد تک مسیحی مذہب اختیار کر چکا تھا۔ یمن کے بادشاہ ذونواس نے جب یہودیت اختیار کی تو تبلیغی غلو کے باعث یا دیگر نامعلوم وجوہات کے تحت بحرانیوں کو عیسائیت کے ترک کرنے کا حکم دیا۔ اور اس کے نہ ماننے پر زندہ آگ میں جھونک کر بڑی بے رحمی سے قتل کیا۔[2] نیز حیرہ کے حاکم کو بھی دوستانہ ترغیب دلائی کہ اپنے ملک میں بھی عیسائیوں کا قتل عام کرے۔ چند بکیں کہتے ہیں[3] کہ کسی نہ کسی طرح قسطنطنیہ پہنچے اور قیصر سے فریاد کی۔ قیصر نے نجاشی حبش کو جو عیسائی بھی تھا اور قیصر کے زیر اثر بھی، مدد کی جانب توجہ دلائی۔ اور حمل و نقل کے لئے بہت سی کشتیاں بھی مہیا کیں۔[4] خود حبش میں سات سو کشتیاں تیار ہوئیں اور حبشی بندرگاہوں میں آئیں، ایرانی اور دیگر تاجروں کی، کئی سو کشتیاں بھی ضبط کر لی گئیں۔[5] ان میں حبشی فوج سوار ہو کر یمن پر حملہ آور ہوئی۔ معرکہ آرائیوں کے بعد ذونواس مارا گیا اور حبشیوں نے یمن پر پوری طرح تسلط حاصل کر کے آبنائے باب المندب کے اہم تجارتی راستے پر اپنا اثر قائم کر لیا اور رومیوں کو

---

[1] ابن ہشام وغیرہ میں قریش کی سفارت نجاشی کا ذکر دیکھئے۔ طائف کا چمڑا عربی میں ضرب المثل ہے۔

[2] کہتے ہیں کہ آیت "اصحاب الاخدود النار ذات الوقود" میں اسی کا ذکر ہے۔

[3] (بحوالہ مصادر سریانی وغیرہ) DESVERGERS, L'ARABIE P. 83, n. 1. -

[4] سیرۃ ابن ہشام ص ۲۲ - طبری ص ۹۲۷ - ابن سعد ۱ - اص ۵۵ تا ۶۵ - [5] طبری ص ۹۲۶ -

[6] DESVERGERS, L' ARABIE. P. 70, 1

کو ہندوستان پہنچنے اور ریشم وغیرہ خریدنے کے لئے ایرانی سرزمین سے گزرنے کی حاجت نہیں رہی۔ اب یمن کا تعلق اسکندریہ کے بطریق سے ہو گیا اور اس نے "گریجن تیوس" نامی ایک اطالوی پادری کو وہاں بھیجا جس نے ملک میں (۲۳) دفعات کا ایک قانون بھی مرتب کر کے بادشاہ کے نام سے شائع اور نافذ کیا۔ (اس کا ایک مخطوطہ اب بھی ویانا کے سرکاری کتب خانے میں محفوظ ہے)۔[1] یمن نے اگرچہ جلد مستقل اور خود مختار ہو کر حبش کی ماتحتی سے آزادی حاصل کر لی مگر بیزنطینی حکومت سے اس کے خاص مراسم رہے۔

سنہ ۵۷۰ء میں پیغمبر اسلام کی شہر مکہ میں ولادت ہوئی۔ اگرچہ آپ کی ذات کے باعث تاریخ عالم کے متعلق بہت سے سابقہ پیش اندازے بعد کو غلط ثابت ہو گئے لیکن آپ کے حالات زندگی کو آپ کی یتیمی کے باعث، نبوت سے پہلے بہت کم کسی نے یاد رکھنے کی کوشش کی ہو گی۔ اتنا سیرت کی کتابوں سے[3] ضرور پتہ چلتا ہے کہ بارہ سال کی عمر میں آپ اپنے چچا کے ساتھ ایک کاروان کی معیت میں بصریٰ تک گئے جو شمالی فلسطین میں ہے۔ پھر پچیس سال کی عمر میں خود بھی مال تجارت لیکر وہاں گئے۔ بعض حوالوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کم از کم دو مرتبہ یمن[4] اور ایک مرتبہ بحرین و عمان[5] بھی ضرور تشریف لے گئے تھے۔ اگر وہ خط[6] صحیح ہے جو اپنے مندرجات کے مطابق آنحضرت نے اپنے چچازاد بھائی کو ترک وطن کر کے حبش جاتے وقت بطور تعارف دیا تھا اور جس میں نجاشی سے نہایت واثقانہ اور بے تکلفانہ انداز میں ان تارکین وطن کی مہمان نوازی کی خواہش کی گئی تھی،

---

[1] ایضاً ص ۳، نوٹ ۴ ؛ [2] ایضاً ص ۱۰ ؛ [3] ان تمام مشہور واقعات کو ابن ہشام، طبری، ابن سعد وغیرہ میں ورنہ شبلی کی سیرت النبی میں دیکھا جا سکتا ہے۔ میں نے حوالے غیر ضروری سمجھ کر ترک کر دیتے ہیں ؛

[4] شبلی جلد اول حالات قبل از نبوت ؛ [5] مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۲۰۶۔

[6] تاریخ طبری ص ۱۵۶۹۔ صبح الاعشیٰ ج ۶ ص ۳۷۹۔ ابن القیم زاد المعاد ج ۳ ص ۶۰۔ اس خط کو مؤرخ سنہ ۶ھ کے اواخر سے متعلق کرتے ہیں جو صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ اس وقت ان مہاجرین کو حبش آئے ہوئے پندرہ سال ہو چکے تھے اور وہ اب مدینہ واپس جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ ایسے وقت خط کی یہ عبارت، "میں اپنے چچازاد بھائی جعفر کو چند مسلمانوں کے ہمراہ تیرے پاس بھیج رہا ہوں، جب وہ تیرے پاس آئے تو ان کی مہمان نوازی کر" برمحل نہیں ہو سکتی ؛

تو تعجب نہ کیا جانا چاہئے کہ آنحضرت صلعم نجاشی سے پہلے ہی سے تعارف رکھتے تھے۔ ممکن ہے کسی تجارتی سفر کے سلسلے میں آپ فلسطین سے خشکی کی راہ مصر اور وہاں سے حبش تشریف لے گئے ہوں۔ عمرو بن العاص وغیرہ متعدد مکی تاجروں کا بیان ہے کہ نجاشی سے ان کی شخصی ملاقاتیں بھی ہوتی تھیں۔ ممکن ہے آنحضرت صلعم سے بھی قبل نبوت ایسا کوئی واقعہ پیش آیا ہو اور آپ بحری راستے یمن ہوکر مکہ واپس ہوئے ہوں۔ احادیث میں آنحضرت کی زبان سے گفتگو میں بعض حبشی الفاظ کا مروی ہونا بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ مگر قدیم سیرت نگاروں کی خاموشی اس بارے میں کسی زیادہ اذعانی بیان کی اجازت نہیں دیتی۔

اوپر بیان ہوچکا ہے کہ بیزنطینی علاقے میں عرب تاجروں سے بڑی سختی کا سلوک ہوتا تھا۔ اور خاصکر چنگی کے افسر بڑی تکلیف دیتے تھے۔ کوئی تعجب نہیں جو اس کا آنحضرت صلعم کو خود ذاتی تجربہ رہا ہو۔ احادیث میں عشار اور ماکس (عشر اور مکس وصول کرنیوالے افسروں) کے متعلق جو بڑی سخت وعید آئی[2] ہے، اس سے بھی مراد غالباً یہ اور ایسے ہی لوگ ہونگے۔ گو آپ رومیوں کو بہر حال ایرانیوں پر ترجیح دیتے تھے۔ ("الم غلبت الروم فی ادنی الارض" کی آیت کی تفسیر ملاحظہ ہو)۔ لیکن آنحضرت کے جو جذبات ایرانیوں اور بیزنطینیوں کے متعلق تھے وہ ہجرت سے بھی پہلے واضح ہوچکے تھے۔ چنانچہ ابن ہشام[3] کی روایت ہے کہ ہجرت سے چار پانچ سال قبل، ہم وطنوں نے مصالحت اور یکسوئی کی ابو طالب کے توسط سے جب آخری کوشش کی تو آپ انھیں یہی فرماتے تھے کہ مجھے مدد دو تو قیصر و کسریٰ کی بستیوں کے تمہارے زیر نگین آنے میں کچھ دیر نہیں لگے گی۔ ہجرت کے بعد جب مدینہ منورہ کی شہری مملکت اپنے دامن کو پھیلانے لگی تو ان جذبات کے لئے کام کرنے کا موقع ملا۔ مدینے کے روز افزوں ضرورت رسد کو پورا کرنے کے لئے

---

[1] تاریخ طبری ص ۱۶۰۲، ابن ہشام ص ۷۱۶ و مابعد

[2] صحیح مسلم کتاب الحدود "رجم الغامدیہ": لقد تابت توبۃ لو تابہا صاحب مکس لغفرلہ۔ اس بارے میں بکثرت حدیثیں اسلامی فیتانس کی مشہور کتاب "کتاب الاموال" مولفہ ابو عبید (فوت ۲۲۴ھ) طبع مصر فقرہ ۱۶۲۴ تا ۱۷۰۳ میں بھی ملیں گی۔

[3] سیرت رسول اللہ ص ۲۷۸ سطر ۹ تا ۱۰

نبطی تاجر سرگرمی سے حصہ لیا کرتے تھے[۱]۔ جب دومۃ الجندل کے (جو حجاز سے شام اور عراق جانیکے راستوں کے پھٹنے کی جگہ واقع ہے[۲] اور خود بھی ایک بڑے میلے کا مقام رہا ہے[۳]) حاکم اکیدر نے جو قیصر روم کے زیر اثر تھا، ان کاروانوں کی راہ میں روڑے اٹکانے شروع کئے اور ان کو ستانے کا آغاز کیا تو ۵ھ[۴] میں رسول کریم صلعم نے اس علاقے کا رُخ کیا۔ گو ابن سعد[۵] (بحوالہ واقدیؒ) کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی آمد پر اکیدر بھاگ گیا اور شہر خالی کر گیا، لیکن ابن ہشام (بحوالہ ابن اسحاق) کی روایت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کہ اگرچہ راستے میں چند قبائل ملے جو اسلامی فوج سے ڈر کر منتشر ہو گئے لیکن رسول کریمؐ دومۃ الجندل نہیں پہنچے بلکہ اثنائے راہ ہی سے مدینہ واپس ہو گئے۔ رسُول کریمؐ کا اس مہم کو ادھوری چھوڑ کر عاجلاً مدینہ واپس ہونا غالباً اس وجہ سے ہو گا کہ آپؐ کو قریش، غطفان اور مدینے کے یہودی قبائل وغیرہ کی سازش کی اطلاع ملی ہوگی کہ آپؐ کے غیاب سے فائدہ اُٹھا کر مدینے پر حملہ بول دیں۔ چنانچہ آنحضرت کی مدینے میں واپسی کے چند ہی ہفتوں بعد خندق کی جنگ ہوئی جس میں مدینے کا بہت دنوں تک محاصرہ رہا۔

دومۃ الجندل کی اہمیت اور اس علاقے کی مؤثر نگرانی کے لئے ایک زیادہ مفصّل کاروائی کی ضرورت تھی۔ دومۃ الجندل کے اطراف کے اطراف میں خانہ بدوش قبائل بستے تھے۔ آنحضرت صلعم نے ان کو توڑ دینا چاہا۔ چنانچہ مذکورہ مہم کے ایک ہی سال بعد ۶ھ میں حضرت عبدالرحمان بن عوف کو ایک فوج دے کر روانہ کیا گیا کہ قبیلہ کلب کے سردار الاصبغ سے دوستی کی بنیاد ڈالیں۔ وہ مُسلمان ہو گیا، اور اپنی بیٹی حضرت عبدالرحمان کو بیاہ دی[۶]۔ اس طرح اکیدر کو حلیفوں سے بچھڑا دینے اور گھیر لینے

---

[۱] کتاب الموال لابی عبید فقرہ ۱۳۹۷۔ المواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۲۲۳۔ نبطیوں کا مسکن بھی اس میں معاون تھا کیونکہ وہ عرب کے شمال میں عراق سے فلسطین تک پھیلے ہوئے تھے۔

[۲] صبح الاعشیٰ ج ۴ ص ۲۹۲ — میکیس ہسٹری آف بائبل باب ۴ فصل ۲ فقرہ ۴ (بحوالہ شمس اللہ قادری، دبدبہ آصفی بابت شعبان ۱۳۲۳ھ) [۳] کتاب الازمنہ والامکنہ للمرزوقی ج ۲ ص ۱۶۱۔

[۴] التنبیہ للمسعودی ص ۲۴۸۔ [۵] طبقات ابن سعد ۲۔ ۱ ص ۴۴۔ ۶ ص ۹۹۸۔

[۶] سیرت ابن ہشام ص ۹۹۱ تا ۹۹۲۔ الاصابہ لابن حجر حالات الاصبغ۔

کی کارروائی شروع ہو گئی۔ لااصبغ کے علاوہ بعض دیگر کلبی سردار بھی اسلام لائے[1]۔ اس سے مسلمانوں نے اپنی جگہ مضبوط کی ہو گی۔ غرض جب ۹ھ میں تبوک کے پڑاؤ سے آنحضرت نے تین سواروں کا ایک دستہ حضرت خالد بن ولید کی سرکردگی میں دومۃ الجندل روانہ کیا تو اکیدر گرفتار ہو کر آنحضرت کے سامنے لایا گیا۔ اسلحہ اور قلعے کی ضبطی سے آنحضرت نے اس علاقے کو نہتا کر دیا اور اکیدر کے معاہدے اور دومۃ الجندل کی غیر مقبوضہ اراضی کی حوالگی پر یہ کشمکش اختتام کو پہنچی[2]۔ ابن سعد[3] نے لکھا ہے کہ اس معاہدے پر آنحضرت نے اپنے ناخن سے مہر لگائی (ختمہ بظفرہ)۔ یہ ایک بہت قدیم سامی طریقہ تھا۔ چنانچہ حال میں چند پرانی بابلی اصل دستاویز دستیاب ہوئی ہیں۔ ان کے آخر میں یہ ایک جملہ ہے، "اور بطور توثیق اس پر اپنے ناخن کا نشان کیا" اس کے بعد نیچے بجائے دستخط کے ایک ہلال کی وضع کی لکیر نظر آتی ہے[4]۔ جو ناخن کی مہر تھی۔

مگر اس اثنا میں قیصر روم اور مدینے کے تعلقات کی کشیدگی جنگ پر منتج ہو چکی تھی، چنانچہ ۶ھ کے اختتام پر جب اہل مکہ سے صلح ہو گئی اور اور بڑی یکسوئی ہو گئی تو آنحضرت نے متعدد ہمسایہ حکمرانوں کو تبلیغی خط بھیجے[5]۔ ان میں سے ایک "ہرقل عظیم الروم" کے نام تھا[6]۔ جب قیصر سے کوئی آنچ رہی تو آنحضرت نے قیصر کے باجگزار عرب رئیسوں اور صوبہ داروں سے براہ راست تخاطب فرمایا[7]۔ ان میں سے ایک سفیر، بصریٰ کے حاکم کے پاس گیا مگر اس کو موتہ کے مقام کے قریب، غالباً جاسوس سمجھ کر یا یہ خیال کرکے کہ وہ غداری کی

---

[1] الاصابہ لابن حجر نمبر ۱۵۰۳۔ رسالات نبویہ مولفہ عبدالمنعم خاں نمبر ۶۷۔ طبقات ابن سعد۔

[2] ۲۔ ص ۴۴، ۶۹۔ الاستیعاب لابن عبدالبر نمبر ۳۹۶۔ عقد الفرید ج ۱ ص ۳۴۳ تا ۳۵۔

[3] یہ معاہدہ کوئی بار کتابوں میں ملتا ہے۔ سب سے بہتر متن المواہب اللدنیۃ ج ۲ ص ۲۹۸ میں ہے، گو ابو عبیدہ، بلاذری ابن سعد، قدامہ بن جعفر وغیرہ نے بھی اس متن کو محفوظ کیا ہے۔ ج ۲۔ ص ۱۲۰۔

[4] OlUF KRUCKMANN, NEUE BABYLONISCHE RECHT-UNDVERWALTUNGSTEXTE -(TAFT 37, TAFEL 28)

[5] ابن ہشام، طبری وغیرہ۔ [6] خاص اس خط پر میرا تحقیقی مقالہ رسالہ "معارف" اعظم گڑھ بابت جون ۱۹۲۵ء میں چھپ چکا ہے۔

[7] مثلاً غسانی سرداروں، معان کے حاکم، دارین اور مجیوں کو خطوط لکھے گئے یا ان سے معاہدے ہوئے (دیکھئے میری فرانسیسی کتاب DOCUMENTS 11, 23-33)

سازش میں کام کر رہا ہے۔ قبیلہ غسان کے ایک سردار شرحبیل بن عمرو نے قتل کر دیا[۱]۔ سفیر کا قتل بین الملک رسم و رواج کی شرمناک خلاف ورزی تھی اس لئے آنحضرت صلعم نے ۸ھ میں ایک فوج روانہ کی جس میں زید بن حارثہ، جعفر طیار اور خالد بن ولید جیسے افسر شامل تھے۔ یہ لڑائی ایک مقامی حادثہ ہو کر رہ جاتی اگر قیصر اپنے ماتحت اور زیر حمایت قبیلہ غسان کی حفاظت کے لئے فوجیں نہ بھیجتا اور بہت سے عرب سرحدی قبائل کو بھی ہمراہ نہ کر لیتا[۲]۔ اس نئی صورت حال کے سامنے مسلمان فوج تیار نہ تھی مگر اس نے پیچھے ہٹنا گوارا نہ کیا اور گو وہ خالد بن ولید کی کوشش اور موقعہ شناسی سے زندہ سلامت واپس آگئی مگر بہت سے افسروں کو کھونے کے بعد[۳]۔

جب یہ فوج پسپا ہو کر واپس آئی تو آنحضرت نے فوراً حضرت عمرو بن العاص کو بھیجا کہ عرب کے شمال میں قبیلہ قضاعہ کو جس سے عمرو بن العاص کی رشتہ داری بھی تھی، بیزنطینیوں کو توڑ کر مسلمانوں کا حلیف بنا لیں[۴]۔ مگر بظاہر اس کوشش میں کامیابی نہیں ہوئی، اس پر بڑے سازو سامان سے، جس میں بحرین و عمان کی اطاعت کے باعث وہاں کی آمدنی سے بڑی مدد ملی[۵]۔ دوسرے سال (۹ھ میں) خود آنحضرت تیس ہزار کے لشکر جرار کے ساتھ روانہ ہوئے اور تبوک میں آخری پڑاؤ ڈالا۔ یہاں سے قیصر ہرقل کے نام ایک نامہ بھیجا[۶] کہ یا تو اسلام لائے یا جزیہ دے کے سیاسی ماتحتی قبول کرے ورنہ کم ازکم اس بات میں آڑے نہ آئے کہ اس کی رعایا ایسا کرے۔ اگر کچھ بھی منظور نہ ہو تو جنگ ہوگی۔ قیصر کا جواب جو یعقوبی[۷] نے محفوظ کیا ہے اور جس میں قیصر کے اسلام کا اعلان ہے، صریحاً فرضی معلوم ہوتا ہے کیونکہ بعد کے واقعات اس کی تائید نہیں کرتے علاوہ براں قیصر کا خط بیزنطینی اسلوب میں ہونا چاہیئے حالانکہ یہ جواب خالص عربی بلکہ بدوی انداز میں ہے۔ قیصر نے جو بھی جواب دیا ہو، بہرحال اسلامی فوجوں نے جرباء، اذرح، ایلہ، مقنا اور دومۃ الجندل کو مطیع کر لیا تو قیصر نے کوئی حرکت نہ کی۔　　(باقی آئندہ)

---

[۱] ابن سعد ۲/۱ ص ۹۲۔ [۲] ابن ہشام ص ۷۹۲۔

[۳] ایضاً ص ۷۹۱ و ما بعد۔ [۴] ابن ہشام ص ۹۸۴ تا ۸۵۔ طبری ص ۱۶۰۴۔

[۵] ابن سعد ۱-۲ ص ۲۸۔ [۶] متن خط کے لئے دیکھئے کتاب الاموال فقرہ ۵۵ نیز صبح الاعشیٰ ج ۶ ص ۳۷۷۔ [۷] ج ۲ ص ۸۴۔ منشات السلاطین مؤلفہ احمد فریدوں بک ج ۱ ص ۳۱۔

بُت پرستی ــــ بھگتی اپنے غیر معتدل رنگ میں

بقلم مولوی آفتاب الدین احمد صاحب

گذشتہ سے پیوستہ

یہودیت اس امر کی مثال ہے کہ، توحید کا درس دینے والے مذاہب بھی شرک میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ اس مذہب نے، کئی دفعہ مشرکوں کا طریق عبادت اختیار کیا۔ بنو اسمٰعیل عرب، جو کہ یہود کی ایک شاخ ہی تھے، رفتہ رفتہ بدترین قسم کی بت پرستی میں مبتلا ہو گئے۔ اور بعثت نبوی کے وقت، اسی میں مبتلا تھے۔ تاریخ کی ان شہادتوں سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ تمام مذاہب، تا بعد مذہب یعنی بحیثیت ایک ایسے نظام کے، جو معاشرتی زندگی کو ضبط میں رکھ سکے، ابتداءً توحید ہی کا درس دینے والے تھے اور تمام مشرکانہ رسوم ازمنہ بعید میں، داخل مذہب ہوئیں۔ چنانچہ قرآن مجید کا مطالعہ کرنے سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ توحید کا بیان کرتے وقت، وہ یہ نہیں کہتا کہ مشرک، جھوٹے خداؤں کی اس حد تک عبادت کرتے ہیں کہ حقیقی خدا سے کوئی رشتہ ہی باقی نہیں رہتا۔ اس کے برعکس، قرآن کا بیان یہ ظاہر کرتا ہے کہ مشرکوں میں بھی خدا کا تصور ضرور موجود رہتا ہے۔ اور مصیبت کے وقت، جب کوئی آسرا باقی نہیں رہتا، تو انسان اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو خالق ارض وسما ہے۔ قرآن مجید کو ان مشرکوں سے جو کچھ شکایت ہے وہ یہی ہے کہ یہ لوگ خدا کی عبادت میں غیروں کو بھی شریک کر لیتے ہیں۔

چنانچہ اسی لئے قرآن مجید اور دیگر مذاہب میں خدا فرماتا ہے کہ اگر ہم انسانوں کو شرک سے باز رہنے کا حکم دیتے ہیں تو اسلئے نہیں کہ اس میں ہمیں کوئی نقصان پہنچتا ہے۔ اگر ساری دنیا مشرک ہو جائے تو اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ شرک میں، خود انسان ہی کا نقصان مضمر ہے اس لئے انسان کو عبادت حقیقی کا علم حاصل کرنا چاہیئے، مناسب طریق عبادت روح کے لئے اسی قدر

ضروری ہے جس قدر خوراک صحیح جسم کے لئے۔ اور انسان محض اسی صورت میں اپنا مقصدِ حیات حاصل کر سکتا ہے۔

بقول توریت، خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ قرآن مجید نے اس پر یہ اضافہ کیا کہ انسان خلیفۃ اللہ علی الارض ہے، ساری کائنات اس کے سامنے سربسجود ہے اور وہ اپنے افعال کے لئے، صرف اللہ کے سامنے جوابدہ ہے، اور کائنات کے متعلق جو کچھ اس کے فرائض ہیں، وہ سب خدا کے حکم کے مطابق ہیں۔ اور وہ کائنات کی تحسین محض اس لئے کرتا ہے کہ خالق کائنات کا شکر ادا کر سکے۔ وہ ایک بڑی شخصیت، پر تعجب ہو سکتا ہے لیکن اس تعجب کا مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ انسان خدا کی حیرت انگیز طاقتوں کو تسلیم کرے اور اپنے امکانات پر غور کرے۔ وہ کسی انسان کی پیروی کر سکتا ہے، لیکن محض خدا کے ضابطہ کی پابندی کے لئے۔ تاکہ اس کا مقصدِ حیات حاصل ہو سکے، وہ مختلف اشیاء سے متاثر ہو سکتا ہے لیکن اس کا سر، صرف ایک خدا کے سامنے جھکنا چاہیئے۔ جس کے ہاتھ میں سب کی تقدیر ہے، یہی توحید کا راز ہے، اور انسان میں جذبۂ پرستش کا مقصد بھی یہی ہے۔

یہ بات مختلف طریقوں سے ثابت کی جا سکتی ہے، کہ انسانی قوتوں کی نشو و نما صرف موحدانہ عبادت ہی ہو سکتی ہے لیکن مؤثر ترین دلیل، حقائق ہیں۔[۲] یہ بات ناقابلِ تردید ہے کہ روحانی مجاہدہ کا سب سے بڑا انعام نبوت ہے جو ایک انسان کو مل سکتا ہے اور یہودی تاریخ میں ہم کو انبیاء کی طویل ترین فہرست ملتی ہے اور فکر کے میدان میں، ثقافتِ عالم میں ان کا حصہ بہت شاندار ہے۔ اگر درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے تو ہم بالیقین کہہ سکتے ہیں کہ یہودی عقیدۂ توحید کے اثمار اس قدر نمایاں ہیں کہ کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ ان کے بعد، اسلامی تاریخ، توحید کے اثمار کی دوسری شاندار مثال ہے۔ ایک ہزار سال تک مادی اور روحانی تہذیب میں مسلمانوں نے دنیا کی رہنمائی کی، اور روحانیت پر جس قدر سائنٹیفک لٹریچر اسلام کی بدولت پیدا ہوا، اس کی نظیر دنیا کے کسی مذہب میں نہیں مل سکتی، بلکہ دنیا کی تاریخ میں ناپید ہے۔ میں نے اسے سائنٹیفک اس لئے کہا ہے کہ وہ محض نظری نہیں ہے کیونکہ لکھنے والوں نے امکاناتِ عقلی سے بحث نہیں کی بلکہ اپنے تجارب

[۲] مذہبی روایات میں یہودی روایات سب سے زیادہ مستحکم ہیں اور یہ روایات موحدانہ عبادت پر مبنی ہیں۔

بیان کئے ہیں اور اپنے تجارب کو، مظاہر فطرت کی متوازی مثالوں سے مبرہن کیا ہے اور واضح ہو کہ یہ کامیابی موحدانہ عبادت کا نتیجہ ہے۔ بلا شبہ اسلام کے بعض بہترین اولیاء ایسے گذرے ہیں جن کی درسی تعلیم برائے نام تھی۔ اور اس بات سے، اس نظریہ کی تردید ہو جاتی ہے کہ، خدا کی معرفت کے لئے عقلی بنیاد کا ہونا ضروری ہے اگر ایسے اشخاص جنکی قوت متخیلہ نشو ونما یافتہ نہیں، خدا کی معرفت حاصل کر سکتے ہیں، محض اپنی روحانی جبلت کی بدولت، تو عقلی طور پر ترقی یافتہ لوگ، اپنی تجریدی قوت کی بدولت، اس مقصد کو اور بھی آسانی کے ساتھ حاصل کر سکتے ہیں۔

روحانی عالم سے، مادی عالم کی طرف آیئے، تو آج مشکل ہی سے کوئی شخص ایسا ملیگا جو مسیحی یورپ کی سائینٹیفک ترقیوں سے متاثر نہ ہو لیکن بہت کم لوگ ان عوامل کا تجزیہ کرنے کی زحمت گوارہ کرتے ہیں جن کی بدولت یہ حیرت انگیز امر وقوع پذیر ہو سکا۔

ہم بالیقین کہہ سکتے ہیں کہ اگر یورپ کی اقوام مسیحیت اختیار نہ کرتیں، اور بدستور عناصر کائنات کی عبادت میں مصروف رہتیں، تو وہ اُن عناصر کو، اپنے فائدہ کے لئے استعمال نہ کر سکتیں۔ جناب یسوع کے مذہب میں جس توحید کی تعلیم تھی اگرچہ یہ لوگ اسکی روح کو نہ سمجھ سکے، لیکن جب بت پرست یورپ نے، آنجناب کو اپنا روحانی پیشوا تسلیم کیا، تو بلا شبہ ان کی مذہبی حالت بہت بہتر ہو گئی۔ بہر حال مسیحیت اختیار کرنے کے بعد، وہ لوگ عناصر فطرت کی پرستش سے ضرور دستبردار ہو گئے۔ بیشک ان کے اندر یہ انقلاب پیدا کرنے کیلئے، کہ وہ دنیا کی ہر شئے کو اپنا خادم سمجھیں، دوسرے عوامل کی ضرورت تھی، تجسم کے عقیدہ کی وجہ سے، مادہ کے اندر کسی قدر الوہیت کا رنگ ضرور پیدا ہو گیا تھا، اسلئے کائنات کیطرف سائینٹیفک رُجحان کے پیدا ہونے میں کسی حد تک رکاوٹ ضرور پیدا ہو گئی تھی۔ یہ رکاوٹ اسلام نے دور کی چنانچہ جب اسلامی تعلیمات کا رنگ، اہل یورپ کے دماغوں پر چڑھ گیا، تو ان کے اندر مطالعۂ فطرت کا صحیح ذوق پیدا ہو گیا، اور مادہ پرستی کی لعنت سے کامل نجات مل گئی۔ اور اس حقیقت کو فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ ان علوم کی ابتدا، سب سے پہلے اندلس کے اسلامی مدارس میں ہوتی اور یورپ کے عیسائی R بن وقت ان علوم کی طرف متوجہ ہوئے جب، لوتھر کی اصلاح

اور تحریک احیاء العلوم کی بدولت، انہیں پوپ کی ذہنی غلامی سے نجات حاصل ہوئی۔ اور احیاء العلوم کی تحریک، در اصل، اقوام یورپ کے اندر اسلامی تہذیب کے نفوذ کا دوسرا نام تھی۔ جس حقیقت کی طرف ہنوز توجہ نہیں کی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ قرآن نے توحید کے علاوہ ایک اور تخیل بھی پیش کیا ہے، وہ یہ کہ تمام کائنات، انسان کی خادم ہے، اسلامی توحید کے مفہوم میں، کائنات پر تفوق آدم کا تخیل بھی شامل ہے، وہ صرف خدا کے سامنے سربسجود ہو سکتا ہے اور اسی سے استمداد کر سکتا ہے لیکن بقیہ کائنات سب اس کے تابع فرمان ہے۔ چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے "ہم نے زمین و آسمان میں جو کچھ ہے سب کو تمہارا خادم بنایا ہے"۔ یہ بنی آدم کے لئے فرمان حریت ہے جن مذہبی کتابوں نے توحید کی تعلیم دی ہے، قرآن مجید کے علاوہ، یہ فقرہ اور کسی کتاب میں نہیں مل سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے نہ صرف سائنس، کے دور کا آغاز کیا بلکہ، عناصر پرستی کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا اور عناصر پرستی تمام مشرکانہ مذاہب کا ایک جزو اعظم ہے۔

ہندوستان میں سائینٹیفک رُوح کا ایک نیا احساس پیدا ہو چلا ہے۔ لیکن یہ امر بہت افسوسناک ہے کہ تمام عالم میں ہندوستان ہی ایسا ملک ہے، جہاں مشرکانہ طریق عبادت کے ساتھ ساتھ عناصر پرستی بھی آج تک موجود ہے۔ ہندو لیڈروں کا یہ فرض ہے کہ وہ یہ سوچیں کہ کیا یہ دونوں باتیں دوش بدوش چل سکتی ہیں؟ یہ حقیقت بآسانی منکشف ہو سکتی ہے کہ ہندوؤں کے اندر سائینٹیفک رُوح کا نفوذ، مذہبی تحفظات کی عدم موجودگی کی وجہ سے، ان کو لا ادریت اور الحاد کی طرف مائل کر رہا ہے۔ در اصل بعض اوقات میں حیران ہوتا ہوں کہ کیا انسانی فطرت کے پرستارانہ پہلو کی مبالغہ آمیز شکل جسے بھگتی کہتے ہیں، اور جو در اصل ہندو دھرم کے مشرکانہ عقائد کی بنیاد ہے، اس عقلیت کی مبالغہ آمیز شکل سے بہتر نہیں ہے، جو موجودہ الحاد کی تہ میں پوشیدہ ہے؟ میری نظر میں اوّل الذکر کے اندر وہ جاذبیت ہے جو آخر الذکر میں موجود نہیں ہے، لیکن چونکہ صداقت جذبات کا پاس نہیں کرتی اسلئے یہ کہنا مناسب ہے کہ عقلیت اور بھگتی دونوں کا امتزاج ہمارے لئے زندگی کا مفید قانون بن سکتا ہے۔ زندگی افراط اور تفریط کے درمیانی راستہ کا نام ہے۔ ان میں سے کسی ایک پہلو کی طرف میلان، زندگی کو تباہ کر دیتا ہے۔ اگرچہ عبادت کی رُوح انسان کے لئے بہت مفید ہے لیکن اس کا غیر معقول طریق کار انسانی زندگی اور سوشل زندگی

دونوں کے لئے اسی قدر مضر ہے جس قدر اس جذبہ کا قطعی خاتمہ کر دینا۔ اور صرف عقل کی رہنمائی قبول کر لینا، کیونکہ اس کا نتیجہ بھی انسانی زندگی کے لئے اتنا ہی مضر ہے، اور اسکی مثال آپ کو یورپ کے موجودہ حالات میں بخوبی مل سکتی ہے، یہ امر نہایت افسوسناک ہوگا اگر ہندو قوم، سائینٹیفک رُوح کو قبول کرنے کے شوق میں، الحاد کی طرف مائل ہو جائے اور اس ملک کو رُوس کے سانچہ میں ڈھال دے۔ کیونکہ ہندو کا جذبۂ عبادت اس درجہ قیمتی ہے کہ اسے اس انقلاب کی بھینٹ نہیں چڑھایا جا سکتا۔ موجودہ نظام کی شوق سے اصلاح کی جائے، لیکن نہ اس حد تک کہ آپ جو کچھ بہتر ہے اسے بھی فنا کر دیں۔ اگر بھگتی کو صحیح طریق پر استعمال کیا جائے تو یہ چیز انسانیت کے لئے بہت مفید ہو سکتی ہے۔ لہذا ہندو کے اندر، بھگتی کے احساس کو بہر حال قائم رہنا چاہیئے۔ کیا ہندوستان کے نوکروڑ مسلمانوں پر اس معاملہ میں کوئی فرض عاید نہیں ہوتا؟

عمرانی قوانین اور الہام ربانی

{ رُوسو کا نظریہ }

بقلم مولوی غلام نبی صاحب مسلم - ایم - اے

"عدل کا حقیقی سرچشمہ خدا ہے، ہمیں یہ نعمت اسی کی جانب سے ملی ہے لیکن اگر ہم اس کو، ایسے بلند چشمہ سے بالواسطہ حاصل کر سکتے، تو پھر ہمیں نہ حکومت کی حاجت ہے اور نہ قانون کی" (روسو۔ معاہدۂ عمرانی)

جب ہم کسی خاص زمانہ کے تمدنی حالات پر تبصرہ کرتے ہیں تو اس وقت ہمیں رُوسو جیسے بلند پایہ مفکر کے اس قول کی طرف لازماً متوجہ ہونا پڑتا ہے۔ مشرق اور مغرب کے اکثر مفکرین کی طرح رُوسو کا بھی یہی خیال ہے کہ خدا، زمین و آسمان پیدا کرنے کے بعد کسی گوشہ میں چلا گیا، اور اس نے انسان کو تنہا چھوڑ دیا، کہ وہ اپنی زندگی کے مسائل کو، بطور خود حل کرے اور اس لئے بنی آدم ایک پریشانی کے عالم میں مبتلا نظر آتے ہیں - اس تخیل کی بنیاد کسی حقیقت پر ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ پر آیندہ غور کیا جائے گا، فی الحال ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ کیا انسانی عقل، اپنی ترقی کی منزل میں، ان پیچیدہ مسائل کا بطور خود کوئی حل پیش کر سکتی ہے؟

صدیوں سے تاریخ عالم میں، ایسے قابل اشخاص پیدا ہوتے رہے ہیں، جنھوں نے بڑے غور و فکر کے بعد، انسانوں کے عمرانی مسائل کے حل پیش کئے ہیں لیکن ان کی یہ کوششیں ہمیشہ رائیگان ثابت ہوئی ہیں، اور ان کے مطالعۂ مسائلِ انسانی کے نتائج نے معاملات کو بد سے بدتر بنا دیا ہے۔ عموماً یہ ہوتا ہے کہ ایک مفکر نے، یہ اعلان کیا کہ میں نے صداقت معلوم کر لی، سطحی نظر والے، اس کی تعریف میں زمین و آسمان ایک کر دیتے ہیں، کچھ عرصہ کے بعد دوسرا مفکر اسی مسئلہ پر غور و فکر کرتا ہے، چونکہ حالات بدلتے رہتے ہیں، اسلئے لامحالہ اسکا زاویہ نگاہ بھی بدل جاتا ہے، اور وہ اپنے پیشرو کے خیالات کی غیر معقولیت کو طشت از بام کرتا ہے فلسفہ

یونان کے زمانہ سے لیکر اس وقت تک یہی نقشہ نظر آرہا ہے۔

اگرچہ انسانیت کے ان ہی خواہوں کے خلوص میں کوئی شک نہیں لیکن ان کے مخلصانہ عادلانہ اور معقول نتائج کے باوجود، انہی کی بدولت تاریخ کے صفحات انسانی کشت وخون سے رنگین نظر آتے ہیں۔ زبردست اقوام کے کمزور اقوام پر وحشیانہ حملے، ایک ایک لڑائی میں ہزاروں انسانوں کا بیدردانہ قتل، آبادیوں کی تباہی، شہری افراد کا قتل عام، بلا امتیاز عمر وجنس، یہ سب ایسی باتیں ہیں جن کے بانی بھی یہی مفکرین ہیں اور اس مختصر مضمون میں، اس موضوع پر تفصیلی تبصرہ کی گنجائش نہیں ہے۔

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خدا، دنیاوی معاملات سے بے تعلق ہے، انہیں مورد الزام نہیں بنایا جاسکتا۔ یا تو انہیں قوانین آلہیہ کے مطالعہ کا موقع نہیں ملا، یا انہوں نے صرف ان چند قوانین کا مطالعہ کیا ہے جن کی شکل انسانی دستبرد کی وجہ سے مسخ ہو چکی ہے، اور مغربی فلاسفہ کا حال عموماً یہی ہے۔ جیسا کہ دوست اور دشمن دونوں کو اقرار ہے، مسیحیت، جو یورپ اور امریکہ کا غالب الہامی مذہب ہے، ابتداء ہی سے ایک مسخ شدہ صورت میں پایا جاتا ہے گذشتہ انیس صدیوں میں علاوہ اس تحریف کے، جو پولوس کے ہاتھوں ہوئی، کلیسا کے ارباب اقتدار نے، اس آسمانی مذہب کو، اپنی خواہشات کے سانچہ میں ڈھالنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ علاوہ ازیں مسیحیت اپنی اصلی شکل میں بھی، تمام دنیا کے لئے رہنمائی کی مدعی نہیں تھی۔ اور نہ تمام زمانوں کے لئے تھی۔ اس کی تعلیمات کا مقصد صرف یہ تھا کہ بنی اسرائیل کی تاریخ کے ایک خاص دور میں، وہ یہودیوں کے احیاء کی شرائط پوری کرسکے چنانچہ عہد جدید کے اس فقرہ سے ہمارے قول کی تائید ہوسکتی ہے:۔

"میں بنی اسرائیل کے گھرانے کی گم گشتہ بھیڑوں کے علاوہ اور کسی قوم کی اصلاح کے لئے نہیں آیا ہوں" (متی کی انجیل ۱۵: ۲۴)

پس یہ واضح ہے کہ مسیحیت اس لائق نہ تھی کہ یورپ کے ان متعدد مسائل کا حل پیش کرسکے جو اٹھارہویں صدی کے صنعتی انقلاب کی بدولت پیدا ہوئے اور نہ وہ اس زمانہ کے رہنماؤں کو تسلی دے سکتی تھی، جو مدت سے اس مقدس مذہب کا بے سود آسرا ڈھونڈ رہے تھے۔

پس ان رہنماؤں نے، آسمانی روشنی سے ناامید ہو کر، انسانی عقل کی روشنی کی طرف رُخ کیا لیکن اسکی بدولت بھی انہیں منزل مقصود نظر نہ آئی کیونکہ انسانی تاریخ نے، انسانی عقل کی کم مائگی کو متعدد مرتبہ آشکارا کر دیا تھا اس کی بدولت تو ابتدائی زمانہ کے انسانوں کی ادنی مشکلات بھی حل نہیں ہو سکی تھیں، تو موجودہ دور کے پیچیدہ مسائل میں، اس کی کیا چل سکتی ہے؟

وضع قانون کے میدان میں، انسانی عقل کی صلاحیتوں پر بحث کرنے سے پہلے ہم یورپ کے ارباب عقل کی کوششوں کا جایزہ لینا چاہتے ہیں، جنہوں نے شدید ذہنی کشمکش کے بعد مختلف اور متضاد، سیاسی عمرانی اور اقتصادی نظام مرتب کر دیئے ہیں، جن پر آج یورپ کے مختلف ممالک میں عمل ہو رہا ہے۔ سوشلزم۔ کمیونزم۔ سرمایہ داری۔ فاشزم۔ اور نازازم۔ اور ان کے علاوہ دیگر نظام، جو اس وقت موجود ہیں یا زیر نظر ہیں، یہ سب، اس دماغی انتشار کا ثبوت ہیں، جو اس وقت، یورپ کے اربابِ عقل کو لاحق ہے اور اسی لئے یہاں کے باشندے ایک عالت بیم ورجا میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اگرچہ سائنس کی ایجادات نے، انسانی زندگی کے بہت سے پہلوؤں کو بے نقاب کر دیا ہے تاہم، طمانیت اور یکسوئی کا دور دور پتہ نہیں ہے، گزشتہ برسوں میں، لوگوں کی سیاسی، اقتصادی اور عمرانی زندگی میں بہت کچھ تغیر رونما ہو گیا ہے لیکن مشکلات روز افزوں ہیں، اس طرح آیندہ نسلوں کا مستقبل تاریک ہی نظر آتا ہے۔ اور اندیشہ ہے کہ تہذیب مغرب کا یہ عالی شان قصر ایک دن منہدم ہو جائے گا۔

جس ترقی کی بنیاد انسانی عقل ہو، اسکی بے ثباتی، روز بروز آشکارا ہوتی جاتی ہے۔ اور یہ ثبوت ہم کو اس شدید اختلاف سے ملتا ہے جو، یورپ کے مختلف عمرانی نظامات کے بانیوں کی آراء میں پایا جاتا ہے۔ جن میں مدبرین فلسفی اور ارباب سیاست سبھی شامل ہیں۔ یورپ کے بڑے آدمی مثلاً کارل مارکس، فطشے، کانٹ، اور لینن اگرچہ حیرت انگیز دماغی قابلیت کے مالک تھے اور انھوں نے اپنی کاوش ذہنی سے زندگی کے حیرت انگیز فلسفے مدون کیئے، لیکن انکی تمام جدوجہد کا نتیجہ ہمیشہ انسانی مصائب میں اضافہ ہی نکلا۔ کیونکہ وہ مفادات میں تصادم کا دفیعہ نہ کر سکے تو کیا اس سے انسانی دماغ کی بیچارگی کا ثبوت نہیں ملتا؟

کیا ارتقائے عقل انسانی کی کسی منزل میں یہ ممکن ہے کہ، انسان، امن و ترقی کے لئے

ایک کامل نظام مدوّن کر سکے؟ اس کا جواب یقیناً نفی میں ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر فرد مختلف اور متضاد دماغی قابلیتوں کا مالک ہوتا ہے۔ اور اسکی فطری خواہش زیست کی بناپر، اسکے اندر، ہر وقت مختلف خواہشات پیدا ہوتی رہتی ہیں، اور وہ، اپنی ضروریات مہیا کرنے کی آرزو میں اپنے دماغ کو، جدّوجہد کا میدان بنائے رکھتا ہے۔ بعض اوقات ایک آرزو کی تکمیل کے لئے، اسی دوسری آرزوؤں کا خون کرنا پڑتا ہے اور مصائب سے بچنے کے لئے، اسے کسی نہ کسی ضابطہ کی پابندی بھی لازمی ہے۔ لیکن جیساکہ روزمرّہ زندگی میں ہمارا مشاہدہ ہے، ایک انسان، تمام دماغی، اخلاقی اور عمرانی حیثیات سے قطع نظر کرکے، اپنی کوششوں کے نتائج سے قبل از وقت، آگاہ نہیں ہوسکتا۔ چونکہ وہ مستقبل سے آگاہ نہیں، اس لئے وہ اپنی نجی زندگی کے لئے بھی کوئی تسلّی بخش پروگرام وضع نہیں کرسکتا۔ انسانیت میں، ہماری اجتماعی ہستی، ایک طریقہ سے ہماری انفرادی ہستی کا مجموعہ ہی ہے۔ اور اس کی ایک بہت ہی توسیع دادہ صورت ہی ہے۔ پس اگر، زندگی کے مسائل کو حل کرنے کی ہماری کوشش اس لائن پر چلتی ہے، تو اس وسیع میدان میں، جو اختلاف رونما ہوگا وہ بھی بہت زبردست ہوگا؛

(باقی آئندہ)

دُنیائے اسلام کی خدمت میں ایک ضروری عرضداشت

بقلم مولوی عبدالمجید صاحب

برادران و خواہران دینی۔ السلام علیکم

موجودہ جنگ نے، انسانیت کی جڑیں تک ہلا دی ہیں، مغربی دُنیا اب ماحول سے تنگ آگئی ہے جو، کلیسا نے اس کے لئے پیدا کیا تھا۔ اور اب اپنی بیماریوں کے ازالہ کے لئے، وہ کلیسا کے علاوہ دوسرے رہنماؤں کا منہ تک رہی ہے۔ کلیسا کی یہ حقیقت کہ وہ ان طاقتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی جو تسخیر فطرت سے پیدا ہوتی ہیں، روز بروز آشکارا ہوتی جاتی ہے۔ تجربہ ہمیں بتاتا ہے کہ صرف تنزیہی تصور الٰہ، ہی وہ طاقت ہے، جس کے وسیلہ سے ہم، وہ نظام حیات مرتب کر سکتے جو انسان کو ابتلاؤں اور خواہشات کا شکار بن جانے سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ فلسفہ کے متعدد نظریئے، اور محض تصوریت، یہ دونوں، انسان کو جذبات پر غالب آنے کا طریق نہ بتا سکے۔ بلکہ مادیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے سامنے، ان کی حقیقت ایک تنکے سے زیادہ نہیں ہے اور انسان اب تک، اپنے مقصود حیات کے حاصل کرنے میں ناکام رہا ہے۔ اس سلسلہ میں دیگر مذاہب کی ناکامی کی داستان ہر شخص کے ورد زبان ہے۔ آج اسلام کے علاوہ اور کوئی مذہب، تنزیہی تصور الٰہ کی پاکیزہ تعلیم نہیں دیتا۔ اسلامی نظام حیات، جسکی بنیاد خدا کے اس تنزیہی تصور پر ہے، دنیا کی آبادی کے ۱/۶ حصہ کی روحانی تسلی کا باعث ہے۔ زندگی کے دوسرے مذہبی نظام، چونکہ خدا کے ناقص تنزیہی تصور پر مبنی ہیں، اس لئے اُن سے وہ روحانی اقدار حاصل نہیں ہو سکتیں جن کی بدولت انسان اپنی زندگی کے مادہ پہلو پر غالب آ سکتا ہے۔

چونکہ ہمیں اس حقیقت کا احساس ہے کہ ہم اللہ تعالٰے کے اس پاکیزہ تصور کے حامی لو علمبردار ہیں۔ اسلئے اگر ہم اس نازک موقع پر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں، تو کیا ہم سچے مسلمان کہلا سکتے ہیں؟ کیا ہم اس امانت میں خیانت کے مرتکب نہ ہونگے، جو خدا تعالٰے نے اپنے نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت ہمیں سونپی ہے؟ نیز کیا ہم اس بات کو روا کہہ سکتے ہیں کہ جب امتحان کا وقت آئے تو ہم کونے میں روپوش ہو جائیں اور بفحوائے آیہ قرآنی، مجرم قرار پائیں؟

" اے لوگو! تم وہ ہو جن کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا جاتا ہے، لیکن تم میں وہ لوگ بھی ہیں، جو کنجوس ہیں اور جو شخص بخیل ہے وہ در اصل تو اپنی جان کے خلاف بُخل کرتا ہے، اللہ کافی بالذات ہے، اُسے تمہاری احتیاج نہیں، ہاں تم سب اس کے محتاج ہو، اور اگر تم روگردانی کرو گے، تو وہ تمہاری جگہ ایک اور قوم کو لا کھڑا کرے گا، اور وہ قوم تمہاری طرح (بزدل اور بخیل) نہ ہوگی (۴۷: ۳۸)

یہ آیات اس قدر واضح ہیں کہ ان پر کسی حاشیہ آرائی کی ضرورت نہیں ہے، خدا کا مقصد آپ کی اور میری وساطت کے بغیر بھی پورا ہو کر رہے گا۔ اسلام کا پیغام شائع ہوگا اور مقبول ہوگا کیونکہ یہ تو مشیت الٰہی ہے کہ اللہ کا پسندیدہ مذہب اسلام، سرسبز ہو اور جملہ ادیان پر غالب آئے، اور خدائے اسلام کی برتری کے متعلق حسب ذیل الفاظ میں وعدہ فرمایا ہے: (۹: ۳۳)

" اللہ وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اسے دیگر مذاہب پر غالب کرے، گو یہ بات مُشرکوں کو بُری ہی کیوں نہ لگے"۔

تو خدا کا مقصد بہر حال پورا ہو کر رہے گا۔ لیکن کیا یہ امر افسوسناک نہیں کہ ہم اور آپ اس کارِ خیر میں شریک نہ ہو سکیں؟ اور ہمارا شمار ان خوش نصیب افراد میں نہ ہو، جو اس وقت صورت حالات سے فائدہ اٹھائیں اور بفحوائے آیہ قرآنی" جو کچھ تم پر نازل ہوا ہے وہ تم دوسروں تک پہنچاؤ" (۵: ۶۷) تبلیغ اسلام کر کے، اپنے فرض منصبی سے سبکدوش ہوں؟ پس کیا ہم اس امتیاز کے لئے حتی الوسع کوشش نہ کریں گے کہ ہمارے ذریعہ سے مشیت الٰہی کی تکمیل ہو؟

دوسرے صفحہ پر ہم تین انگریز دوستوں کے خطوط شائع کر رہے ہیں ان میں سے ایک تو مسلمان ہو چکے ہیں، اور بقیہ اسلام سے بہت قریب ہیں۔ ان خطوط سے عقلمندوں کو بہت کچھ معلومات حاصل ہو سکتی ہیں یہ خطوط ہمیں ہمارے فرائض بھی یاد دلاتے ہیں اور ہماری ہمت بھی بندھاتے ہیں اور یہ خطوط ہر اس شخص کو چیلنج بھی دیتے ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے! اب سوال یہ ہے کہ ہم یہ چیلنج قبول کریں یا نہ؟ مسلمان کا جواب تو یقیناً اثبات ہی میں ہوگا۔ کیا اچھا

ہو اگر ہم اس وقت ان امکانات کامیابی پر غور کریں، جو قدرت نے اس وقت موجودہ جنگ کی بنا پر ہمارے لئے پیدا کر دیئے ہیں، ہم مغربی دنیا کے زخموں پر، قرآنی پیغام کی بدولت پھاہا رکھ سکتے ہیں۔

پس ہمیں اس وقت ہمت سے کام لینا چاہیئے اور خدا کے راستہ میں قربانی کرنیکے لئے تیار ہو جانا چاہیئے۔ سردست ہم یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ ہمارے دوست، حسب ذیل کتب غیر مسلموں میں مفت تقسیم کئے جانے کا انتظام فرمائیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ کتابیں گھر گھر پہنچ جائیں، انگلستان کے اخباروں میں روزانہ اُن عورتوں اور مردوں کے خطوط شائع ہوتے رہتے ہیں جو، موجودہ صورتِ حال سے بالکل دل برداشتہ ہو چکے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں، کہ ان لوگوں کو، یہ کتابیں آپ کی طرف سے بطور تحفہ روانہ کریں، یاد رکھئے کہ جو بیج، آپ آج بو رہے ہیں وہ کسی نہ کسی دن انشاءاللہ ضرور بار آور ہو گا۔

مجوزہ کتب کے اسماء حسب ذیل ہیں:۔

(۱) نبیٔ کامل۔ . . . . مؤلفہ خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم

(۲) جناب عیسیٰ کی حقیقی اور اصلی تعلیمات اور اسلامی تعلیمات میں مطابقت } بقلم لارڈ ہیڈلے مرحوم

(۳) پیغام اسلام مؤلفہ خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم

(۴) اسلام کیا ہے، مؤلفہ مسٹر حبیب اللہ لوگرو۔

(۵) اسلامک ریویو کا ایک سال کا چندہ (تاکہ اُسے مفت تقسیم کیا جا سکے)

ہم امید کرتے ہیں کہ آپ، فیاضانہ طور پر ہماری اپیل کا جواب دیں گے ؛؛

آپ کا مخلص

عبدالمجید۔ امام مسجد ووکنگ (انگلستان

مراسلات

سڈنی آسٹریلیا ۔ ۱۴ اپریل ۱۹۵۱ء ۔ جناب امام صاحب مسجد ووکنگ

میں یہ سطور اس غرض سے لکھ رہا ہوں کہ میں مسلمان ہونیکا آرزومند ہوں۔ میرے اعزہ کو اس تبدیلیٔ مذہب پر کوئی اعتراض نہیں ہے کیونکہ وہ اسلام کو ایک اچھا مذہب سمجھتے ہیں مجھے بچپن سے مطالعہ مذاہب کا شوق رہا ہے، اور اس سلسلہ میں مجھے اسلام میں ایسے حقائق نظر آئے جو دوسرے مذاہب میں موجود نہیں ہیں ۔ میں آپ کا بہت شکر گذار ہونگا، اگر آپ مجھے اسلام کے متعلق مزید لٹریچر روانہ کریں گے جس سے مجھے ارکان اسلام سے واقفیت ہو سکے ۔ آپکا مخلص :۔ ایم ہیمٹن

شانتی سادن لندن، ۱۲ جون ۱۹۵۱ء ڈیر امام صاحب مسجد ووکنگ

ارکان شانتی سادن کیطرف سے میں گزشتہ اتوار کی دعوت کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ہم میں سے اکثر کے لئے یہ ایک نادر موقع تھا، اور ہم آپ کی مہمان نوازی سے بیحد متاثر ہوئے۔ خدا آپکے مقاصد میں آپ کو کامیابی عطا فرمائے، تاکہ صداقت کا بول بالا ہو اور تمام نبی آدم اس سے مستفید ہوسکیں۔

آپ کا مخلص :۔ ایچ ۔ ھیلے ڈے ۔ (سکرٹری)

جنوبی ہاسپٹل، ڈارٹفورڈ (کینٹ) ۱۴ جون ۱۹۵۱ء ۔ جناب امام صاحب مسجد ووکنگ

آپ نے اس ہسپتال کے لئے، جو لٹریچر روانہ کیا ہے اسکے لئے میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں مجھے یقین ہے کہ زخمی سپاہی، ان دلچسپ کتابوں کا بہت شوق کیساتھ مطالعہ کریں گے ۔

آپ کا مخلص :۔ ایم ملر (لائبریرین)

لندن ۲۷ جون ۔ ڈیر امام صاحب

آپ نے مجھ سے درخواست کی ہے کہ میں اپنے قبول اسلام کی وجوہات قلمبند کر کے آپکی خدمت میں روانہ کروں ۔ میں مختصر طور پر عرض کرتی ہوں ۔

عرصہ ہوا، خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم نے مجھے "اسلام اور اسلامی نماز" کا ایک نسخہ "تحفۃً" دیا تھا چند صفحات پڑھنے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو بلا شبہ مجھے طمانیت قلبی عطا کرسکیگا ۔ اس کتاب میں دو باتوں سے میں خاص طور پر متاثر ہوئی :۔

(ا) اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ انسان فطرتاً بیگناہ ہے ۔ (ب) اسلامی نماز خودغرضی کی تعلیم نہیں دیتی ۔
عیسائیوں کو یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ سب انسان پیدائشی طور پر گناہگار ہوتے ہیں اور ہماری نجات کی صرف ایک یہی صورت ہے کہ ہم یسوع مسیح کے کفارہ پر ایمان لائیں اور اسی لئے ہم پہلے "اصطباغ" پاتے ہیں اور بعد ازاں "استحکام" حاصل کرتے ہیں، میں اُن عقاید و رسوم پر ایمان لانیکی بہت کوشش کی مگر ناکام رہی ۔ مجھے تو یہ سب اُمور محض طفلانہ معلوم ہوئے ، بلکہ ایک قسم کا نقاب جس کے پردہ میں انسان اپنے نفس کی پیروی کرنے کے باوجود، نجات پاسکتا ہے اور اپنے اعمال بد کے نتائج سے محفوظ رہ سکتا ہے ۔ اور یہ تو بلاشبہ بزدلوں کا طریقہ ہے جو مسیحیت سکھاتی ہے ۔
میں اس بات پر یقین نہیں کرسکتی تھی، کہ جن شیرخوار بچوں کو میں گھروں میں دیکھتی ہوں وہ سب گناہگار ہیں علاوہ بریں، بہت سے نام نہاد گناہ ، دراصل سوسائٹی کے قوانین کی خلاف ورزی ہیں نہ کہ خدا کے قوانین کی خلاف ورزی، جب میں نے اسلام کی یہ تعلیم دیکھی کہ کوئی چیز نہ بُری ہے نہ بھلی، بلکہ صحیح استعمال سے اچھی ہوجاتی ہے اور غلط استعمال سے بُری تو مجھے بہت طمانیت حاصل ہوئی
ثانیاً اگرچہ اسلامی طرز عبادت، شروع میں میری سمجھ میں نہ آئی (کیونکہ میں ان الفاظ کا مفہوم نہیں سمجھ سکتی تھی) لیکن جب میں نے ان کا مطالعہ شروع کیا، تو مجھے معلوم ہُوا، کہ عبادت سرتاپا، خدا کی حمد و ثنا ہے، اور مسلمان اپنی عبادت میں خدا کی حمد و ثنا کے علاوہ اور کوئی نغمہ سرائی نہیں کرتے ۔ اور میں یقین کرتی ہوں کہ مسلسل تلاوت سے اُن کے اندر، پاکیزہ زندگی بسر کرنے کی زبردست خواہش پیدا ہوجاتی ہوگی ۔ اب آپ خود موازنہ کرسکتے ہیں کہ اسلامی عبادت اور مسیحی عبادت میں کس قدر فرق ہے جبکہ مسیحی عبادت میں دن رات یہی رونا ہے کہ اے خدا ہمارے گناہوں کو معاف کردے اور ہماری ضروریات زندگی ہمیں عطا کر ۔
عیسائیوں کو سکھایا جاتا ہے کہ خدا ایک رحمدل باپ ہے جو ہمیشہ ہماری دعاؤں کو سنتا ہے اور اگر ہم بلند آواز سے دیر تک دعا کرتے رہیں تو وہ ہماری خواہشات کو پورا کردے گا، میں ہمیشہ اپنی ضروریات خدا کے سامنے پیش کرتی تھی اور مجھے تو صرف یہ تجربہ ہُوا کہ اگر میں اپنی زندگی کو خدا کے ہاتھ میں سونپ دیتی تو زیادہ خوش رہتی ۔ کیونکہ میری نگاہ تنگ تھی اور جن چیزوں کے لئے میں آج بہت شدت کے ساتھ دعا کرتی تھی وہی اشیاء دوسرے دن میرے لئے بے کیف ہوجاتی تھیں ۔
پس ان اُمور کی روشنی میں، مَیں نے اپنے متعلق صحیح فیصلہ کیا اور میں خوش ہوں کہ میں نے طفلانہ

مذہب سے نجات حاصل کر لی اور اب ایک ذی شعور انسان کی حیثیت سے صداقت کا مشاہدہ کر رہی ہوں۔ اور میں روز بروز اسلام کی پاکیزگی اور قرآن کی حکمت کی معترف ہوتی جاتی ہوں۔ واضح ہو کہ بائبل کا اکثر حصہ تو فضول باتوں سے لبریز ہے اور بہت سی باتیں اس میں ایسی بھی مندرج ہیں جن کو میں بالکل ناپسند کرتی ہوں۔

یہ ہے مختصر طور پر میرے قبول اسلام کی داستان مجھے یقین ہے کہ آپ اس تحریر سے اکتا نہ جائینگے۔ میں کوشش کرونگی کہ آیندہ جمعہ کو ۱۸-۱۰ ایکلسٹن سکوائر میں آ کر نماز با جماعت میں شرکت کی عزت حاصل کروں۔

آپکی مخلصہ (مسز) کلارا ولیمز

تفصیل آمدنی ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ عزیز منزل برانڈرتھ روڈ۔ لاہور۔ بابت ماہ دسمبر ۱۹۴۰ء

تاریخ	کوپن نمبر	اسمائے گرامی معطی صاحبان	پائی	آنہ	روپے	تاریخ	کوپن نمبر	اسمائے گرامی معطی صاحبان	پائی	آنہ	روپے
۴/۱۲	۱۷۲۳	جناب شیخ منہاج الدین صاحب مشن	۰	۰	۱۰	۲۶/۱۲	۱۹۳۵	جناب مسٹر آئی۔ جی۔ ایچ عارف	۰	۰	۵
۵/۱۲	۱۷۲۶	" علی احمد خاں صاحب دالٹمن	۰	۰	۵	"	۱۹۳۶	" وائی بی۔ نگینہ والا	۰	۰	۵
۶/۱۲	۱۷۲۷	" کرم الٰہی صاحب قریشی	۰	۰	۵	۲۶/۱۲	۱۹۵۱	" ایچ۔ ایچ۔ کی ملا داؤد	۰	۰	۵
۷/۱۲	۱۷۳۱	" میاں فخر الدین صاحب	۰	۰	۲۵	۲۶/۱۲	۱۹۶۵	" کے۔ ایس۔ محمد صادق	۰	۰	۵
۹/۱۲	۱۷۲۸	" ظرافت اللہ صاحب	۰	۰	۲۵	"	۱۹۶۶	" میجر ایس۔ ایم خورشید صاحب	۰	۰	۵
"	۱۷۳۹	" جناب عبد الحق صاحب	۰	۰	۵	"	۱۹۶۷	" کیپٹن۔ ایم۔ اے۔ غفار	۰	۰	۵
۱۱/۱۲	۱۷۶۵	" خانصاحب ڈاکٹر ایم قاسم صاحب	۰	۰	۴	"	۱۹۶۸	" کیو۔ زیڈ حسین	۰	۰	۵
۱۳/۱۲	۱۸۸۳	" خانبہادر عبد الرحمن خانصاحب	۰	۰	۱۰	"	۱۹۶۹	" توقیر الدین صاحب	۰	۰	۵
۱۸/۱۲	۱۸۶۷	" پی۔ احمد اینڈ سنز	۰	۰	۵۰	"	۱۹۷۰	" کے۔ ایس فضل حق صاحب	۰	۰	۵
"	۱۸۷۹	" خان بہادر میر علی رضا صاحب	۰	۰	۵		۱۹۷۱	" محمد موسےٰ صاحب	۰	۰	۵
۲۰/۱۲	۱۹۰۳	" قاضی منہاج الدین صاحب	۰	۰	۲۴		۱۹۷۲	" پی۔ کے سلطان صاحب	۰	۰	۵
"	۱۹۰۴	" زین العابدین صاحب	۰	۰	۲		۱۹۷۳	" محمد حمید اللہ صاحب	۰	۰	۵
"	۱۹۰۵	" رسالدار میجر نذیر علی صاحب	۰	۸	۱		۱۹۷۴	" کے بی۔ میاں عبد العزیز صاحب	۰	۰	۵
"	۱۹۰۹	" خانصاحب ڈاکٹر سلیمان خانصاحب	۰	۰	۵						
۲۳/۱۲	۱۹۲۳	" کے بی۔ شیخ مسعود الزمان صاحب	۰	۰	۵						
"	۱۹۲۴	" اے۔ ایم۔ سیال	۰	۰	۵			فروخت رسالہ اسلامک ریویو	۰	۴	۶۹۵
۲۶/۱۲	۱۹۳۱	" لفٹنٹ کرنل بی عبد الغفار صاحب	۰	۰	۲			" اشاعت اسلام	۰	۱۳	۷۷
"	۱۹۳۲	" محمد اکبر حسین صاحب	۰	۰	۵			" ووکنگ گزٹ	۰	۱۲	۱۰
"	۱۹۳۲	" عبد المغنی خانصاحب	۰	۰	۵			" کتب	۰	۵	۳۵۳
"	۱۹۳۳	" عبد الکریم صاحب	۰	۰	۵			میزان کل			۱۴۱۰—۹—۰
"	۱۹۳۴	" ایس میاں جواد علی صاحب	۰	۰	۵						

تفصیل اخراجات دی ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ عزیز منزل برانڈرتھ روڈ۔ لاہور

بابت ماہ دسمبر ۱۹۴۰ء

تاریخ	بل نمبر	تفصیل اخراجات	پائی	آنہ	روپے
۲۴/۱۲	۷۱	تنخواہ عملہ بابت ماہ نومبر ۱۹۴۰ء	۴	۱	۲۶۰
	۷۲	امپرسٹ بل بہ تفصیل ذیل۔			
		محصول ڈاک نمبر ۱۵۵ تا ۲۱۶۷۳ — ۱۰ — ۱۹۷			
		خرید کتب برائے فروخت ۰ — ۱۱ — ۲۱			
		کاغذ برائے ریپر و لفافے مونوٹ وغیرہ ۰ — ۱۲ — ۲۷			
		سٹیشنری ۶ — ۱۱ — ۱۲			
		کاغذ اشاعت اسلام ۰ — ۰ — ۹			
		تار ۰ — ۱۲ — ۰			
		کاغذ گزٹ ۰ — ۱۱ — ۴			
		بجلی کا بل ۰ — ۵ — ۱			
		متفرق ۳ — ۷ — ۸			
		۲۹۵ — ۱ — ۰	۰	۱	۲۹۵
	۷۳	طباعت اسلامک ریویو از جنوری تا مئی ۱۹۴۰ء	۰	۰	۵۰۰
	۷۴	طباعت پمفلٹس	۰	۴	۶۵
	۷۵	طباعت رسالہ اشاعت اسلام اکتوبر ۱۹۴۰ء	۰	۱۳	۲۷
	۷۶	طباعت چٹس اسلامک ریویو ٹریکٹ و سرکلر ریپر وغیرہ	۰	۶	۵۶
	۷۷	علی الحساب بل نمبر ۱۵۱۷۶ بابت کاغذ	۰	۰	۵۰
	۷۸	طباعت اشاعت اسلام فروری تا مارچ ۱۹۴۰ء	۰	۰	۲۹
	۷۹	بلاک بنوائی برائے فوٹو اسلامک ریویو	۰	۹	۲۳

تاریخ	بل نمبر	تفصیل اخراجات	پائی	آنہ	روپے
	۸۰	پیشگی سفیر مشن برائے اخراجات سفر	۰	۰	۱۰۰
	۸۱	خرید کتب برائے فروخت	۰	۰	۵۸
	۸۲	ترجمہ کرائی برائے اشاعت اسلام	۰	۰	۳۱
	۸۳	اخراجات سفیر مشن	۳	۹	۱۱۳
	۸۴	کمیشن بل ایجنٹ مشن	۹	۸	۳۱
	۸۵	اخراجات در مسجد ووکنگ	۷	۳	۱۳۵۷
	۸۶	" " "	۷	۱۲	۱۵۶۱
		" " "	۴	۸	۳۰۰
		میزان کل	۹	۱۲	۴۸۶۰

رسالہ کی خریداری بڑھانا
ہر خریدار کا فرض اولین
ہے

خط و کتابت کرتے وقت
چٹ نمبر کا حوالہ
ضرور دیں

مسجد ووکنگ میں آجاتے ہیں۔ نماز و خطبۂ عیدین کے بعد تمام احباب کو مشن کی طرف سے ہندوستانی طرز کی دعوت دی جاتی ہے (۷) رسالتمآب حضرت نبی کریم صلعم کے یوم ولادت کو بڑے تزک و احتشام سے منایا جاتا ہے۔ جس میں حضرت نبی کریم صلعم کی زندگی کے حالات پیش کئے جاتے ہیں (۸) دور دراز ممالک کے غیر مسلمین کو خط و کتابت کے ذریعہ تبلیغ کی جاتی ہے۔ انہیں اسلامی لٹریچر مفت بھیجا جاتا ہے۔ (۹) مسجد ووکنگ میں جو غیر مسلم و نومسلم زائرین آتے ہیں۔ ان کو اسلام کے متعلق صحیح معلومات بہم پہنچائی جاتی ہیں۔ (۱۰) ووکنگ مشن کے زیر اہتمام نومسلمین کی ایک جماعت لنڈن میں "برطانیہ عظمےٰ کی مسلم سوسائیٹی" کے نام سے اشاعت اسلام کی تحریک میں کوشاں رہتی ہے۔

(۵) **مشن کے آرگن** ۔ اس مشن کے فقط دو ہی ماہواری رسالے ہیں (۱) رسالہ اسلامک ریویو انگریزی۔ (۲) اس کا اردو ترجمہ رسالہ اشاعت اسلام لاہور۔ ان دو رسالوں کی کل کی کل آمد مشن ووکنگ انگلستان پر صرف ہوتی ہے جس قدر مسلم پبلک ان رسالوں کی خریداری بڑھائے گی۔ اسی قدر مشن کی مالی تقویت ہوگی۔ ان دو رسالوں کے سوا مشن ووکنگ کا کسی اور رسالہ یا اخبار سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔

(۶) **مشن کے تاثرات** ۔ (۱) مشن کی اکیس سالہ تبلیغی تگ و دو سے اس وقت تک ہزاروں کی تعداد میں یورپین و امریکن اخوان و خواتین اسلام قبول کر چکے ہیں۔ جن میں بڑے بڑے لارڈز۔ رؤساء۔ فضلاء۔ علماء۔ فلاسفر۔ پروفیسر۔ مصنف۔ ڈاکٹر۔ ماہرین علم طبعیات تاجر۔ مغربی متشرقین و فوجی شہرت کے نومسلمین ہیں۔ یہ نومسلمین نمازیں پڑھتے۔ روزے رکھتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ بعض تو تہجد تک کو خاص سوز و گداز سے پڑھتے ہیں۔ قرآن کریم کا بامعنی روزانہ مطالعہ کرتے ہیں۔ چند ایک فریضہ حج بھی ادا کر چکے ہیں۔ اُن میں سے اکثر تبلیغ اسلام کی جد و جہد میں عملاً حصہ لے رہے ہیں۔ (۲) ان اکیس سالوں میں لاکھوں کی تعداد میں اسلامی کتب۔ رسائل۔ پمفلٹ۔ ٹریکٹ مختلف مسیحی ممالک میں مفت تقسیم کئے جا چکے ہیں۔ جن کا نہایت ہی اچھا اثر ہوا ہے۔ اس مفت اشاعت سے یورپین حلقہ میں عیسائیت سے تنفر پیدا ہو چکا ہے۔ وہ لوگ عیسائیت سے بالکل بیزار ہو چکے ہیں۔ ان کا زیادہ تر رجحان طبع اب اسلام کی طرف ہو رہا ہے۔ کل کے کل مغرب و امریکہ میں اس وقت اسلامی تعلیم کی تشنگی روز بروز بڑھ رہی ہے۔ اس وقت مغربی دنیا کے مذہبی خیالات میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو چکا ہے۔ یورپ و امریکہ میں اب دشمنانِ اسلام۔ اسلام پر حملہ کرنے کی جرات نہیں کرتے۔ اس مشن کی اکتیس سالہ تبلیغی تگ و تاز نے اسلام کے متعلق مغربی ممالک میں ایک روادارانہ فضا پیدا کر دی ہے۔ کثرت سے لوگ مغربی لائبریریوں میں ووکنگ کی مرسلہ اسلامی کتب و رسالہ اسلامک ریویو کا مطالعہ کرتے ہیں۔ مسجد ووکنگ میں ان غیر مسلمین کے خطوط کا رات دن تانتا بندھا رہتا ہے۔ غیر مسلم طبقہ میں سے اکثر احباب اسلامی لٹریچر کے مطالعہ کرنے کے بعد مختلف قسم کے استفسار کرتے ہیں۔ اور آخر کار اپنے شکوک و شبہات کو رفع کرنے کے بعد۔ اعلان اسلام کا فارم پُر کرکے شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان میں بمعہ اپنے فوٹو کے روانہ کر دیتے ہیں۔ ان کا اعلانِ اسلام بمعہ انکے فوٹو کے مشن کے آرگن میں شائع کر دیا جاتا ہے۔

(۷) **انگلستان میں اشاعتِ اسلام مسلمانوں کی سیاسی اُلجھنوں کا بہترین سُلجھاؤ ہے** قرآن کریم نے فلاح کے اصول کا ایک راستہ اشاعتِ اسلام تجویز کیا ہے۔ اشاعت کی غرض۔ غیروں کو اپنے میں شامل کرنا ہوتا ہے۔ یعنی انہیں اپنا ہمخیال اور ہم مذہب بنانا ہوتا ہے۔ اگر کسی قوم کی شماری طاقت۔ اس قوم کی سیاسی قوت کو بڑھا سکتی ہے۔ تو اس کے اصول کے لئے اشاعت ہی ایک بہترین طریق ہے۔ مغربی اقوام نے اس راز کو سمجھا۔ انہوں نے اسلام کی اتباع میں فوراً مشن قائم کئے۔ پھر اس وقت ہندوؤں نے پہلے شدھی کا راگ گایا۔ لیکن آج اچھوتوں کو اپنے میں ملانے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس ساری سرگرمی کی تہ میں وہی شماری طاقت مضمر ہے۔ ان حالات میں کیا ہمارا فرض نہیں کہ ہم اشاعتِ اسلام میں کوشاں ہوں۔ اور جب کہ گذشتہ پچیس تیس سالوں میں ہم ہر ایک دوسری کوشش اور مختلف قومی تحریکوں میں جو ہم نے اپنے سلجھاؤ کے لئے کیں۔ بالکل ناکام ہوئے ہیں۔ تو کیا ہمارا فرض نہیں ہے کہ مغرب میں اشاعت اسلام کو بھی ہم بطور تجربہ اختیار کریں۔ اگر بالفرض ہم آئندہ دس سال میں انگلستان میں بیٹھ کر حکمران قوم کے دس ہزار نفوس کو اپنے اندر شامل کرلیں۔ تو جس قدر ہماری سیاسی قوت بڑھ سکتی ہے۔ اس کا اندازہ صرف تصور ہی کر سکتا ہے۔ آج اگر انگلستان کے لوگوں کا ایک کثیر حصہ اسلام قبول کرلے۔ جن میں ہوس آف لارڈز و ہوس آف کامنز کے ممبر بھی ہوں۔ تو مسلمانوں کو اپنے حقوق کے لئے کسی سیاسی جد و جہد کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ اس صورت میں ہم کو ضرورت نہیں کہ ہم مسلم مدبرانِ سیاست کے وفود کو انگلستان بھیجکر انگریزی قوم کو اپنے ہم آزار کریں یا اپنے حقوق کی طرف توجہ دلائیں۔ وہ اسلام سے مشرف ہو کر مسلمانوں کے لئے اسلامی درد و احساس سے خود بخود وہی کہیں گے اور کریں گے۔ جو ہم چاہتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہماری موجودہ سیاسی الجھنوں کا بہترین سلجھاؤ۔ انگلستان میں فریضۂ اشاعت اسلام کو ادا کرنا ہے۔ یوں تو مغرب کے اور ممالک بھی محض سیاسی ہم آہنگی پیدا کرنے کیلئے اشاعت اسلام کے دائرے میں آنے چاہئیں۔ لیکن انگریزی قوم میں **اشاعت اسلام** ہمارا اوّلیں نصب العین ہونا چاہئیے۔

(۸) **ووکنگ مسلم مشن ایک عالمگیر اسلامی تحریک ہے** دنیا بھر میں فقط ایک ہی اسلامی تحریک ہے۔ جس سے کُل مسلمانانِ عالم کو دلی محبت و ہمدردی ہے۔ کیونکہ یہ تحریک قیاسی و وہمی حالات سے نکل کر۔ اب ایک حقیقت ہو چکی ہے۔ یہ مشن اس وقت تک ٹھوس اسلامی خدمات سرانجام دے چکا ہے۔ اس تحریک کے ذریعہ شاندار نتائج نکل چکے ہیں۔ دنیا بھر کی اسلامی تحریکوں میں اگر کوئی تحریک گذشتہ تیس سالوں میں سرسبز و کامیاب ہوئی ہے۔ تو وہ یہی ووکنگ مشن کی اسلامی تحریک ہے۔ اس تحریک کے جاذبِ عالمِ اسلام ہونے کی وجہ صرف فرقی امتیازات سے اسکی بالاتری و آزادی ہے۔ یہ مشن جمیع مسلمانانِ عالم کا واحد مشن ہے اسکو کسی فرقۂ اسلام یا جماعت یا انجمن سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ اس کے ذریعہ سے یورپ و امریکہ میں فقط توحید و رسالت کی تبلیغ ہوتی ہے۔ اور اس غیر فرقہ وارانہ تبلیغی مسلک کی وجہ سے دنیا بھر کے مختلف مقامات کے مسلمان مسلسل اس کی مالی امداد کرکے یورپ میں اسے چلا رہے ہیں اس اسلامی مشن کو عالمگیر مقبولیت حاصل ہے۔ ہندوستان کے علاوہ جاپان۔ چین۔ فلپائین۔ آسٹریلیا۔ سماٹرا۔ جاوا۔ بدیو۔ سنگاپور۔ سیلون۔ افریقہ۔ بلاد اسلامیہ۔ شمالی و مغربی امریکہ کے مسلم بھائی اس تحریک کی امداد کرتے رہتے ہیں۔

(۹) ووکنگ مسلم مشن انگلستان کی ذیل کے طریقوں سے امداد ہو سکتی ہے (۱) بحیثیت عطیہ کی صورت میں کچھ امداد دیں۔ (۲) اپنی ماہوار آمد میں سے کچھ حصہ مقرر کر دیں جو ماہ بماہ مشن کو پہنچتا رہے۔ (۳) ششماہی یا سالانہ رقم اس کارِ خیر کے لئے ارسال کریں (۴) رسالہ اسلامک ریویو کی خود بھی خریداری کریں اور انگریزی دان احباب کو بھی تحریک خریداری فرمائیں۔ سالانہ چندہ [illegible] ہے۔ (۵) یورپ۔ امریکہ اور دیگر انگریزی دان مسیحی ممالک کی پبلک لائبریریوں میں مسلم بھائی اپنی طرف سے بطور صدقہ جاریہ۔ تبلیغ اسلام کی خاطر متعدد کاپیاں رسالہ اسلامک ریویو کی مفت جاری کرائیں۔ اس رسالہ کے ذریعہ ان کی طرف سے اسلام کا پیام غیر مسلموں تک پہنچتا رہے گا۔ اس صورت میں سالانہ چندہ پانچ روپے ہے (۶) رسالہ اشاعت اسلام اردو ترجمہ رسالہ اسلامک ریویو کی خریداری فرمائیں۔ اس کا حلقۂ اثر وسیع فرمائیں۔ اس کا سالانہ چندہ [illegible] ہے اور ممالک غیر کیلئے [illegible] ہے۔ (۷) ووکنگ مسلم مشن سے جس قدر اسلامی لٹریچر انگریزی میں شائع ہوتا ہے۔ جو کتابوں۔ ٹریکٹوں اور رسائل کی صورت میں ہوتا ہے۔ اسے خود خریدیں۔ یورپ و امریکہ کے غیر مسلمین میں اسے مفت تقسیم کرا کر داخل حسنات ہوں۔ تاکہ اسلام کا دلفریب پیام اس لٹریچر کے ذریعہ اُن تک پہنچتا رہے۔ اس مقصد کے لئے دفتر مشن ووکنگ میں مسیحی غیر مسلموں اور غیر مسلم مسیحی لائبریریوں کے ہزاروں پتے موجود ہیں۔ جن کو آپ کی طرف سے مفت لٹریچر بھیجا جا سکتا ہے۔ اور اس کی ترسیل کی رسید۔ ڈاکخانہ کے تصدیقی سرٹیفکیٹ کے ذریعہ آپ تک پہنچا دی جاویگی۔ (۸) شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان میں ہر سال بڑے تزک و احتشام سے عیدین کے تہوار منائے جاتے ہیں۔ جن میں بارہ صد کے لگ بھگ نفوس کا مجمع ہو جاتا ہے نماز و خطبہ کے بعد کل مجمع کو مشن کی طرف سے دعوت دی جاتی ہے۔ جس پر مشن کو ڈیڑھ صد پونڈ (قریباً اٹھارہ صد روپیہ) کا ہر سال خرچ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ مسلم احباب اس مد میں امداد فرمائیں۔ (۹) ہر سال مسجد ووکنگ کے زیرِ اہتمام جلسہ میلاد النبی صلعم ہوتا ہے۔ اس پر بھی زر کثیر صرف ہوتا ہے جس میں کوئی نہ کوئی نومسلم حضرت نبی کریم صلعم کے اخلاق فاضلہ یا سوانح حیات پر بصیرت افروز تقریر کر کے غیر مسلمین یورپین احباب کو اُس شخصیتِ کامل سے روشناس کرتا ہے۔ اس سعید تقریب پر بھی مشن کو خرچ کرنا پڑتا ہے۔ (۱۰) اپنی زکوٰۃ کا ایک کثیر حصہ مشن کو دیں۔ قرآن کریم کی رُو سے اشاعتِ اسلام کا کام۔ زکوٰۃ کا بہترین مصرف ہے۔ (۱۱) فطرانہ عید میں اس کارِ خیر کو نہ بھولیں۔ (۱۲) عیدِ قربان کے روز قربانی کی کھالوں کی قیمت سے اللہ کے اس پاک کام کی امداد فرمائیں۔ (۱۳) اگر آپ کا روپیہ بنک یا ڈاکخانہ میں جمع ہو۔ تو اس کا سُود اشاعتِ اسلام کے لئے ووکنگ مشن کو دیں۔ علماء کرام نے اس کے متعلق فتوے دے دیا ہے کہ اسلام کی اشاعت میں یہ سُود صرف ہو سکتا ہے۔ اگر آپ سُود کی اِن رقوم کو بنک یا ڈاکخانہ وغیرہ سے نہ لینگے تو اسلام کی اشاعت و حمایت کی بجائے۔ یہ رقم دشمنانِ اسلام کے ہاتھ چلی جاویگی۔ جو اسے عیسائیت کی تبلیغ اور اسلام کے خلاف استعمال کرینگے (۱۴) ہر قسم کی نذر۔ نیاز۔ صدقہ۔ خیرات۔ زکوٰۃ۔ بھینٹ کا بہترین مصرف ووکنگ مسلم مشن ہے۔

(۱۰) ووکنگ مسلم مشن کا سرمایۂ محفوظ (ریزرو فنڈ) ایک کارکن نظام کے لئے ازبس ضروری ہے کہ اس کے پاس معقول محفوظ سرمایہ ہو۔ یہ کام اکیس سال سے بہ احسن وجوہ یورپ میں اسلام کی اشاعت کر رہا ہے اس مشن کو ہمیشہ کے لئے انگلستان میں زندہ و قائم رکھنے کے لئے مینجنگ کمیٹی ٹرسٹ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس مشن کے لئے دس لاکھ روپیہ سرمایۂ محفوظ میں جمع کیا جاوے۔ اس دس لاکھ روپے کو بنک میں بطور فکسڈ ڈیپازٹ رکھ دیا جائیگا۔ اگر مسلم قوم ہمت کرے۔ تو کوئی مشکل بات نہیں۔ اس سکیم کے روبراہ ہونے سے مشن آئے دن کی مالی مشکلات اور روز روز کی دریوزہ گری سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔ اور آئے دن کی فراہمی امداد کی زحمت سے ہمیشہ کیلئے بے نیاز ہو کر آیندہ کیلئے کسی جیب کا محتاج نہ رہیگا۔ کیا چالیس کروڑ مسلم بھائی دس لاکھ روپیہ بھی اس کارِ خیر کیلئے فراہم نہ کر سکینگے۔

(۱۱) ووکنگ مسلم مشن کا نظم و نسق یہ مشن ایک معتبر رجسٹری شدہ ٹرسٹ کے زیرِ اہتمام چل رہا ہے جس کے ٹرسٹیز اور ممبران مینجنگ کمیٹی کی امانت و دیانت مسلمہ ہے۔ یہ مشن اس وقت چار نگران کمیٹیوں کے ماتحت چل رہا ہے۔ (۱) بورڈ آف ٹرسٹیز۔ (۲) ٹرسٹ کی مجلس منتظمہ۔ (۳) لنڈن میں مسجد ووکنگ انگلستان کے مشن کی نگرانی کرنے والی کمیٹی۔ (۴) لٹریری کمیٹی (جو کتب کی طباعت و اشاعت کی منظوری دیتی ہے)۔ (۵) یہ ایک غیر فرقہ وارانہ ٹرسٹ ہے۔ اس ٹرسٹ کا کسی جماعت۔ کسی انجمن یا کسی فرقہ سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ مغربی ممالک میں اس کی تبلیغ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ تک محدود ہے۔

(۱۲) مشن کا مالی انتظام (۱) مشن کی جملہ رقوم جو باہر سے آتی ہیں۔ تین کارکنانِ مشن کی موجودگی میں موصول ہو کر۔ رجسٹرات آمد میں چڑھ کر ان ہر سہ کے تصدیقی دستخطوں کے بعد اسی روز بنک میں چلی جاتی ہیں۔ (۲) جملہ اخراجات متعلقہ دفتر لاہور و دفتر ووکنگ انگلستان۔ امپرسٹ کے ذریعہ ہوتے ہیں۔ جسے فنانشل سکریٹری صاحب منظور شدہ بجٹ کی حدود کے اندر پاس فرماتے ہیں۔ (۳) آمد و خرچ کا بجٹ باضابطہ ہر سال پاس ہوتا ہے۔ (۴) سال بھر بجٹ کے ماتحت بل پاس ہوتے ہیں۔ (۵) چیکوں پر تین عہدہ دارانِ ٹرسٹ کے دستخط ہوتے ہیں۔ (۶) آمد و خرچ کی پائی پائی تک ہر ماہ رسالہ اشاعت اسلام لاہور میں شائع کر دی جاتی ہے (۷) ہر ماہ کے حساب کو آڈیٹر صاحب پڑتال کرتے ہیں۔ تمام حساب کا سالانہ بیلنس شیٹ۔ جناب آڈیٹر صاحب کے تصدیقی دستخطوں کے ساتھ رسالہ اسلامک ریویو انگریزی میں شائع کر دیا جاتا ہے۔

(۱۳) ضروری ہدایات ۔ (۱) ٹرسٹ کے متعلق جملہ خط و کتابت بنام سکریٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ لاہور۔ پنجاب ہونی چاہیئے۔ (۲) جملہ ترسیل زر بنام فنانشل سکریٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور۔ پنجاب (ہندوستان) ہو۔ (۳) ہیڈ آفس۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور (پنجاب) ہے۔ (۴) انگلستان کا دفتر دی ماسک ووکنگ۔ سرے انگلینڈ ہے۔

Address in England :- The Imam, The Mosque, Woking, Surrey, England.

(۵) بنکرس۔ لائیڈ بنک لمیٹڈ لاہور و لنڈن ہیں۔ (۶) تار کا پتہ "اسلام" لاہور۔ (پنجاب۔ ہندوستان)۔

تمام خط و کتابت بنام سکریٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ۔ عزیز منزل برانڈرتھ روڈ [illegible] ہندوستان) فرمائیں

JUNE 1941 R. L. No. 908

شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان

حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم مبلغ اسلام و بانی ووکنگ مسلم مشن انگلستان

مدیر اعزازی

خواجہ نذیر احمد بیرسٹر ایٹ لا، لاہور

Annual Rs 3-8-0 Foreign Rs. 5

The Manager
Isha'at-i-Islam, Azeez Manzil, Brandreth Road, Lahore (Pb.) India

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○　　　　**اللہ اکبر**　　　　نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ {آل عمران آیت ۱۰۴}

ترجمہ۔ اور چاہیئے کہ تم میں ایک گروہ ہو جو بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھے کاموں کا حکم دیں اور بُرے کاموں سے روکیں اور وہی کامیاب ہونے والے ہیں

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ○

ترجمہ۔ وہی (ذات پاک) ہے جس نے اپنے رسول (محمدؐ) کو ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا تاکہ اسکو تمام دینوں پر غالب کرے۔ گو مشرکوں کو برا (ہی کیوں نہ) لگے

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ

شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان

مغرب میں تبلیغ اسلام کا واحد مرکز

ووکنگ مسلم مشن انگلستان

کے ذریعہ

یورپ۔ امریکہ و کُل انگریزی دان مسیحی ممالک میں اس وقت اسلام کی اشاعت ہو رہی ہے

(۱) **تشکیل مشن۔** ووکنگ مسلم مشن کا جملہ تبلیغی کاروبار ایک باضابطہ رجسٹری شدہ ٹرسٹ کے ماتحت ہے جس کا نام "**ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ**" ہے۔ اس ٹرسٹ میں (۱) ووکنگ مسلم مشن انگلستان (۲) رسالہ اسلامک ریویو (انگریزی) (۳) رسالہ اشاعت اسلام (اردو)۔ (۴) کتب خانہ بشیر مسلم لائبریری (۵) مسلم لٹریری فنڈ (۶) ووکنگ مسلم مشن کا سرمایۂ محفوظ۔ شامل ہیں۔

(۲) **اغراض و مقاصد۔** (۱) ووکنگ مسلم مشن اور اس کی متعلقہ تحریکات کو انگلستان و دیگر ممالک میں غیر فرقہ وارانہ اصول پر زندہ رکھنا۔ (۲) مغربی ممالک میں تحریر و تقریر کے ذریعہ اسلام کی اشاعت کرنا۔ (۳) انگریزی میں اسلامی کتب و رسائل کو کثرت سے مسیحی حلقوں میں مفت تقسیم کرنا۔ (۴) انگلستان و دیگر مسیحی ممالک میں تمام امور سرانجام دینا جن کی اسلام کی تبلیغ کے لئے ضرورت ہے۔

(۳) **تبلیغی مسلک۔** (۱) مشن کی تبلیغ فقط لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ تک محدود ہے۔ (۲) اس کو کسی فرقۂ اسلام یا جماعت یا انجمن سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ (۳) یہ مشن ایک غیر فرقہ وارانہ ٹرسٹ کے ماتحت ہے۔ جس کے ٹرسٹیز مختلف فرقہائے اسلام سے تعلق رکھتے ہیں۔ (۴) ووکنگ مشن کی نمازیں فرقہ بندی سے بالاتر ہیں۔ یہ مشن امامت نماز میں کسی فرقی تمیز کو ملحوظ نہیں رکھتا۔ (۵) مسجد ووکنگ کے امام مختلف فرقہائے اسلام کے رہ چکے ہیں۔ جن میں نومسلمین بھی شامل ہیں۔

(۴) **مغربی ممالک میں اسلام کی اشاعت کے ذرائع** (۱) رسالہ اسلامک ریویو انگریزی۔ ہزاروں کی تعداد میں۔ یورپ۔ امریکہ و دیگر انگریزی دان مسیحی ممالک میں غیر مسلمین نومسلمین اخوان و خواتین کو ہر ماہ تبلیغ کے لئے مفت بھیجا جاتا ہے۔ (۲) دنیا بھر کی مشہور و معروف غیر مسلم مسیحی لائبریریوں کو رسالہ اسلامک ریویو ہر ماہ مفت بھیجا جاتا ہے۔ (۳) انگریزی اسلامی ادبیات کی مفت اشاعت کی جاتی ہے (۴) مشن کے مبلغین ہفتہ ... ن میں اور دو دفعہ مسجد ووکنگ میں اسلام پر لیکچر دیتے ہیں۔ لیکچر کے بعد سامعین کی چاء سے تواضع کی جاتی ہے (۵) جمعہ کی نماز لندن میں ادا ... جس میں نومسلمین مسلمین و مسلم طلباء کثیر تعداد میں شامل ہوتے ہیں۔ (۶) عیدین کے سالانہ اجتماعوں میں ایک ہزار سے اوپر نفوس شامل ہو ... ن و نومسلمین کے علاوہ غیر مسلمین زائرین بھی اسلامی اخوت کے اس دلفریب منظر کو دیکھنے کیلئے

A Partial Fraternal Group taken on the occasion of the 'Id-ul-Fitr (1359 A.H.) Festival, after the Prayers, on Saturday 2nd November, 1940 at the Shah Jehan Mosque, Woking.

یہ بڑی نیکی ہے کہ آپ اس رسالہ کی خریداری بڑھائیں، کیونکہ اس رسالہ کی آمد بہت حد تک ووکنگ مسلم مشن کے اخراجات کی کفیل ہے رسالہ ہذا کی دس ہزار اشاعت ووکنگ مشن کے ۱/۴ اخراجات کی ذمہ دار ہو سکتی ہے

فہرست مضامین

رسالہ

اشاعت اسلام

جلد ۲۷ | ماہ جون ۱۹۴۲ء مطابق ماہ جمادی الاول ۱۳۶۱ھ | نمبر ۶

گیلانی الیکٹرک پریس ہسپتال روڈ لاہور میں باہتمام خواجہ عبدالغنی پرنٹر و پبلشر چھپ کر عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع ہوا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

بابت ماہ جون سنہ ۱۹۴۱ء

شذرات

اس ماہ ہم قارئین کرام کی خدمت میں عید الفطر کی نماز کی روح پرور فوٹو پیش کرتے ہیں۔
نماز عید میں کثیر التعداد ہندوستانی سپاہیوں کا حصہ لینا یہ ثابت کرتا ہے کہ مسلمان سپاہی مجاہدین قرون اولیٰ کے اوصاف حمیدہ کو انتہائی کرب و بے چینی کے موقع پر بھی فراموش نہیں کرتے۔

جہاں یہ نظارہ ہندوستانی سپاہیوں کی اولوالعزمی ہمت، بہادری اور استقلال کا نقشہ پیش کرتا ہے۔ وہاں یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ اراکین مسجد ووکنگ کی سرگرمیاں جنگ کی وجہ سے سہ چند بڑھ گئی ہیں۔

ناظرین کی خدمت میں استدعا ہے کہ وہ ایام جنگ میں مسجد اور اراکین مسجد کی سلامتی کے لئے دعا فرما کر ممنون فرماویں:۔

خدا اور اس کی صفات کے متعلق اسلامی تعلیمات

(از قلم حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم و مغفور)

اگرچہ خدا کے متعلق ہماری معلومات نہایت محدود ہیں، تاہم اس قدر احساس ضرور ہے کہ کوئی غیر مشہود مگر عظیم الشان وراء العقل ہستی، پس پردہ اس کائنات پر ضرور حکمرانی کر رہی ہے۔ اگرچہ یہ قوت ہمارے حیطۂ ادراک سے باہر ہے لیکن اس قدر ضرور ہے کہ اس کا وجود، اُن قوانین غیر متغیر کی بنا پر عند العقل ثابت اور مبرہن ہے۔ جو کائنات کے ذرہ ذرہ پر حکمرانی کر رہے ہیں۔ اور اگر کوئی شے ان قوانین کی خلاف ورزی کرتی ہے تو وہ "قوت" لازمی طور پر اُسے اس نافرمانی کی سزا دیتی ہے۔ وہ زمانہ تو اب گزر گیا ہے جبکہ عام طور سے یہ خیال تھا کہ فطرت جو دراصل اُس "پوشیدہ طاقت" کی مظہر ہے۔ اپنی کارفرمائیوں اور جلوہ آرائیوں میں کسی قاعدہ یا قانون کی پابند نہیں بلکہ طفلانہ اغلاط کی مرتکب ہوتی رہتی ہے۔

برعکس اس کے، اب فطرت کو ایک پابند قانون شئے یقین کیا جاتا ہے اور سائنس دانوں کی رائے میں محض مادہ اور بے شعور قوت کے امتزاج سے یہ دنیا یا کائنات ظہور پذیر نہیں ہوتی ہے، بلکہ ارتقائے کائنات کا فعل کسی ایسی طاقت یا ہستی کا رہین منت ہے، جو بالطبع پابند ضابطۂ قوانین اور مطیع نظم ونسق ہے۔ پس پردہ جو قوت کام کر رہی ہے ہمیں اس کے متعلق بہت ہی کم علم ہے اور جو کچھ علم ہے وہ فطرت کے ان قوانین کی بدولت حاصل ہوتا ہے جن کی مدد سے وہ قوت ہر شئے کو دائرہ محکومیت میں لاتی ہے۔ اور اگر ہم اس قوت کو بعض صفات سے متصف کریں تو وہ صفات وہی ہوں گی جو اُن قوانین کے علم پر مبنی ہیں مثلاً اختصاص وامتزاج کے متعدد و معمولی قوانین میں تین اہم قوانین کام کرتے نظر آتے ہیں، جو ابتدائی ایٹمی تراکیب سے لیکر حیوانات کے منظم اجسام تک، ہر ارتقائی منزل میں جاری وساری ہیں، کائنات میں ہر لمحہ تخلیق ہوتی رہتی ہے، اور مخلوقات ایک کامل ضابطۂ قانون کے ماتحت جو درمیانی منازل میں ان کی رہنمائی اور نشوونما کرتا رہتا ہے، مرتبہ کمال کو پہنچتی رہتی ہیں۔ وہ قوانین یہ ہیں :- قانون تخلیق، قانون ربوبیت، اور قانون ارتقاء اور اگر ہم اس غیر مشہود قوت مذکورہ کو ایک مدبر اور فعال ہستی تسلیم کرلیں تو خالقیت، ربوبیت اور مرتقیت

کائنات (ارتقاء و درجہ کمال عطا کرنے کی صفت) اس کی صفات قرار پا سکتی ہیں اور اگر ہم ان
تینوں صفات کو ایک لفظ سے ظاہر کرنا چاہیں تو عربی زبان میں اُن کے لئے ایک مختص لفظ بھی
مل سکتا ہے اور وہ لفظ رب العالمین ہے، جس کے معنی ہیں "کائنات کا پیدا کرنے، پالنے،
پرورش کرنے، اور اس کو ارتقاء کی بدولت درجہ کمالیت عطا کرنے والا"۔ اب اگر میں اس "مخفی قوت"
کو "رب العالمین" کہہ کر پکاروں تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک متشکک یا آزاد خیال انسان، مجھ پر کسی
کسی قسم کا اعتراض کرے کیونکہ میں نے اس ہستی کا یہ نام "فطرت" کی مختلف قوتوں اور اُن کے ضابطہ
قانون کے مطالعہ کی بنا پر اخذ کیا ہے۔ "رب" کے معنی ہیں "خالق" "پرورش کنندہ"، اور وہ ذات
جو ہر شے میں آئندہ ترقی کی استعدادیں ودیعت کرتی ہیں جن کی بدولت وہ شے مرتبہ کمال تک پہنچ
سکے" لفظ "رب" کی یہ تشریح جو میں نے اسجگہ کی ہے قرآن مجید کی اس لغت سے ماخوذ ہے جو مغربی
دماغوں میں نظریۂ ارتقاء کے پیدا ہونے سے صدیوں پہلے مرتب ہوئی تھی، اس لغت میں لفظ رب کے
یہ معنی لکھے ہوئے ہیں "کسی شے کی اس طرح پرورش اور پرداخت کرنا کہ وہ مختلف منازل ارتقائی طے کرتی
ہوئی مرتبہ کمال تک پہنچ جائے"، ارتقائے کائنات کا وہ نظریہ جو آج جدید سائنس کی بدولت مغرب
میں مروج ہے، اسکی تشریح سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے۔ "رب" کے لغوی معنی میں صرف
تخلیق اور تربیت ہی کا مفہوم نہیں ہے بلکہ اشیائے کائنات کے ارتقائی منازل میں اس طرح
رہنمائی کرنا اور ہدایت دینا بھی شامل ہے، جس کی بدولت وہ اشیاء اپنے ابتدائی مراتب سے تدریجی
طور پر ترقی کر کے مرتبۂ کمال کو پہنچ جائیں۔ اور یہی معنی، دوسری لغت میں بھی جس کا نام تاج العروس
ہے، لکھے ہوئے ہیں۔ فی الجملہ "رب" کے معنی، جو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی پہلی صفت بیان کی گئی ہے
"پیدا کرنے والا، پالنے والا، اور ارتقاء عطا کرنے والا" ہیں۔

جب ہم اس طریق عمل کا، جس سے اب ہم کچھ کچھ آشنا ہو گئے ہیں، مطالعہ کرتے ہیں، جس
کی پابندی کرنا، ہر اس ایتھری نقطہ پر فرض ہے، جو ترقی کر کے جسم انسانی میں منتقل ہونا چاہتا ہے تو ہمیں
سالمات و ذرات مادی کے مختص اور مجتمع ہو کر نئی نئی شکلوں میں جلوہ گر ہونے کے طریق اور
طرز عمل کی حیرت انگیز صحت اور وضاحت کو دیکھ کر بے حد حیرانی ہوتی ہے، جو قبل از وقت ان کیلئے
مقدر ہو چکی ہے۔ مادہ کی ہر ارتقائی منزل میں خواہ وہ کتنی ہی مختصر کیوں نہ ہو ایک معین طرز عمل اور

ایک قبل از وقت مقدر انتظام، نظر آتا ہے۔ مادہ تو ہر جگہ قانون کا پابند دکھائی دیتا ہے چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے وللہ یسجد من فی السموٰت والارض طوعاً و کرھاً (سورہ رعد آیت ۱۵) یعنی زمین و آسمان میں جو کچھ نظر آتا ہے وہ سب اللہ کی اطاعت کرتا ہے "خوشی سے یا ناخوشی سے"۔

قرآن مجید میں اس قسم کی آیات بکثرت موجود ہیں۔ جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ تمام مادی دنیا پر قوانین کی حکومت نافذ ہے اور مادہ کا ہر ذرہ بغیر چون وچرا، قانون کی اطاعت کرتا ہے۔ موجودہ زمانہ کی سائینٹیفک تحقیقات بھی اسی حقیقت کی مؤید ہیں فی الحقیقت ان تحقیقات کی بدولت ان قوانین کا علم حاصل ہو گیا ہے۔ جن کی کارفرمائی اور اثر آفرینی کی بنا پر مادہ مختلف شکلیں اختیار کرتا رہتا ہے۔ انکشافات سائنس کا خلاصہ یہ ہے کہ فطرت کے ہر عنصر کی حرکات، نشو و نما اور ترقی کسی نہ کسی قانون کے ماتحت ظہور پذیر ہوتی ہے۔ اور جن نتائج کو کل تک، فطرت کی بے اعتدالیوں سے منسوب کیا جاتا تھا۔ آج موجودہ سائینٹیفک تحقیقات کی رو سے، ان کو بعض اور مستمرہ قوانین کی کارفرمائی پر مبنی کیا جاتا ہے۔ اس واقعہ کی وجہ سے وہ تمام نظریات مردود قرار پا چکے ہیں جس کی بنا پر خیال کیا جاتا تھا کہ فطرت اپنے مختلف النوع اثر آفرینیوں میں کسی قانون کی پابند نہیں ہے بلکہ "تجربہ" کرتی رہتی ہے یا جن کی بنا پر مادہ کی ارتقائی منازل میں جو باتیں سمجھ میں نہیں آتی تھیں ان کو فطرت کی بے اعتدالیوں پر محمول کر دیا جاتا تھا، مگر اب کائنات پر قوانین کی حکومت ہر عقلمند کی رائے میں مسلم ہے، اگر یہ بات صحیح ہے تو میں یہ سوال کرتا ہوں:۔ کیا یہ نظم و نسق، اور یہ نفاذ قوانین محض ایک امر اتفاقی ہے یا کسی مدبر الامور کی حکمت آفرینی کا نتیجہ؟ یعنی یہ ترتیب، نظام، استواری، استمرار اور ضابطہ جو کائنات کے ذرہ ذرہ سے عیاں ہے، خود بخود بلا مقصد، وجود میں آ گیا یا کسی حکیم اور مدرک طاقت نے ارادتاً کسی مقصد کے لئے برپا کیا ہے؟ بعض لوگ اس کارخانۂ عالم کو ایک مشین سے تعبیر کرتے ہیں، لیکن اس صورت میں بھی کیا یہ ممکن ہے کہ ہم اس مشین کو از خود سمجھ لیں؟ یقیناً مشین کا وجود اس عقل و حکمت کو زبان حال سے پکارتا ہے جس نے اپنی قابلیت سے چند پرزوں کو اس طرح ترکیب دی کہ وہ کسی خاص مقصد کو پورا کرنے لگے۔

لیکن میں دیکھتا ہوں کہ حضرت انسان بھی بعض اوقات کس قدر نا منصفی پر اتر آتا ہے!!! دنیاوی مشینوں کے متعلق تو ہم آنکھ بند کر کے یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ مشینیں خود بخود نہیں بن گئیں ہوشیار

لوگوں نے بہت غور و فکر کے بعد انہیں مرتب و منظم کیا ہے یعنی قانون یا اصول ساخت کا وجود، مشینوں کے وجود پر مقدم ہے، اور انسانی غور و فکر، ان اصولوں یا قوانین پر بھی مقدم ہے، جن کی بدولت وہ مشینیں عالم وجود میں آئیں، لیکن کیا قیامت ہے کہ جب ہم فطرت اور اس کی مختلف مشینوں پر غور کرتے ہیں تو اگرچہ یہاں ایک دو نہیں بلکہ ہزار ہا قوانین کارفرما نظر آتے ہیں اور ہر باہم متمیّز کرنے کے لئے ہم انہیں مختلف ناموں سے پکارتے ہیں۔ مثلاً قانونِ انجماد، قانونِ جزبِ ثقیل قانونِ مشابہت، قانونِ منافرت، قانونِ موافقت و معاومت، قانونِ انتخابِ طبیعی، قانونِ استحالت وغیرہ وغیرہ، مگر ہم ان کو مادہ پر مقدم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں، کیونکہ ہمیں خوف یہ لگا ہوا ہے کہ اگر ایک دفعہ ہم نے یہ کہدیا کہ قانون، مادہ پر مقدم ہے تو اس کے معنے اس کے سوائے اور کچھ نہ ہونگے کہ قانون کا بنانے والا (خدا) مادہ پر مقدم ہے اور یہ تو بدیہی بات ہے کہ اندریں صورت قانون اور مادہ دو مختلف چیزیں قرار دینی پڑیں گی اور قانون کا وجود، قانون ساز پر منحصر ہے۔

آج سے پچاس سال پہلے، سائینٹیفک علوم، نظریۂ "سالمات" پر جاکر ختم ہو جاتے تھے، سائنسدان لوگ، سالمات مادہ ہی کو اپنا خدا، اور کائنات کی اصل مبداء اور علّت اولیٰ خیال کرتے تھے۔ اور اس کے بے ہنگام طرزِ عمل کو قانون سمجھتے تھے۔ لیکن اب ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ یہ "خدا" تو وہی کسی قانون کا غلام اور بندۂ بے دام ہے۔ اور یہ سالمات، اس کائنات کے صانع یا اس کی علت نہیں ہیں بلکہ برق پاروں کے تخصیصی طرزِ عمل کی پیداوار ہیں اور برق پارے ایتھری نقاط کے امتزاج سے پیدا ہوئے ہیں، اور ان کی پیدائش کسی اتفاق کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ ان کا وجود، قانونِ تکثیف کا رہینِ منت ہے۔ لیکن کیا یہ ایتھر جسے ہم آج مبدع و باعث کائنات سمجھتے ہیں، قانون کی حکومت سے بے نیاز ہے؟ اگرچہ حکماء ہنوز اس کو ایک وراءالعقل ہستی سمجھتے ہیں، لیکن اس کے وزن اور جسامت کا اندازہ کسی حد تک لگایا جا چکا ہے، تموجات برقی اور بصریات کے تجربات اور اختبارات (آزمائشی عمل) کی بدولت، اندازہ لگایا گیا ہے کہ ایتھر، ہماری فضائے کائنات سے پندرہ کھرب گنا بڑا ہے اور ہماری زمین کی برابر ایک ایتھری کرہ کا وزن ۲۵ پونڈ ہوگا ان مشاہدات کی بنا پر، ایتھر بھی قانون جاریہ کا محکوم ہی ثابت ہوتا ہے، گویا، ہر شئے میں قانون اول حدود جلوہ فرما ہیں۔ قانون، نہ تو مادہ کے عمل کا نتیجہ ہے اور نہ اس کا وجود، مادہ کے اختیاری طرزِ عمل

یا کارفرمائی پر منحصر ہے، بلکہ وہ ابتدا ہی سے مادہ پر حکمران ہے، یہ حقیقت ہیں نے پہلے ہی آشکار کردی ہے کہ ملحدانہ خیالات رکھنے والے سائنسدان قانون کو مادہ پر کس لئے مقدم نہیں کرتے۔ اس موقع پر وہ ایک اور عذر لنگ پیش کرتے ہیں اور اس کی آڑ میں پناہ لیتے ہیں ھیکل اور اس کے دیگر ہمنواؤں نے اُس پرانے نظریہ کو ترک کردیا ہے جس کی رو سے مادہ اور قوت دو مختلف چیزیں تسلیم کی جاتی ہیں، جن کے باہم کارفرما ہونے سے قانون پیدا ہوتا ہے۔ اب یہ لوگ ان دونوں کو ایک ہی چیز قرار دیتے ہیں جن کا استمراری اور طبعی خاصہ ہی متابعت قانون ہے، اس احدیت طبیعی کی رُو سے کائنات کا مبدع، ہیکل کی نظر میں وہ وجود ہے جو بالذات حامل قانون ہے، اگر اس پر ایک قدم اور بڑھایا جائے تو ہم براہ راست قرآنی خدا کے حضور میں پہنچ جائیں گے۔ یہ لوگ (ہیکل کے ہمنوا) کائنات کی علت العلل اس شئے کو قرار دیتے ہیں جو خود غیر مخلوق (لم یولد) ہے لیکن جملہ اشیاء کی خالق ہے، اور خود "قائم بالذات" ہے لیکن جملہ اشیاء کے قیام کا باعث ہے، ہر جگہ موجود ہے، محیط کل ہے، غیر قابل فنا اور غیر محدود ہے، ان صفات کے ساتھ اگر علم، قدرت، تدبر اور ارادہ، اور نظم ونسق کی صفات شامل کردی جائیں تو اسلام کے پیش کردہ خدا کا صحیح نقشہ ہمارے سامنے آسکتا ہے، اور اگر حامل قانون وجود کی جگہ اس کا نام "حامل قانونِ روح" رکھدیا جائے (کیونکہ خدا روح ہے) تو ہم بڑی خوشی سے اس احدیت پر ایمان لانے کے لئے تیار ہیں کیونکہ یہی ذات "ربّ العالمین" ہے، جس نے کائنات میں ہر شئے کی حرکت ونمو کے لئے ایک مناسب حال قانون معین فرمایا ہے، اور مادہ کی تمام صورتیں، بے چون وچرا اس کی اطاعت میں سرگرم ہیں۔ اس کے متعلق قرآن مجید فرماتا ہے۔

ولہ اسلم من فی السموات والارض طوعاً وکرھاً (۳: ۸۲)

وآیۃ لھم الیل نسلخ منہ النھار فاذا ھم مظلمون ۝ والشمس تجری لمستقر لھا ذلک تقدیر العزیز العلیم ۝ والقمر قدرنہ منازل حتّی عاد کالعرجون القدیم ۝ لا الشمس ینبغی لھا ان تدرک القمر ولا الیل سابق النھار وکل فی فلکٍ یسبحون (سورہ یسین آیات ۳۷ تا ۴۰)

زمین وآسمان میں جو کچھ ہے سب اُسی کی اطاعت کررہے ہیں اور انسانوں کے لئے ایک

نشانی رات ہے جس میں سے ہم دن کو باہر نکالتے ہیں، اور دیکھو وہ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں سورج اپنے مقررہ راستہ پہ چلتا ہے۔ یہ زبردست اور علیم خدا کا مقرر کردہ اندازہ ہے اور چاند کے لئے ہم نے منازل مقرر کر دی ہیں، یہاں تک کہ وہ پھر کھجور کی سوکھی ہوئی شاخ کی طرح ہو جاتا ہے۔ سورج کے لئے ممکن نہیں کہ وہ چاند کو پا سکے اور نہ رات دن سے آگے نکل سکتی ہے سب فضا میں تیرتے[1] رہتے ہیں"۔ (قرآن مجید ۳۶ : ۳۷ تا ۴۰)

ان آیات کی رو سے تمام نظام شمسی، مشیت الٰہی کا محکوم ثابت ہوتا ہے، اور اس مشیت کے ثبوت میں، اللہ تعالےٰ نے اُس نظم و نسق کی طرف توجہ دلائی ہے، جو ان اجرام سماوی کی حرکات میں ہویدا ہے، اور یہ اجرام، اس نظام کے اس قدر صحیح متبع ہیں کہ تصادم کا امکان قطعاً نہیں ہے اگرچہ ہمیں ابھی تک اکثر اجرام کی گردش کے متعلق صحیح علم حاصل نہیں ہو سکا ہے۔ اور ان کی گردش میں یکسانیت بھی نہیں پائی جاتی مثلاً کرۂ ارض شمسی حرارت کا نتیجہ ہے جو مختلف ارتقائی منازل میں سے گذر کر موجودہ حالت کو پہنچی ہے۔ بعد ازاں قانون "کشش ثقل" کی بنا پر، ہماری زمین، سورج کے گرد بیضاوی دائرہ میں گردش کرنے لگی، اور اس کا محور اپنے مدار کی طرف جھکا ہوا ہے سوال یہ ہے کہ اس کے محور نے خط مماس پر ۲ درجہ کا زاویہ کیوں بنایا؟ ۲۷ درجے کا زاویہ کیوں نہ بنایا؟ اور اس کا محور، اپنے مدار سے متوازی بھی ہو سکتا تھا، ایسا کیوں نہ ہوا؟ اگر موجودہ صورت بغیر کسی خاص مقصد کے متعین ہوئی ہے تو سوال یہ ہے کہ کوئی اور صورت کیوں نہ معین ہو گئی؟ اگر زمین کشش ثقل کی بنا پر، آفتاب کے گرد گردش کر رہی ہے تو کیا وہ قانون بھی "محض ایک امر اتفاقی" ہے جس کی وجہ سے زمین کا محور، اپنے مدار کی طرف مائل ہے؟ یہ دعوے تو مستلزم اجتماع ضدین ہے۔ "قانون" کبھی ہرگز "محض اتفاقی امور" پر مبنی نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ تو ایک دوسرے کے نقیض ہیں، لیکن آج بہت سے مدعیان علم و فن اسی نظریہ اتفاقی پر جن میں نہایت مضحکہ خیز تناقض پایا جاتا ہے آنکھ بند کر کے ایمان لے آتے ہیں اور محض اس لئے کہ "مشیت الٰہی" کا قائل نہ ہونا پڑے۔ اعوذ باللہ من ھذا الھفوات ٥

باقی آئندہ

[1] لفظ تیر نا بہت معنی آفریں ہے۔ یہ اس شے کی دقیق حالت کو ظاہر کرتا ہے جس میں اجرام فلکی سیر کرتے رہتے ہیں۔

مقصد مذہب

(از قلم حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم)

گذشتہ سے پیوستہ

ہندوستان کی موجودہ بُت پرستی اور مغرب کی انسان پرستی

موجودہ بُت پرست عموماً بتوں کے سامنے جھکتے ہیں اور اس کی نظروں میں بت، اُس انسان یا خدا کے اوتار کی تصویر ہے، جو عرصہ ہُوا، اس دنیا میں پیدا ہوا تھا، اور لوگوں نے اس کی فوق العادت کارناموں اور روحانی تعلیمات کی بدولت اُسے واقعی خدا سمجھ لیا، مغربی دیوتا مثلاً ووڈین۔ تھور۔ جوپیٹر۔ وغیرہ۔ مشرقی دیوتا مثلاً رام چندر اور کرشن۔ یہ سب دراصل انسان تھے۔ جن کو اللہ تعالےٰ نے مختلف اوقات میں مختلف امتوں کی رہنمائی کے لئے پیدا کیا تھا تاکہ وہ اپنی تعلیم سے انسان کو ترقی کی شاہراہ پر ڈال دیں۔ اور خدا نے ان کو ایسی قوتیں عطا فرمائی تھیں۔ جو ان کے زمانہ کے لوگوں کی نظروں میں فوق البشر معلوم ہوتی تھیں۔ خوش اعتقادی اور جہالت کی وجہ سے ان کو خدا سمجھ لیا گیا اور آہستہ آہستہ لوگ اُنکی عبادت کرنے لگے، جب ان کی وفات ہوئی تو، ان کے مجسمے ان کے قائم مقام ہوگئے تاکہ لوگوں کے دلوں میں ان کی یاد تازہ رہے۔ کیا ان دو آدمیوں کے مذہبی طرز عمل میں کوئی فرق قرار دیا جاسکتا ہے جن میں سے ایک بروقت عبادت کرشن کی ذہنی تصویر اپنے سامنے رکھ کر اُس سے طالب امداد ہوتا ہے اور دوسرا بھی اُسے خدا ہی سمجھ کر پوجتا ہے لیکن خیالات میں یکسوئی پیدا کرنے کے لئے۔ اس کی مورت اپنے سامنے رکھ لیتا ہے؟ میری رائے میں عقل سلیم تو ان دونوں میں کوئی فرق روا رکھتی نہیں:

رومن کیتھولک کلیسا قابل ترجیح ہے

اس لحاظ سے میں نے مسیحیت کے رومن کلیسا کو ہمیشہ پسندیدہ نگاہوں سے، اور بات بھی یہی ہے کہ اگر عیسائی لوگ یسوع صاحب کو خدا یقین کرتے ہیں، اس سے دعائیں مانگتے ہیں اس کو قاضی الحاجات سمجھتے ہیں، اور عبادت کے وقت اس کی خیالی تصویر ہر دم پیش نظر رہتی ہے تو اگر اس کا بُت بھی آنکھوں کے سامنے رہے تو توجہ بخوبی ہو سکتی ہے اور در اصل ان دونوں طریقوں میں کوئی مابہ الامتیاز ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر رومن کیتھولک عیسائی محض اس وجہ سے بُت پرست کہلاتے ہیں کہ وہ گرجوں میں عبادت کے وقت یسوع صاحب اور ان کی والدہ کی تصویریں سامنے رکھتے ہیں۔ تو پراٹسٹنٹ عیسائی بھی، جبکہ وہ یسوع صاحب کی پرستش کرتے ہیں ان سے کمتر بُت پرست نہیں ہیں۔

بہر حال سوال یہ ہے کہ جب ہم یسوع کے بُت اور ان کی خیالی تصویر کی پرستش کرتے ہیں تو اس فعل سے ہماری ارتقائی ترقی کیونکر ممکن ہے؟ ہم نے مانا کہ یسوع یا کرشن کو خدا تسلیم کر لینے سے ہماری خواہش معرفت بار ہی پوری ہو جاتی ہے، لیکن ہماری فطرت کے اور کئی پہلو بھی تو ہیں، مثلاً جذباتی۔ اخلاقی۔ روحانی وغیرہ، ان کا ارتقاء کس طرح ہو سکتا ہے؟ ہمارے اندر علم (وقوف) احساس (جذبات) اور ارادہ (فعل) تین خواص موجود ہیں، تو سوال یہ ہے کہ محض کسی اوتار یا اس کے صفات کے مظاہر پر اعتقاد رکھنے سے ہمارے افعال اور خیالات کس طرح متاثر ہو سکتے ہیں؟ اور کسی انسان کی پرستش کرنے سے ہمارے وقوف ذاتی (علم) میں کس طرح ترقی ہو سکتی ہے، جس پر انسانی ارتقار کا دارومدار ہے۔

مختصر یہ کہ محض ابتدائی معرفت خداوندی یا عبادت کے چند مراسم کی تلقین، الہام ربانی کا حقیقی مقصد قرار نہیں پا سکتی۔ کیونکہ قادر مطلق خدا کو جس کا ایک نام "الکافی" بھی ہے، انسانی عبادت کی چنداں ضرورت نہیں۔ اور نہ ہماری تمجید و تحمید سے اس کی شان میں کچھ اضافہ ہو سکتا ہے۔ اگر یہ کائنات نہ ہوتی تب بھی وہ "ذو العرش المجید" ہی ہوتا۔

تمجید الٰہی دراصل تکریم انسانیت میں مضمر ہے

خدا تعالیٰ کی تمجید دراصل اس بات میں ہے کہ تخلیق انسانی سے جو اس کا مقصد ہے اس کی تکمیل ہو کیونکہ انسان، اس کی جملہ مخلوقات میں اشرف و افضل مخلوق ہے۔ اور خدا نے اپنا الہام، بندوں پر اسلئے نازل کیا کہ وہ اس مقصد کی تکمیل کر سکیں جس کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ یعنی تکریم انسان ہی دراصل تمجید الٰہی ہے۔ اور جس مذہب میں اس حقیقت کو اصل اصول قرار نہیں دیا گیا وہ محض داستانِ پاستان اور افسانۂ بے سروپا ہے۔ جبکہ جملہ انسانی نظام کا مقصد ترقی اور ارتقائے نوعی ہے تو جو نظام (مذہب) الہام ربانی پر مبنی ہونے کا مدعی ہو، اس کا تو بدرجہ اولیٰ یہ مقصد ہونا چاہیئے، کیا ہماری فطرت خود اس بات کا اعلان نہیں کرتی کہ اس میں ترقی کرنے کی لاتعد استعدادیں موجود ہیں؟ پس ہم اُس کتاب کو کس طرح منجانب خدا، تسلیم کر سکتے ہیں جو ان اصولوں سے عاری ہو، جو ترقی کے لئے ازبس ضروری ہیں؟ ہزاروں سلام اُس نبی اُمّی کی روح پاک پر، جس کی معرفت، انسان کو اس زرین اصول کی تعلیم دی گئی، سورۂ بقر کی ابتدائی آیات میں، جنہیں قرآن مجید کا دیباچہ کہنا چاہیئے۔ یوں بیان فرمایا گیا ہے:۔

"وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَبِالْاٰخِرَۃِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ اُولٰٓئِکَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۵ اور جو اس پر ایمان لاتے ہیں، جو تیری طرف اتارا گیا، اور جو تجھ سے پہلے اتارا گیا، اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں، اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں (سورۂ بقرہ آیات ۴، ۵)

گویا ان الفاظ میں، قرآن مجید نے، ربانی الہام کی غرض و غایت مشرح طور پر بیان ... کردی خواہ وہ الہام آنحضرت صلعم پر نازل ہوا ہو یا آپؐ سے پہلے انبیاؑ پر۔ قرآن مجید نے سابقہ وحی پر بھی ایمان لانے کا حکم دیا ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی ارتقائے انسانیت کی تعلیم کو ان کی صحت کا معیار قرار دیا ہے۔ ہم جملہ انبیاء کرامؑ کے ربانی الہامات پر ایمان رکھتے ہیں لیکن

افسوس یہ ہے کہ آج جو کتابیں ان سے منسوب کی جاتی ہیں وہ اصلی اور صحیح نہیں کہلا سکتیں، جبتک وہ انسانی ارتقاء میں معاون ثابت نہ ہوں۔ اور اسی طرح وہ باتیں جو لوگوں نے ان سے منسوب کر دی ہیں جب تک انسان کی ترقی کا باعث نہ ہوں، اس وقت تک بھی تسلیم نہیں کی جا سکتیں قرآن مجید کی پہلی آیت ہمارے سامنے اُس اللہ کا تخیل پیش کرتی ہے جو رب العالمین ہے، یعنی ساری کائنات اور جملہ عالموں کا مالک اور مختار ہے، یہ لقب دو لفظوں سے مرکب ہے "رب" اور "عالمین"۔ عالمین عالم کی جمع ہے جس کے معنے ہیں دنیا یا کائنات، لیکن لفظ "رب" بے حد سبق آموز ہے اور حامل معانی کثیرہ ہے۔ اس میں صرف پرورش کرنے، نشوونما عطا کرنے یا خوراک بہم پہنچانے ہی کا مفہوم نہیں ہے بلکہ انتظام، تدبیر، تکمیل اور انتہا تک پہنچانے کا مفہوم بھی داخل ہے، امام راغب نے لفظ "رب" کے معنی حسب ذیل بیان کئے ہیں:۔ "کسی شئے کی پرورش اس طرح کرنا کہ وہ مختلف ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی تکمیل کو پہنچ جائے"۔

پس "رب" تمامی موجودات کا خالق ہے، جس نے جملہ اشیائے کائنات کو پرورش ہی کے ذرائع عطا نہیں کئے ہیں بلکہ اُس نے قبل از وقت ہر شئے کے لئے لائحہ عمل بھی تجویز کر دیا ہے، اور ہر شئے میں ایسی استعدادیں بھی رکھدی ہیں، اور وہ ذرائع بھی مہیا کر دیئے ہیں جن کی بدولت ہر شئے منزل مقصود تک پہنچ سکتی ہے یعنی اس کی ساری استعدادیں قوت سے فعل میں مبدل ہو سکتی ہیں، گویا خدا کی اس آخری کتاب نے پہلی ہی آیت میں ہمیں اس خدا کی عبادت کا حکم دیا ہے جو ہمارے ارتقائے نوعی میں معاونت کرتا ہے۔

یہ صفت "رب العالمین" (یعنی ہر شئے کو ارتقاء عطا کرنیوالا خدا) ہمارے سامنے کائنات کے جملہ مظاہر اور ان کی نشوونما کا نقشہ خلاصہ طور پر پیش کر دیتی ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ نہ صرف اپنے وجود اور بقا کے لئے خدا کا محتاج ہے، بلکہ اس کی تکمیل کا بھی وہی ذمہ دار ہے اور ہر ذرہ میں ترقی کرنے کی استعداد ظاہر ہے، اور اس میں ایسے خواص بھی پائے جاتے ہیں جن کی تشریح کے لئے ہمیں مزید علمی انکشافات کا انتظار کرنا پڑیگا۔ لیکن جب انہیں مناسب ماحول نصیب ہو جاتا ہے تو شاہراہ ترقی پر گامزن ہو جاتے ہیں، کیا ان تمام باتوں سے ہماری

توجہ خود اپنی فطرت اور اس کے تقاضائے ترقی کی جانب مبذول نہیں ہو سکتی؟

مقصدِ عبادت

بعض لوگ کہتے ہیں کہ خدا کی پرستش سے مراد یہ ہے کہ اس کی حمد و ثنا کی جائے اور اس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کیا جائے، اور اس کے لئے چند مقررہ الفاظ ضروری ہیں جن کو خاص اوضاع و اطوار کے ساتھ زبان سے ادا کرنا چاہیئے۔ یا اس کی بعض صفات کا زبان سے اعادہ کرنا چاہیئے۔ اگر صرف انہی باتوں یعنی چند مقررہ الفاظ کے ادا کرنے سے یا چند اوضاع و اطوار پر عامل ہونے سے ہی، خدا خوش ہو سکتا ہے تو پھر خدا کا یہ تخیل نہ صرف نہایت بھونڈا ہوگا بلکہ نہایت مذموم اور حد درجہ نفرت انگیز اس سے تو خدا کی منقصت مترشح ہوتی ہے۔ زبانی تعریف و توصیف کر دینا، یا محض لفظوں سے شکر ادا کر دینا، جب تک ان الفاظ کو اعمال و افعال سے مؤید و مصدق نہ کیا جائے، کوئی حقیقت نہیں رکھتا، بلکہ ایسا کرنا محض فریب کاری اور صریح دھوکہ دہی کا مترادف ہوگا حقیقی عبادت تو یہ ہے کہ ہم وہ ذرائع دریافت کریں جن کی بنا پر خدا، اپنی صفات حسنہ کا ہم پر اظہار فرمائے، خدا سے دعا مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم وہ حالات پیدا کریں جن کی بدولت خدا کی وہ صفات تحریک پذیر ہوں جن کا اعادہ ہم اپنی دعاؤں میں کرتے ہیں مثلاً اگر ہم اس کے رحم کے طالب ہیں تو ہمیں ایسا طرز عمل اختیار کرنا چاہیئے کہ وہ ہم پر رحم کرے یعنی اس کی صفت رحیمیت جوش میں آئے چنانچہ خدا کو رحیم اور رحمٰن بیان کرنے سے قرآن مجید کا مقصد یہی ہے کہ ہم اس حقیقت کو جزو جان بنالیں کہ خدا بے شک رحم و کرم کا منبع ہے لیکن ہم کو چاہیئے کہ اس کے رحم اور کرم کے مستحق ہو جائیں یعنی ہمارے اعمال ایسے ہوں کہ وہ ہم پر رحم اور کرم کرے۔ اسی طرح جب مسلمان، اپنی نمازوں میں خدا کو "رب العالمین" کہہ کر پکارتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی توجہ اس طرف مبذول ہو کہ خدا، کائنات کے ہر ذرہ کا (جس میں انسان بھی شامل ہے) نہ صرف پیدا اور پرورش کرنیوالا ہے بلکہ نشو و نما عطا کر کے ارتقائی منازل بھی طے کرانے والا ہے، لہذا ارتقاء کی حقیقت ان کے قلوب پر مرتسم ہو جانی چاہیئے

اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کو اس امر پر یقین جازم رکھنا چاہیئے کہ ان میں ترقی کی بے شمار استعدادیں موجود ہیں۔ ان کا فرض ہے کہ ان استعدادوں کا پتہ لگائیں، اور ان ذرائع کو حاصل کریں جن کی مدد سے وہ استعدادیں بروئے کار آسکتی ہیں۔ اور یہ آیت انکو آسمانی امداد کا یقین بھی دلاتی ہے کیونکہ "رب" کے معنی میں یہ حقیقت بھی مضمر ہے کہ خدا ارتقائی منازل میں انسان کی مدد کرے گا۔

گویا خدا کی پاک وحی یعنی قرآن مجید نے آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے، انسان کے سامنے اس حقیقت کا انکشاف کیا تھا، جو آج بیسویں صدی ایک صداقت کا مسلمہ بن گئی ہے، اس کی بنا پر گناہوں سے خلاصی پانے کا عقیدہ یکسر کافور ہو گیا، اور اس کی جگہ ارتقاء کا عقیدہ قائم ہو گیا، جو انسانیت کے لئے بشارت عظمیٰ ہے، اور بفحوائے قرآن مجید، مذہب کا مقصد وحید ہے۔ گناہوں سے خلاصی بغرض محال، اگر ممکن بھی ہو، تو اسکا فائدہ بہرحال حیات بعد الموت میں محسوس ہوگا، لیکن ارتقاء کا عقیدہ تو اسی دنیا میں ہماری روز افزوں ترقی کا ضامن بن سکتا ہے، اور اس کی وجہ سے عالم اُخروی بھی دائمی برکت اور طمانیت قلب حاصل کرے، جو خواہش ہمارے اندر موجود ہے، اس میں نہ کوئی نقص وارد ہوتا ہے نہ کمی۔

اسلام یعنی "مذہب فطرت" مذہب اور سائنس میں مطابقت

" اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰہِ یَبْغُوْنَ وَلَہٗ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ کَرْھًا وَّ اِلَیْہِ یُرْجَعُوْنَ۔ یعنی تو کیا اللہ کے دین کے سوائے کچھ اور چاہتے ہیں ؟ حالانکہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں خوش اور ناخوش اسی کے فرمانبردار رہیں اور اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ (سورۂ آل عمران آیت ۸۲)

سطحی خیال کے انسان کی نظر میں، ممکن ہے، کہ مذہب اور سائنس میں اختلاف نظر آتا ہو، لیکن اقلیم سائنس میں ہماری تمام تحقیقات، دراصل قرآن مجید کی اس آیت پر مبنی ہیں " اور زمین و آسمان میں جو کچھ بھی ہے، وہ خدا کی فرمانبرداری کرتی ہے، خوشی یا ناخوشی

سے"، اگر مذہب سے، کسی آدمی یا کسی تاریخی واقعہ یا خدا کی کسی صفت کے حیرت انگیز ظہور پر ایمان
رکھنا مراد لی جائے، جس کی بنا پر بغیر اعمال حسنہ بجا لائے، کسی معجزانہ طریقہ سے انسان
کی نجات ہو جائے تو اور کسی محیر العقول طریق پر سیئات، حسنات میں مبدل ہو جائیں تو واقعی
مذہب اور سائنس میں کوئی امر مشترک نہیں ہے، لیکن اگر اس کے برخلاف، مذہب کسی
ضابطہ قوانین کا نام ہے، جو ہمیں فطرت انسانی اور اس کی مخفی استعدادوں کا علم عطا کرتا
ہے اور ان استعدادوں کو روبراہ کرنے کا طریق سکھاتا ہے اور ان عقائد کی تلقین کرتا ہے
جن پر عمل کرنے سے ہماری ذاتی قابلیت بارآور ہو سکتی ہے۔ تو پھر مذہب اور سائنس میں کسی
قسم کے تصادم کا امکان نہیں ہو سکتا۔ بیشک مذہب ہمیں "ایمان بالغیب" یعنی ان چیزوں
پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہے جن کو آنکھ سے نہیں دیکھا لیکن سائنس کا طریق عمل بھی تو
یہی ہے، وہ بھی تو غیر معلوم خطوں ہی میں جلوہ فرمائیاں کرتا ہے اور ہر غیر مشہود شئے اُس
کی قوتوں کو برانگیختہ کرتی ہے۔ اور اشیائے کائنات کے غیر معروف خواص، سے دعوت
تحقیق دیتے ہیں جس کی بنا پر اس کے ذخیرۂ معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔

سائنس کسی شئے کا خالق یا صانع نہیں ہے۔ اس کی بنیاد اُن چند غیر مبدل قوانین
پر ہے، جن کے ماتحت عمل کر کے مادی اشیاء اپنے اپنے خواص ظاہر کرتی ہیں، اور سائنس
کے نقطۂ خیال سے "خواص اشیاء" محض اُن نتائج کا نام ہے جو پابندی قانون مقررہ کی بدولت
مادہ سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اور ان قوانین کا دریافت کرنا ہی سائنس کا موضوع خاص ہے،
اور ان کی کامل متابعت سے حیرت انگیز کرشمے دکھاتا ہے، اگر مادہ کا صدور، کسی صاحب
ادراک علتِ اولیٰ سے ہوا ہے تو یہی ہستی اُن قوانین کی واضع بھی ہوگی۔ غرضیکہ سائینٹیفک
تحقیقات کا مقصد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے ان مقرر کردہ اصولوں کو دریافت کیا جائے، جو
سالمات مادہ پر حکمران ہیں، اور ان کی اطاعت قوانین مذکورہ کا نتیجہ، ان صفات مخفیہ کا
ظہور ہوتا ہے جو مادہ میں بالقوت موجود ہوتی ہیں۔ اور قوانین الٰہیہ کی پابندی کرنا — جس سے
مراد قوانین فطرت بھی ہو سکتی ہے، اور یہی امر سائنس کی ایک حقیقت مسلمہ ہے اور سالمات
کی فطرت میں ذاتی طور سے موجود ہے — گویا سالمات مادہ کا مذہب قرار دیا جا سکتا

سطحی نظر کا انسان بھی اس امر کو مشاہدہ کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ کائنات کا ذرہ ذرہ چند مقررہ قوانین کی پابندی میں لگا ہوا ہے، ان کا ہم... اور باہمی تعاون و تعامل جو صد ہا خوشگوار اور مفید نتائج مرتب کرتا ہے اور اجزائے کائنات کی ہم آہنگی اور فائدہ رسانی کا موجب ہوتا ہے، صرف اُن قوانین کی متابعتِ کلی ہی پر منحصر ہے۔ اگر ایک معمولی سا ذرہ اپنے مقررہ قانون سے ایک لمحہ کے لئے بھی غافل ہو جائے تو تمامی کائنات آن واحد میں یقینی طور پر درہم برہم ہو جائیگی آفتاب، ماہتاب، نجوم، روز و شب، موسم، اشجار اور سمندروں پر نگاہ کرو یہ سب مقررہ قوانین پر چل رہے ہیں۔ اور نہایت صحت کے ساتھ ان کی پابندی کر رہے ہیں۔ یہ حقیقت قرآن مجید نے علوم جدیدہ کی دریافت سے صدیوں پہلے عالم آشکار کر دی تھی۔ وللہ یسجد من فی السموات والارض طوعاً وکرھاً وظلالھم بالغدو والاصال (سورۃ رعد آیت ۱۵)

"زمین و آسمان میں جو کچھ ہے وہ اللہ ہی کی اطاعت کرتا ہے خوشی سے یا ناخوشی سے اور اُن کے سائے بھی صبح اور شام کے وقت" (قرآن ۱۳: ۱۵)

"(کیا تم نہیں غور کرتے کہ اللہ ہی وہ ذات ہے جس کی ہر چیز اطاعت کرتی ہے خواہ وہ زمین میں ہو خواہ آسمان میں، سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، اشجار، حیوانات اور بہت سی دیگر مخلوق)۔ رات بھی ان کے لئے ایک نشان ہے، جس میں سے ہم دن برآمد کرتے ہیں اور ناگہاں وہ تاریکی میں آجاتے ہیں، اور سورج اپنی قرارگاہ پر چلتا ہے یہ اندازہ غالب اور علیم خدا کا مقرر کردہ ہے اور ہم نے چاند کی منزلیں مقرر کر دی ہیں، یہاں تک کہ پھر پرانی کھجور کی شاخ کی طرح ہو جاتا ہے۔ آفتاب کو یہ قدرت نہیں کہ چاند کو پا سکے اور نہ رات دن سے آگے نکل سکتی ہے ہر شئے اپنے دائرہ ہی میں چلتی ہے"۔ (قرآن ۳۶: ۳۷: ۴۰)

یہ حقیقت کہ ہر شئے اپنے دائرہ ہی میں چلتی ہے، کیسی بصیرت افروز ہے!! یعنی کائنات پر قوانین کی حکومت قائم ہے اور تمام فطرت میں ایک یکسانیت پائی جاتی ہے، جس کا علم قرآن مجید نے تجدید سائنس کی تحقیقات سے مدتوں پہلے انسان کو عطا کر دیا۔ فطرت میں ہر

شئے اپنے دائرہ عمل میں مصروف کار ہے، نہ کہیں قانون شکنی ہے نہ مداخلت بے جا۔ بلکہ ہر شئے قانون کی پابند ہے جس میں تغیر نہیں ہو سکتا . . . . صرف اسی اصول کی بنا پر مخالف عناصر میں باہم تطابق پیدا ہو سکتا ہے، یعنی غیر منظم مادہ، ایک منظم کائنات کی شکل میں ظہور پذیر ہو سکتا ہے، جیساکہ قرآن مجید نے فرمایا۔ ساری کائنات، پابندئ قوانین کی بدولت چل رہی ہے اور ایک نظام معین پر اس کا دار و مدار ہے۔ اسی قانون کی مطابعت کی بدولت کائنات کا ہر ذرہ اپنا وجود قائم رکھتا ہے اور تدریجی طور پر نشو و نما حاصل کر کے مرتبۂ کمال کو پہنچتا ہے۔ نقاط اثیری جب مقررہ قوانین کی پابندی کرتے ہیں تو برق پاروں میں منتقل ہو جاتے ہیں اور برق پارے ایک منضبط دستور العمل کے ماتحت کل غیر حیوانی عالم کے وجود کا باعث ہو جاتے ہیں یعنی اس طرح مادہ کی ارتقا ظہور میں آتی ہے۔ گویا کائنات میں مقررہ اصولوں پر عمل تخصیص اور ایک باضابطہ نظام کے ماتحت صورت ترتیب پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ یکسانیت ہی تمام سائنٹیفک تحقیقاتوں کا موجب ہے۔ سائنس خود کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتا۔ اس کا مقصد تو صرف ان قوانین کو دریافت کرنا ہے جو فطرت کی قوتوں کی رہنمائی کرتی ہیں۔

یہ قوانین سالمات مادہ کے لئے بمنزلہ مذہب قرار پاتے ہیں اگر ان قوانین کی استواری اور پائداری اور فطرت کی پابندئ قوانین کا یقین نہ ہو تو کسی قسم کی سائنٹیفک تحقیقات عمل میں نہیں آسکتی۔

اب سوال یہ ہے کہ تمام نظم و نسق کسی مدبر الامور کی دماغی تجویز کا نتیجہ ہے یا محض امر اتفاقی یا تطابق ہے؟ کیا فطرت، ایک دستور العمل کی پابند نہیں ہے؟ کیا قانون، مادہ پر حکمران نہیں ہے؟ کیا اس کا ارتقا محض ایک امر اتفاقی، غیر مرتب یا غیر منظم ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو ہم یہ کہہ سکتے تھے کہ یہ سب کچھ باہمی توافق و تطابق کا نتیجہ ہے اور "قانون" محض اس تطابق کا نتیجہ ہے جو بعد ازاں، مدوّن ہو گیا۔ لیکن سائنس تو ہمیشہ کائنات میں ایک نظم و نسق، ترتیب، انتظام اور پابندی کی موجودگی کا علم بلند کرتا رہتا ہے، اور اس کی تحقیقات، ہمیشہ ان اصولوں اور قوانین کا پتہ لگاتی رہتی ہے جن کی بنا پر یہ کارخانۂ کائنات

چل رہا ہے، اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کائنات میں تدبیر اور عقل کارفرمائی کر رہی ہے،
اور چونکہ قانون کا وجود مادہ سے پہلے ہے اس لئے تطابق کا خیال غلطی پر مبنی ہے، تطابق
ہو ہی نہیں سکتا۔

کیا انسان بذاتِ خود ایک عالم صغیر نہیں ہے؟ کیا اس میں نظام حیوانی مکمل طور سے
نہیں پایا جاتا؟ کیا وہ اشرف المخلوقات اور فطرت کی بہترین صنعت نہیں ہے؟ ضرور اور
بلاشبہ ہے، فطرت کی ہر خوبی، اجتماعی طور سے اس میں موجود ہے، اور ان کے مناسب
امتزاج کی بدولت اس میں حیات ، ادراک، جذبات اور ضمیر یہ سب چیزیں پائی جاتی
ہیں۔ سالمات کی شکل بیشک تبدیل ہو سکتی ہے، لیکن ان کی فطرت میں تبدیلی ممکن نہیں
اور قانون کی متابعت کرنا، اور اس کی بنا پر حیرت انگیز نتائج پیدا کرنا یہ دونوں باتیں تو عناصر
کی سرشت میں داخل ہیں۔ پس جب یہی سالمات اور عناصر قدرت باہم مجتمع ہو کر کل انسانی
میں جلوہ گر ہو جاتے ہیں تو کس طرح ممکن ہے کہ محض امتزاج کی وجہ سے ان کی نوعیت میں
تغیر پیدا ہو جائے؟ اگر جسم انسانی میں مبدل ہو کر، ان سالمات کی خاصیت بدل جاتی تو پھر
کوئی طاقت "علم طب" مدوّن نہیں کر سکتی تھی۔

قانون مشابہت، قانونِ مطابقت، قانون مماثلت اور قانون فعلیت منظمہ وغیرہ
جب مدوّن ہوتے ہیں تو اُن کا نام سائنس ہو جاتا ہے، اور انسانی فعلیت منظمہ کے قانون کو
محض سطحی نظر سے مطالعہ کرنے پر بھی یہ حقیقت واضح ہو سکتی ہے، مثلاً انسان کو آنکھ، کان
ناک اور مونھ دیا گیا ہے، اگر ان حواس کا غلط استعمال کیا جائے تو ان سب میں اختلال و نما
ہو نما ہو جائے گا، بلکہ بہت ممکن ہے کہ وہ ناکارہ اور ضائع ہو جائیں، لیکن غیر فطری حالات
میں یہ قویٰ کام کرنے سے بھی انکار کرتے ہیں ہاں اگر مناسب طور سے ان کا استعمال کیا جائے
تو سب کے سب فرمانبردار ثابت ہونگے اور قانون متابعت کا یہ اصول جمیع ء اس وار کان جہانی
پر حادی ہے گویا، ارتقائی منازل میں تمام سالمات کا مذہب اسلام ہی ہے جس کے
معنی ہیں مذہب اطاعت و فرمانبرداری قوانین مقررہ" ہر سالمہ ادنیٰ دبا اُلیٰ اس مذہب
کے سامنے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور رہے۔ کائنات کی ہر شئے میں بعض ذاتی خواص پائے

جاتے ہیں اور سائنس دانوں کی جماعت، ہر قرن کے بعد انہی خواص کے متعلق ہماری معلومات میں اضافہ کرتی رہتی ہے۔ قلمروئے فطرت میں انسان کا دائرۂ عمل روز بروز وسیع ہو جاتا ہے، لیکن اس میں بھی مزید ترقی، بعض قوانین کی دریافت اور ان کی اطاعت ہی پر منحصر ہے۔ اگر ہم ترقی یا فطرت کے ذخائر سے فیضیاب ہونے کے خواہشمند ہیں تو ہمیں مقررہ قوانین کی اطاعت کرنی ضرور ہے۔ مثلاً کاشتکاری کے عمل کو لے لیجئے، اس میں بھی ان قوانین ہی کی پابندی نظر آتی ہے، جو نتائج مرتب ہونے کا باعث ہوتے ہیں۔ زمین کو ایک طریق پر کھودنا پڑتا ہے اور خاص اوقات پر ایک مخصوص انداز میں تخم پاشی کرنی پڑتی ہے۔ قانون مقررہ کے ماتحت ہمیں آبیاری اور کھاد ڈالنا لازمی ہے۔ اگر ان میں سے کسی قانون کی پابندی نہ کی جائے تو نقصان واقع ہوگا۔ پس **اسلام** فطرت کا مذہب ہے یعنی عین مطابقِ فطرتِ آلٰہیہ ہے۔ اور اسی لئے اگر کوئی شخص، نقصان سے بچنا چاہے تو اسے، اسلام کی پابندی ضروری ہے، چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے:۔

"جو شخص، اسلام کے علاوہ کسی دوسرے مذہب کی خواہش کرے گا وہ قبول نہ کیا جائے گا اور آیندہ زندگی میں وہ شخص نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا" (۳:۸۴)

قانون کی پابندی ہر ذرہ کی فطرت میں داخل ہے، بلکہ ہر جاندار کا فطری میلان یہی ہے۔ تو کیا انسان اس میلان فطری سے آزاد ہو سکتا ہے؟ ہر گز نہیں۔ قرآن مجید نے جس موقعہ پر اسلام کو کائنات کا مذہب بیان کیا ہے، وہاں اس طرف اشارہ کیا ہے "فاقم وجہک للدین حنیفا، فطرت اللّٰہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللّٰہ ذالک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون یعنی اے" پس دین حنیف کو اختیار کرنے کے لئے آمادہ ہو۔ وہ فطرت جس پر خدا نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ اور خدا کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں ہے، یہی سچا مذہب ہے لیکن اکثر لوگ اس حقیقت سے آشنا نہیں ہیں (سورۃ الروم آیت نمبر ۳۰)

اس لحاظ سے۔ کلیسائے مغرب کا مذہب **اسلام** سے بالکل مختلف ہے۔ پیدائشی گناہ کے عقیدہ کی تلقین کے معنی یہ ہیں کہ قانون آلٰہی پر عمل پیرا ہونے کی جو استعداد انسان میں موجود ہے، اس سے یکسر انکار کر دیا جائے، بالفاظ دیگر مسیحیت کلیسائی، انسان کو حیوان

سے بھی بدتر قرار دیتی ہے۔ کیونکہ حیوانات میں علی العموم قانون کی پابندی کرنے کی حس جبلی طور پر پائی جاتی ہے لیکن انسان کو یہ قابلیت حاصل نہیں ہے۔

انسان جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے، مختلف سامانات کا مرکب ہے۔ اور وہ سب بغرض حصول ارتقاء، قانون آلہیہ کی پابندی کرتے ہیں، تو کیا انسان پر ان کی پابندی فرض نہیں ہے؟ اگر کائنات کی ہر شئے اپنے قیام اور ترقی کے لئے، پابندی قوانین پر مجبور ہے تو انسان ان قیود سے کس طرح آزاد ہو سکتا ہے۔ اس پر یہ پابندی کیوں عائد نہ ہو؟ اسی موقعہ پر سائنس مذہب کی ضرورت تسلیم کرنے پر مجبور ہے اور سائنس اور مذہب اپنے اپنے دستور العمل کے لحاظ سے قطعًا باہم مخالف نہیں ہیں۔ سائنس ہمیں ان قوانین کا علم عطا کرتا ہے، جو ہماری جسمانیات سے متعلق ہیں اور اگر ہم تندرست رہنا چاہیں تو ان کی پابندی ہم پر فرض ہے مذہب ان قوانین کا علم عطا کرتا ہے جو ہماری روحانیت اور اخلاق سے وابستہ ہیں اور بنی نوع آدم اسی حالت میں ترقی کر سکتے ہیں جب وہ مادی، اخلاقی اور روحانی ان تینوں قوانین کی پابندی کریں جو فطرت میں جاری و ساری ہیں۔

ہر حالت میں، اسلام یعنی "متابعت قانون" ہی ہماری عملی زندگی میں رہنما ہے۔ ممکن ہے، کوئی غیر تعلیم یافتہ انسان اس صداقت کا انکار کر بیٹھے، یعنی مذہب سے بیگانہ وشی اختیار کرلے، لیکن اگر یہ کائنات، ایک لمحہ کے لئے بھی پابندئ قوانین سے بے نیاز ہو جائے تو تمام کارخانہ درہم برہم نظر آئے۔ سائنس کی بدولت ان حقائق کے انکشاف کی بنا پر انسان نے عالم مادیات میں حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ تو کیا یہ امر قرین عقل نہیں کہ انسان کو ان قوانین کا علم بھی عطا ہو، جن کی بدولت، وہ عالم اخلاقیات و روحانیات میں ترقی کر سکے؟ ضرور ہے، اور بغیر اس علم کے، محض مادی ترقی تو ہمارے اندر حیوانیت کے جذبات برانگیختہ کر دے گی جس سے انسانیت کا قلع قمع ہو جائے گا۔ اور گذشتہ جنگ عظیم ہمارے اس قول پر ایک گواہ صادق موجود ہے۔

باقی آیندہ

اُحُد[۱]

از جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب استاذ قانون بین الممالک جامعہ عثمانیہ

شام جانے کا بری راستہ قریش کے تجارتی کاروانوں کے لئے جو اہمیت رکھتا تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے اس کو کھلا رکھنے کے لئے ڈھائی لاکھ درہم[۱] کا چندہ کرنا اہل مکہ کے لئے ذرا بھی بار نہ گزرا۔ کم و بیش اتنی ہی اور رقم انہوں نے بدر کے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑانے میں صرف کی۔ سیرت شامی[۲] وغیرہ[۳] میں تفصیل سے بتایا گیا ہے۔ کہ کس طرح قریش نے علاوہ اپنی ذاتی رضا کارانہ جمعیت کے جس میں جنگجو "احابیش" بھی شریک تھے عمرو بن العاص عبداللہ بن الزبعریٰ، صبیرہ بن ابی وہب، مسافع بن عبد مناف اور ابو عزۃ عمرو بن عبداللہ الجمحی کو تمام قبائل عرب میں بھیجا اور خطرے کی اہمیت سمجھا کر مدینے پر حملے کے لئے مدعو کیا۔ اس میں اتنی کامیابی ہوئی کہ "فالبتوا العرب وجمعوھا" غرض تین ہزار کی جمعیت سال بھر کے عرصہ میں تیار ہوئی جس میں سات سو زرہ پوش اور دو سو گھوڑے بھی تھے[۴]۔ اس تیاری کی اطلاع مسلمانوں کے خفیہ نگار نے بر وقت آنحضرتؐ کو دیدی[۵] اور مدینہ بھی مدافعت کے لئے تیار ہو گیا اور وسط شوال ۳ھ میں احد کی معرکہ آرائی ہوتی۔ قریشی معہ اپنے حلیفوں کے مدینے پر دھاوا بولتے ہیں اور احد پہاڑ کے دامن میں لڑائی ہوتی ہے۔

محل وقوع اور وجہ انتخاب } احد ایک پہاڑ ہے جو مدینے کے شمال میں تین ساڑھے تین میل کے فاصلے پر شرقاً غرباً پھیلا ہوا ہے۔ مکے کے متعلق سب جانتے ہیں کہ وہ مدینے کے جنوب میں واقع ہے۔ عرصے سے میں یہ سوچتا

---

[۱] سیرت شامی احوال اُحُد [۲] بر موقع۔ [۳] ابن ہشام ص ۵۵۵ و مابعد

[۴] ابن ہشام ص ۵۶۱ [۵] سیرۃ شامی "وکتب العباس الی رسول اللہ بذلک مع رجل من غفار"

[۱] اقتباس از کتاب "عہد نبوی کے میدان جنگ"

اور بہتوں سے پوچھتا رہا کہ مکّے والے مدینے کے جنوب پر کیوں حملہ آور نہیں ہوئے اور کس مصلحت سے مدینے کے شمال میں جا کر اپنی واپسی اور اپنی کمک وغیرہ کا راستہ بند کر لیا۔ جب میری کسی طرح تشفی نہ ہوئی تو مجبوراً میں اس نتیجے پر پہنچا کہ موجودہ اُحد وہ مقام نہیں ہے جہاں غزوہ اُحد پیش آیا اور یہ کہ قدیم اُحد اصل میں مدینے کے جنوب میں قبا کے قرب جوار میں کسی جگہ واقع ہوگا۔ قدیم مؤرخین اور جغرافیہ نگاروں کا متفقہ بیان کہ اُحد مدینے کے شمال میں ہے اور حتیٰ کہ حضرت حمزہؓ کا مزار بھی میری تشفی نہ کر سکے۔

لیکن جب میں نے بر سر موقع مقامیاتی (ٹوپوگرافیکل) مطالعہ کیا تو وہ چیز سمجھ میں آ گئی جو بیسیوں کتابوں کی سالہا سال ورق گردانی سے بھی نہ آئی تھی۔

مدینہ ایک ایسے مقام پر آباد ہے جو دس ایک میل لمبے اور اتنے ہی چوڑے میدان پر مشتمل ہے اسی میدان کو "جوفِ مدینہ" اور بعد میں "حرم مدینہ" کا نام دیا گیا۔ اس میدان کے اطراف ہر سمت میں اونچی اور ایک دوسرے سے متصل پہاڑیوں کا سلسلہ بڑی دور تک چلا گیا ہے اور آمد و رفت تنگ وادیوں اور گھاٹیوں میں سے ہوتی ہے۔ جبل عیر اور جبل ثور سے محدود ہونیوالا یہ میدان بالکل ہموار بھی نہیں ہے بلکہ بیچ میں سلع کا پہاڑ اور دیگر متعدد چھوٹی پہاڑیاں واقع ہیں جن کو بڑی جنگی اہمیت حاصل ہے۔

عہد نبوی میں مدینہ کوئی اس طرح کا شہر نہ تھا جیسا کہ وہ آج کل ہے یا جس طرح کے گنجان محلوں کے مجموعوں کے ہم عادی ہیں۔ اس زمانے میں وہاں عرب اور یہودی قبیلے بستے تھے اور ہر قبیلے کا محلہ یا گاؤں دوسرے سے الگ اور فرلانگ دو فرلانگ یا اس سے بھی زیادہ فاصلے پر واقع تھا۔ اس طرح کے گاوؤں کا سلسلہ جبل عیر سے جبل ثور تک برابر پھیلا ہوا تھا۔

ان گاوؤں کی حالت یہ تھی کہ ان میں ایک یا زیادہ پانی کے کنوئیں ہوتے۔ رہائشی مکان پتھر کے بنے ہوتے اور عموماً دو منزلہ ہوتے۔ ہر گاؤں میں برج کی وضع کی مستحکم عمارتیں ہوتیں جن کو آطام او آجام کہا جاتا۔ جنگ کے زمانے میں عورتیں بچے، جانور اور دیگر اسباب ان میں منتقل کر دیا جاتا۔ ایک زمانے میں ان آطام کی تعداد ایک سو سے زائد ہو گئی تھی۔ ایک اور زمانے میں خاص ایک قبیلۂ بنی زید میں (۱۴) آطام تھے۔ ان میں سے بعض بہت بڑے ہوتے

تھے، چنانچہ اُحیحہ بن الجلاح کا اُطم الضحیان کتاب الآغانی[1] کے مطابق سہ منزلہ تھا۔ سب سے نیچے کی منزل لاوے کے سیاہ پتھروں سے تعمیر ہوئی تھی۔ اس سے اوپر کے دو درجے (نبرۃ) چاندی کی طرح سفید پتھروں سے بنائے گئے تھے اور یہ اطم اتنا اونچا تھا کہ اونٹ کی ایک دن کی مسافت سے اس کو دیکھ سکتے تھے ـــــ قبا کے قریب اس اطم کے کھنڈر اور اس کی سب سے نیچے کی منزل اب تک باقی ہیں اور مدینے کی دورِ جاہلیت کی حربی تعمیر کے مطالعے کا موقع دیتے ہیں۔ ان آطام کے اندر اکثر پانی کے کنوئیں بھی ہوتے تھے تاکہ محاصرے کے وقت کام دیں۔

ان منتشر اور دور دور بسے ہوئے محلّوں کے علاوہ مختلف افراد یا قبائل کے باغ تھے اور عموماً ان کا احاطہ پتھر کی دیوار سے بنایا جاتا تھا۔ یہ باغ آبادی کے اطراف چوطرف پھیلے ہوئے تھے۔

ان قبائلی آبادیوں میں سے ایک کا نام یثرب تھا اور یہ گاؤں اب تک باقی ہے ممکن ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں یہ سب سے اہم آبادی ہو اور اسی کی بنا پر پورے جوف مدینہ کے دیہات پر یثرب کا اطلاق ہوتا ہو، جس کی نظیریں ہر ملک میں ملتی ہیں۔ مدینۃ النبی کا محلہ ـــــ جہاں آنحضرتؐ رہتے تھے۔ کم و بیش وسط میں واقعہ ہے۔ مکے والوں کو عام اہل مدینہ سے کوئی پرخاش نہ تھی۔ وہ صرف آنحضرتؐ پر اپنا غصہ اُتارنا چاہتے تھے مسکن نبویؐ تک پہنچنے کے لئے جنوب میں گنجان باغوں کے باعث لڑائی کا کوئی میدان نہ تھا۔ جنوب مشرق میں قبا اور عوالی کی آبادیاں اور باغ تھے۔ مشرق میں مسلسل یہودی محلّے تھے جو شمالاً جنوباً قبا سے لیکر تقریباً اُحد تک چلے گئے تھے۔ باغوں یا محلّوں کا سلسلہ جنوب مغرب اور مغرب میں بھی پھیلا ہُوا تھا مگر نسبتاً کم گنجان تھا۔ مدینے کی موجودہ فصیل پر شمال میں باب الشامی کے پاس بنو ساعدہ رہتے تھے۔ جن کا سقیفہ اب تک موجود ہے۔ اس سے آگے تو دجبل سلع پر بنو حرام رہتے تھے۔ ان کا قبرستان اور سقیفہ بھی اب تک باقی ہیں۔ شمال مغرب میں وادی العقیق کے کنارے بئر رومہ تک بکثرت باغ تھے۔ بئر رومہ مع اراضی تابعہ ابتداً یہودیوں کے قبضے میں تھی[2]۔ شمالی حصہ البتہ کھلا ہُوا تھا۔ چونا ملی ہوئی سفید چوڑی زمین کے باعث آج

---

[1] ج ۱۲ - ص ۱۲۴
[2] احادیث فضائل حضرت عثمانؓ میں بئر رومہ کی خریدی کا ذکر۔

بھی وہاں زراعت نہیں ہو سکتی۔ ادہر سے مدینۃ النبی کا راستہ کھلا ہوا بھی تھا۔ جیسا کہ اوپر
بیان ہوا، مدینے کے جنوب میں بلند پہاڑیاں ہیں، اور راستہ صرف وادیوں اور گھاٹیوں میں
سے گذرتا ہے۔ عہد نبوی میں مدینے کو براہ راست جنوب سے آنے کے لئے قبا کی طرف
ایک سخت دشوار گذار راستہ جو لاوے کے پتھروں سے اٹا ہوا ہونے کے باعث شاذ
ہی اختیار کیا جاتا تھا۔ آنحضرتؐ نے ہجرت کے وقت دشمن کے تعاقب کے خیال سے مصلحۃً
یہ راستہ اختیار فرمایا تھا۔ کسی فوج کے لئے لاوے سے اٹے ہوئے میدانوں میں گزرنا آدمی
اور جانور دونوں کے لئے سخت تکلیف دہ ہے اور دوپہر کو ان پتھروں کے گرم ہو جانے کے باعث
وہاں پڑاؤ ڈالنا بھی کم پسند کیا جا سکتا ہے۔ مدینے کے مشرق اور مغرب دونوں طرف شمالاً
جنوباً لاوے کے یہ میدان پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کو "لابہ" اور "حرّہ" کہا جاتا ہے۔ ان حرّوں میں
آبادی کے مکان تو تھے۔ غالباً جنگی مصلحت سے ۔ لیکن باغ نہیں۔ اگر تکلیف گوارا کر کے
ان حرّوں پر سے فوج گذر بھی جائے تو ایسے میدانوں میں لڑائی بھی آسان نہیں۔

مزید برآں مدینے کو آنے کا جنوبی راستہ جو آج کل باب العنبریہ سے داخل ہوتا ہے ابھی تین
سو سال پہلے تعمیر ہوا ورنہ قدیم زمانے میں کاروانوں کا راستہ یہ تھا کہ ذوالحلیفہ سے گذرتے
ہی جبل عیر کے مغرب سے وادی العقیق کے اندر سیدھے شمال میں زغابہ کے سنگم (مجمع الاسیال)
تک جائیں اور وہاں سے مدینے کو جانے کے لئے جنوبی طرف مڑیں۔ وادیوں کے یہ راستے
نرم ریت پر مشتمل ہونے کے باعث اونٹوں کو بھی پسند تھے۔

غرض یہ جغرافیائی دشواریاں تھیں جن کے باعث قریش کی تھکی ہوئی فوج اور بارہ دن کے
کوچ سے نیم مردہ جانوروں نے بھی مدینے سے دور زغابہ میں جا کر ٹھہرنا پسند کیا۔ یہاں پانی افراط
سے تھا۔ چارہ بھی ملتا تھا۔ اور چونکہ کامیابی کا یقین تھا اسلئے واپسی کے راستے کی بھی فکر نہ تھی۔

جیسا کہ بیان ہوا اُحُد پہاڑ مدینے کے شمال میں شرقاً غرباً کم و بیش بخطِ مستقیم پھیلا ہوا
ہے۔ تقریباً وسط میں ایک جگہ خم آتا ہے اور نیم دائرے یا گھوڑے کی نعل کی شکل کا ایک
کافی وسیع میدان بن گیا ہے۔ اس کے عقب یعنی شمالی حصے میں ایک بہت ہی تنگ درے
سے گذرنے پر اور مزید کھلے یا محفوظ میدان مل جاتے ہیں۔ اُحُد کے جنوبی دامن میں وادی قناۃ

گزرتی ہے۔ وادیٔ قناۃ کے جنوب میں جبل عینین واقع ہے جسے اب جنگ احد میں تیراندازوں کے تعین کے باعث جبل الرماۃ کہا جاتا ہے۔ وادی قناۃ کے شمال میں جبل اُحد کے دامن میں جو کھلا میدان ہے اس میں پانی کے دو چشمے اب بھی موجود ہیں اور کوئی تعجب نہیں جو انہیں چشموں کے باعث جبل الرماۃ کو جبل عینین (دو چشموں والا پہاڑ) کہا جاتا رہا ہو۔

جب قریشی فوج مدینے کے قریب ذوالحلیفہ پہنچی تو مسلمانوں کے جاسوس اس میں شامل ہو گئے اور جب یہ فوج جبل اُحد کے مغرب میں زغابہ میں مقیم ہو گئی تو مدینہ آکر رپٹ دی۔[۱] آنحضرت صلعم نے بھی ــــ جو ابتداءً شہر کے اندر ہی رہ کر مدافعت کرنی چاہتے تھے، لیکن بعد میں فوج کے نوجوان افسروں کے اصرار پر باہر نکل کر مقابلے کو منظور فرماتے ہیں[۲] ــــ اپنی فوج کو اُحد کی طرف چلنے کا حکم دیا۔ آبادی کے باہر جمع ہونے پر شیخین کی گڑھیوں کے پاس استعراض (ریویو) ہوا اور رضاکاروں کا تنقیدی نظر سے معائنہ فرمایا۔ کم عمر بچے واپس کر دیئے گئے[۳]۔ البتہ عورتوں کی کافی تعداد ساتھ رکھی گئی جو لڑائی کے وقت زخمیوں اور دیگر سپاہیوں کی خدمت کرتی رہیں۔ ان میں ام المومنین بی بی عائشہ بھی تھیں جن کا مشکیں بھر بھر کر پانی لانا اور زخمیوں کو پلانا صحیح بخاری میں تفصیل سے بیان ہوا ہے اس فوج میں کل سات سو آدمی تھے۔ جن میں سے صرف ایک سو کے پاس زرہیں تھیں[۴] باقی مختلف قسم کے ہتھیاروں میں سے ایک یا چند لئے ہوئے تھے۔ پہلے دن اسی جگہ قیام رہا جہاں رضاکاروں کو جمع ہونے کا حکم دیا گیا تھا اور جہاں فوج کا معائنہ ہوا تھا۔ اس جگہ شیخین نامی دو مشہور آطام (چھوٹے قلعے) بھی تھے[۵]۔ رات کو پچاس سپاہی حفاظت کے لئے اسلامی پڑاؤ کے اطراف گشت کرتے رہے[۶] تاکہ شب خون کا اندیشہ نہ رہے۔ دوسرے دن آگے بڑھ کر جبل اُحد کے مذکورہ کھاؤ کے اندر پڑاؤ ڈالا گیا[۷] جس سے بہتر اور محفوظ مقام نہیں مل سکتا۔ آنحضرتؐ نے نے فوراً مورچوں پر قبضہ کیا اور جبل عینین (جبل الرماۃ) پر پچاس تیرانداز متعین کئے کہ

---

[۱] مغازی الواقدی ورق (۹۰ ب) [۲] ابن ہشام ص ۵۵۸ [۳] سیرۃ شامی بر موقع [۴] ایضاً ذنزل بالشیخین و هما اطمان) [۵] ایضاً (استعمل علی الحرس تلک اللیلۃ محمد بن مسلمۃ فی خمسین رجلا یطوفون بالعسکر) [۶] ایضاً۔

اگر دشمن وادیٔ قناۃ کی راہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کو ٹکڑی بھیجے تو اسے روکیں۔[۱] باقی چھ ساڑھے چھ سو سپاہیوں سے آنحضرتؐ نے قریش کی تین ہزار کی جمعیت کے مقابلے کا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھا۔ متعدد مورخوں نے لکھا ہے کہ لڑائی کے دن آپ نے دوہری زرہ زیب تن فرمائی تھی[۲] اور بعض بیانوں سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑائی کے دن آپ نے کعب بن مالک سے زرہ بدلی بھی فرمائی[۳] — غالباً اس لئے کہ دشمن پہچان نہ سکے۔

جبل عینین اور جبل اُحد کے درمیان آج کل جو فاصلہ ہے وہ اتنا وسیع ہے کہ پچاس تیر اندازوں کے ایک رسالہ کو روکنا ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ قریش کے ساتھ دو سو گھوڑوں کا ہونا بیان کیا جاتا ہے۔ جو خالد بن الولید اور عکرمہ بن ابی جہل کی کمان میں تھے[۴] دوسرے الفاظ میں وادیٔ قناۃ سے گھسنے کی کوشش کرنیوالا خالد بن الولید کا رسالہ کم سے کم سو سواروں پر مشتمل تھا۔ اور موجودہ چوڑائی اتنی ہے کہ یہ رسالہ مسلم تیر اندازوں کی زد سے پرے حفاظت سے گذر سکتا ہے۔ اس دشواری کا حل سوائے قیاسات کے ممکن نہیں گمان یہ ہوتا ہے کہ اُحد اور وادی قناۃ کے مابین اس وقت جو ہلکے سے ڈھلوان کا میدان ہے وہ ۳ھ میں اتنا ہموار نہ تھا جتنا اب ہے۔ مؤرخین کے بیان کے مطابق وادی قناۃ میں بارہا شدید طغیانیاں آتی رہی ہیں۔ چنانچہ حضرت حمزہؓ کو اسی بنا پر ابتدائی مدفن سے نکال کر موجودہ قبر میں دفن کرنا پڑا تھا۔ ان طغیانیوں نے ڈھلوان کو — جو اُحد کی طرف سے اترتا ہوا قناۃ کی طرف آتا ہے — ہموار تر کر دیا ہے۔ دوسرے جبل الرماۃ پر حالیہ زمانوں میں جو مکان تعمیر ہوئے، نیز حضرت حمزہؓ کے مقبرے اور عظیم الشان مسجد کو بنانے اور ان کئی درجن مکانوں کو تعمیر کرنے میں جو وادی قناۃ کے کنارے مقبرہ حضرت حمزہؓ کے مشرق میں ہیں اُحد کے دامن سے پتھر حاصل کئے گئے اور اس سنگ تراشی یا سنگ براری نے بھی احد و عینین کے درمیانی ڈھلوان کو مسطح کر دیا۔ ورنہ قدیم زمانے میں اُحد کے دامن میں عینین کے تیر اندازوں کی زد سے بچ کر سوار نہیں گذر سکتے ہوں گے، ایک یہ بھی امکان ہے کہ وادی

۱؎ ابن ہشام ص ۵۶۰ ۲؎ ابن ہشام ص ۵۷۰ ۳؎ کتانی ۱/۲۷۱ نیز استیعاب ۱/۲۰۹ ۴؎ ابن ہشام ص ۵۶۱

قناۃ کے باعث نیز دو چشموں کی موجودگی کی بنا پر اُحد اور قناۃ کے مابین باغ، مکانات وغیرہ ہوں جو اب باقی نہیں رہے اور یہ رسالے کو روک سکتے ہونگے اور وہ صرف وادی قناۃ کے میں سے گذر سکتا ہوگا۔ اگر رسالہ صرف وادی قناۃ میں سے گذرنا چاہے تو تیر انداز اسے اچھی طرح زد میں لے سکتے ہیں اس دشواری کا ایک خاصا بڑا حل اس تفصیل میں مل جاتا ہے کہ تیر اندازوں کی ہمکاری کے لئے چند سوار بھی متعین تھے جیساکہ ابھی نیچے ذکر آئے گا باغوں کا بھی ہمیں ذکر ملتا ہے۔ ابو دجانہ کا دامن اُحد میں رسول کریم سے ایک خصوصی تلوار اپنی بہادری کے اظہار کے لئے حاصل کرنا مشہور واقعہ ہے۔ اس موقع پر ان کا کہا ہوا ایک شعر جو طبری (ص ۱۴۲۶) اور ابن ہشام (ص ۵۶۳) میں محفوظ ہے، کوئی تعجب نہیں جو اصلی ہو

انا الذی عاهدنی خلیلی　　ونحن بالسفح لدی النخیل

اور یہ بظاہر اسی جگہ ایک نخلستان کے ہونے کا ذکر کرتا ہے جو اُحد اور جبل رماۃ کے مابین ہے۔

جنگ احد کے دن قریشی فوج زغابہ سے سیدھے اُحد کے جنوبی دامن میں پہنچ گئی ہوگی اور موجودہ مغربی مقبرۂ شہداء پر مسلمانوں سے اسکی مٹھ بھیڑ ہوئی ہوگی۔ خالد بن الولید کا رسالہ کدھر سے آیا؟ میرا قیاس ہے کہ وہ زغابہ کے شمال مشرق میں اُحد کے پیچھے سے گذرتا ہوا مشرقی طرف سے میدان اُحد کی طرف آیا، جہاں باوجود کئی بار بڑھنے کی کوشش کے تیروں کی باڑھ اسے پسپا ہونے پر مجبور کرتی رہی۔ طبری (ص ۱۳۹۴ وما بعد) سے یہ اہم واقعہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دشمن کے رسالوں کے مقابلہ کے لئے آنحضرت نے اپنے مختصر رسالے کے بھی دو حصے کئے تھے اور حضرت زبیر کا رسالہ تیر اندازوں کے ساتھ ہمکاری کرتے ہوئے خالد کے رسالے کو پسپا کرنے میں کامیاب حصہ لیتا رہا۔

تاریخ میں جانتے ہیں کہ اہل مدینہ کی جانبازی کے باعث قریشی لشکر کے پاؤں جلدی ہی اکھڑ گئے۔ اور مسلمان سپاہی لوٹ کھسوٹ کرنے لگے۔ اس وقت تیر انداز بھی پہاڑ سے اتر آئے اور مال غنیمت جمع کرنے کے لئے چوطرف پھیل گئے، حالانکہ آنحضرتؐ نے انھیں ہر حال

ف۔ ابن ہشام ص ۵۶۹

میں اپنی ہی جگہ جمع رہنے کی تاکید فرمائی تھی حتیٰ کہ مسلمان فوج کو شکست بھی کیوں نہ ہو جائے سات آٹھ تیر انداز جو وہاں رہ گئے، خالد بن ولید کے رسالے کے ننئے دھاوے کو روکنے کے ناقابل تھے۔ جب ان سواروں نے مسلمانوں پر اچانک پیچھے سے حملہ کیا[1] اور وہ بھی پسپا ہونے والا قریشی لشکر بھی تھا اور دوبارہ حملہ کیا۔ اب مسلمان دو طرف سے گھر گئے اور آنحضرتؐ کی شہادت کی افواہ پھیلی[2] تو اُن کے اوسان اور بھی خطا ہوئے اور آخر انہیں شکست ہو گئی اور اکثر مدینے کی طرف بھاگ نکلے۔

قریش سمجھے کہ ان کا کام ختم ہو گیا اور وہ اپنے اونٹوں پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔[3] آنحضرت زخمی ہو گئے تھے۔ آپ کے دندان مبارک کو بھی دشمن کی سنگ اندازی سے صدمہ پہنچا تھا[4] اور دشمن کے کھود کر چھپائے ہوئے ایک گڑھے میں بھی اتفاقاً[5] آپ گر پڑے تھے۔[6] مگر دشمن مسلمانوں سے میدان کو خالی پا کر اپنے پڑاؤ کی طرف روانہ ہونے لگا تو پیچھے کچھ مسلمان سپاہی پھر جمع ہونے لگے اور آنحضرت بھی گڑھے سے نکلے اور احد پہاڑ کے مشرقی حصے پر اپنے ساتھیوں کی مدد سے چڑھے[7] اور وہاں کے محفوظ غار میں جا کر آرام لیا۔ جس میں ایک آدمی آرام سے لیٹ سکتا تھا[8] اور متعدد لوگ اس کے بازو بیٹھ سکتے ہیں۔ آنحضرتؐ کی سلامتی کی خبر پھیلی تو مسلمان سپاہی بھی اس غار کی طرف چڑھنے لگے۔ اس اجتماع کو دیکھ کر چند دشمن کے سپاہی متوجہ ہوئے مگر مسلمان بلندی پر تھے ان کی سنگ اندازی کا مقابلہ ایک چھوٹی ٹکڑی نہیں کر سکتی تھی اور اپنے ساتھیوں کو جاتا دیکھ کر انھوں نے اس آخری مورچے کو زیادہ اہمیت بھی نہ دی۔ اور خود بھی روانہ ہو گئے۔ آنحضرتؐ کو خوف ہوا کہ کہیں یہ شہر مدینہ میں گھس کر وہاں لوٹ مار اور آتش زنی نہ کریں۔ مگر جب یہ خبر ملی کہ گھوڑوں کو کوتل بنا کر دشمن اونٹوں پر سوار جا رہا ہے تو یہ نتیجہ نکالا گیا کہ وہ لمبے کوچ کا ارادہ رکھتا ہے مدینہ پر دھاوے کا نہیں۔[9] آنحضرتؐ پھر بھی مطمئن نہیں ہوئے اور اس خیال سے دشمن اپنی غلطی پر نادم ہو کر پھر راستے سے واپس نہ پلٹے آپ قریش کے پیچھے پیچھے روانہ ہوئے اور آٹھ دس میل تک جا کر کافی عرصہ راستے پر قیام کیا اور جب اطمینان ہو گیا تو مدینہ واپس آ گئے۔[10]

---

۱ ابن ہشام ص ۵۷۰ ۲ ابن ہشام ص ۵۷۰ ۳ ابن ہشام ص ۵۵۵ و مابعد ۴ ابن ہشام ص ۵۷۱ ۵ ابن ہشام ص ۵۷۲، ۵۷۳ ۶ ایضاً ص ۵۷۲، ۵۷۶ ۷ ایضاً ص ۵۷۶ ۸ ۹ ابن ہشام ص ۵۸۳ ۱۰ ص ۵۸۸

قرآن پڑھو

از قلم حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم مغفور

قرآن کریم نے ہر ایک امر میں صاحب کمال بننے کا طریق سکھلایا ہے۔ جو شخص چاہے کہ اس خسران سے خود بھی بچے اور اپنی قوم کو بھی بچائے۔ جو زمانہ کی ہر ایک چیز کے لاحق ہے وہ سورۃ العصر کے مطالب کو دائرہ عمل میں لائے جو شخص اپنے لئے خیر و برکت میں کثرت بہتات اور اپنے بدخواہوں کے لئے ناکامی دیکھنا چاہے وہ سورۂ کوثر کو زیر نظر رکھے مال و اولاد کی کثرت کے لئے سورۂ ھود۔ بغرض عمل زیر نظر رکھے۔ الغرض دنیوی فلاح کا کونسا طریق ہے جو قرآن نے نہیں بتلایا۔ مگر اس سے بڑھکر اور کیا بدقسمتی ہو سکتی ہے کہ ہم قرآن پڑھتے ہی نہیں۔ ہمارے واعظ ہمارے معاملات دنیوی میں قرآن کے احکام ہمیں بتلاتے ہی نہیں۔ میں یہاں مثال کے طور پر وہ جامع مانع طریق لکھتا ہوں جو کسی فن یا کسی روزگار میں دوسروں سے سبقت لے جانے کے لئے ہی نہیں۔ بلکہ اس فن میں یکہ و ماہر بننے کیلئے قرآن نے تجویز کیا ہے۔ اور ماہر بھی وہ ماہر جو اس فن میں صاحب تدبیر سمجھا جائے اور لوگ بطور سند اس کی طرف دیکھیں۔ وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۝ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۝ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۝ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۝ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝ تم اگر کسی فن میں سبقت لے جانا چاہو اور سبقت بھی وہ سبقت کہ تمہاری شان اس معاملہ میں ایک مدبر فی الامر کی ہو جائے تو (وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا) سب سے اول تم ہر ایک دوسرے کام کو قطعاً چھوڑ دو اور اس ایک کام میں ایسا انہماک پیدا کرو کہ گویا تم اس میں تو غرق ہو گئے۔ اور تم میں اور باقی کاموں میں نزاع کلی ہو گئی۔ اس یکسوئی سے تمہاری طبیعت ضرور اکتائیگی لیکن تم اس میں لگے رہو آہستہ آہستہ تم اس میں دلچسپی لینے لگ جاؤ گے۔ اور تمہیں اس میں اتنا مزہ آئے گا۔ کہ وہ کام تمہارے نشاط قلب کا موجب ہو گا (وَالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا) پھر بھی اس کام میں لگے رہو اور کچھ ایسی مہارت پیدا کر لو کہ تم (وَالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا) اس فن کے پیراک ہو جاؤ۔ جب اس مقام

پر پہنچو گے تو پھر تم اوروں سے سبقت لے جاؤ گے (فالسّٰبقت سبقًا) اور سبقت کیا معنی (فالمدبرات امرا) تم اس فن کے پیر استاد ہو جاؤ گے۔

واحسرتا! خدارا غور کرو۔ تم کسی فن میں کسی ماہر کا نام لو۔ اس کی زندگی کا مطالعہ کرو تم ان مراحل بالا کو ہی اس کے زیر عمل پاؤ گے۔ پھر تم کو تو تمہارا خدا حکم دیتا ہے۔ ان پر چلنا تو ایک مومن کی شان تھی۔ تم کو کیا ہو گیا۔ تم انہیں چھوڑ بیٹھے ہو۔ لیکن اس وقت ہندو۔ عیسائی یہودی آتش پرست۔ غرض کہ دوسری قومیں ان ہدایات کو اپنا خضر راہ بنا کر اس ملک میں ہم سے سبقت لے جا رہے ہیں۔ ہم نے ان ہدایات خداوندی کی پرواہ نہ کی۔ ہم سب سے پیچھے رہ گئے۔

الغرض کسی فن کا ماہر کوئی اُسی وقت ہو سکتا ہے کہ جب دوسرے امور سے نزاع کلی یعنی انقطاع تام کر کے دلچسپی اور نشاط قلب کے ساتھ اس میں لگ جاتا ہے۔ خدا رسی کا بھی یہی طریق ہے۔ اسی کو قرآن نے تبتل کہا ہے۔ سلوک کی یہ پہلی منزل ہے۔ جو اس منزل اول یعنی انقطاع الی اللہ میں استقامت سے کھڑا ہو گیا۔ اور یہ حالت اس کے سرور کا موجب ہونے لگے۔ تو وہ خلعت ابدالیت سے مزین کیا گیا۔ الغرض اگر والنّٰزعٰت غرقًا۔ والنّٰشطٰت نشطًا کا رنگ ابدالیت کے لئے ضروری ہے۔ تو مچھلی کی طرح بحر حقیقت میں غواصی کرنا مقام قطبیت کے مطالبات میں سے ہے ان میں سے دوسروں پر سبقت لے جانے والا چادر غوثیت میں لپٹا جاتا ہے۔ ہاں اس کے بعد پھر کوئی غوث الاقطاب بنے یا سید الاولیا ٹھیرے۔ یہ اسکی اپنی مزید کوشش و عمل سے تعلق رکھتا ہے۔

میدان عمل میں چلنے والے کے سامنے جو بات ہونی چاہئیے۔ وہ فالسّٰبقت سبقًا ہے۔ یعنی میں اپنے نصب العین میں دوسروں پر سبقت لیجاؤں۔ اسی جذبہ کے پیدا کرنے کے لئے دنیا میں توحید کا ایمان لانا سکھلایا گیا۔ اس سے بڑھکر مشرک کون ہے جو "ہر چہ انسان کند کند انسان" پر ایمان نہیں رکھتے۔ توحید کے راگ میں شہنائی نبوت سے انا بشر مثلکم کا خوش کن نغمہ اسی لئے ہمارے کانوں تک پہنچا۔ کہ امور اکتسابیہ میں ہم کسی انسان کو اپنے سے برتر نہ سمجھیں۔ نبوت تو اکتسابی نہیں۔ بلکہ امر وہبی یعنی عطیہ ربی ہے۔ مگر اس کے سوا ہر ایک دوسرے امر مکسوبہ میں جس نے یہ سمجھا کہ جو امر زید کر سکتا ہے۔ وہ کوئی

وہ کوئی اور انسان نہیں کر سکتا وہ شرک عظیم کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ اس شرک سے بچنے پر ہی انسان میں جذبۂ سبقت پیدا ہو کر اسے من بر فی الامر بنا دیتا ہے :

اس مقام پر پہنچنے والا اگر اپنے اندر شرح صدر بھی رکھتا ہو تو پھر ایک طرف اس کی پیٹھ ہر قسم کے بارہائے گراں سے آزاد ہو جائے گی۔ اور دوسری طرف اس کا ذکر بلند ہو جائیگا۔

یاد رہے کہ قرآن کریم نے جہاں آنحضرتؐ کے مقامات عالیہ کا مختلف پیرایوں میں ذکر کیا ہے۔ پھر اگر وہ مقامات مناسب حدود کے اندر دست اکتساب کے لئے کھلے ہیں تو اسی جگہ قرآن ہمیں ان مقامات پر پہنچنے کا راستہ بھی بتا دیتا ہے۔ قرآن آنحضرت صلعم کی ذات کے متعلق تو امور مستقبل کو بصیغۂ ماضی اس لئے بول دیتا ہے کہ آنحضرتؐ کے متعلق ان کا حصول ایک امر فیصل شدہ ہے۔ ہاں جو کام کرنے کے لئے آنحضرتؐ کو حکم دیتا ہے وہ دراصل اس مقام پر پہنچنے کا راستہ ہوتا ہے۔ جس پر چل کر کوئی دوسرا بھی ایک حد تک پہنچ جاتا ہے۔

مثلاً انا اعطینک الکوثر ہ فصل لربک وانحر ہ ان شانئک ھو الابتر

کیا ہم نے تجھے کثرت سے خیر و برکت نہیں دی۔ تو اب صلوٰۃ اور قربانی کا پابند ہو جا۔ تیرا دشمن ہی ابتر ہوگا۔ تیرے نام لیوا تو ہمیشہ تک دنیا میں رہیں گے جو شخص کثرت سے خیر و برکت حاصل کرنا اور اپنے بد خواہوں کو اپنے مقابل نامراد دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ اس سورۂ شریف میں فصل لربک وانحر کی حقیقت سمجھے۔ اور اس پر عمل کرے جس کی تشریح انشاء اللہ العزیز اپنے مقام پر کی جائے گی۔ یہاں ہمیں یہ دکھلانا تھا کہ جو مقاماتِ عالیہ آنحضرتؐ کو یقیناً ملنے تھے ان کے حصول کا راستہ بھی قرآن وہیں بیان کر دیتا ہے جہاں اس مقام کا ذکر ہوتا ہے۔ اور اگر اس کا دروازہ کسی اور کے لئے بھی کھلا ہو تو اس کا بھی راستہ وہی ہوتا ہے۔

آجکل جہاں صحیح اور سچے لیڈروں کی ضرورت ہے وہاں لیڈری کا گرم بازار بھی سخت گرم ہے۔ خیال شہرت انسان کو اس میدان میں لے آتا ہے۔ اس میں بھی مضائقہ نہیں بشرطیکہ یہ لوگ صحیح طور پر اپنا اپنا فرض ادا کریں۔ اس قحط الرجال میں یہ سب غنیمت ہے بالمقابل جو سچا لیڈر بننا چاہے اسے اپنی پیٹھ بھی مضبوط کر لینی چاہیئے۔ اس وقت فرائض لیڈری اس قدر بارِ گراں ہے۔ کہ اس سے مضبوط سے مضبوط پیٹھ ٹوٹ سکتی ہے لیکن قرآن کریم نے ہمیں

راہ بتلائی کہ جس سے انسان سبکسار ہی رہے۔ اور مناسب شہرت بھی ہو۔ طبعاً ہر ایک انسان
میں دو باتوں کی خواہش ہوتی ہے۔ پہلے تو وہ یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے بوجھوں سے سبکسار ہو،
پھر وہ یہ چاہتا ہے، کہ لوگ اس کا ذکر خیر کریں۔ اس کا نام روشن ہو۔ اور وہ اس بلندی کو پہنچ
جائے جہاں دوست دشمن کی نگاہ پڑے۔ ان دو امور کی طلب ایک فطری طلب ہے کیونکہ
اسی سے قوت عمل حرکت میں آتی ہے۔ اسی لئے مبداء فیاض نے اسے ہماری فطرت میں رکھ
دیا ہے۔ ہاں ان کے لئے حدود مقررہ ہیں۔ جن سے آگے جانا دنیا کے لئے موجب تباہی ہوا ہے
اس امر میں حدود سے متجاوز ہونے کا نام خودپسندی۔ خود نمائی۔ دوسروں کی نکتہ چینی عیب جوئی
تمامی۔ غیبت۔ مضحکہ۔ ناجائز ہنسی ٹھٹھا کرنا۔ یہ سب باتیں جو ایک دوسرے کے ساتھ بہ تسلسل
مربوط ہیں۔ وہ جذبہ رفعت ذکر کے غلط استعمال یا اس کے غلط طریق پر حاصل کرنے سے پیدا
ہو جاتی ہیں۔ اس سے علی الخصوص ہمارے لیڈر بچیں ؛

یہ ایک لطیفہ فلسفۂ اخلاق ہے جسے قرآن نے ہی کھولا۔ لوگوں نے اخلاق کی تقسیم تو
اخلاق ذمیمہ اور اخلاقِ حسنہ میں کردی لیکن قرآن نے ہی اس راز کو دنیا پر آشکارا کیا۔ کہ ہر نیکی
اور بدی کی بنیاد فطری جذبات ہے جن کے ایک استعمال کا نام نیکی اور ایک استعمال کا نام
بدی ہے۔ مذہب دنیا میں مقررہ حدود سکھلانے آتا ہے۔ کاش خدا کسی کو فرصت اور موقعہ
عطا کرے۔ وہ فلسفۂ اخلاق قرآنی کو ذی علم دنیا کے آگے پیش کرے۔ اور اسے قرآن کی
حکومت تلے لے آئے۔ مغرب کا مسلمان کرنا آج مشکل نہیں۔ اس قسم کا لٹریچر مسلمان پیدا کریں
آج دنیا حلقہ بگوش اسلام ہو جائے گی۔ جو چیز مسلم تلوار کے ٹوٹنے سے جا چکی ہے۔ اُسے
تیغ علوم قرآن آسانی سے واپس لے لیگی ؛

انسان کی فطرت میں جیسے کہ بیان ہوا خدائے تعالیٰ نے جو یہ دو جذبات ڈال دیئے
ہیں۔ یعنے بوجھوں سے رستگاری اور رفعت ذکر۔ یہ دونوں جذبات نعمت الٰہی ہیں۔ یہ دونوں
باتیں اسی نسبت سے کسی کو حاصل ہو جاتی ہیں۔ جس نسبت سے اس میں وسعت قلب اور شرح
صدر ہوتی ہے لیکن سینہ اس کا کھلا ہوتا ہے، جس کا ہاتھ کھلا ہوتا ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ سے
شرح صدر ہوتی ہے۔ اور اس ذکر خیر ادبار گئے گراں سے سبکساری ہو جاتی ہے شرح صدر اور انفاق تو گویا

لازم وملزوم ہیں۔ اور سبکساری ان کا لازمی نتیجہ ہے۔" جس کا کھاتے ہیں اس کا گاتے ہیں
یہ وہ حقیقت ہے۔ کہ جس کے آگے ہر ایک سر جھکاتا ہے۔ تمہاری داد و دہش۔ تمہاری
جود و سخا۔ تمہارا دوسروں کے فائدہ کے لئے ایثار تمہارا اپنا ہرج کر دوسروں کے کام آجانا
یقیناً تمہارے ذکر خیر کا موجب ہوگا۔ اور یہ وہ شان انفاق و عمل ہے۔ جس کی طرف و مما
رزقنٰھم ینفقون اشارہ کر رہا ہے۔ لیکن اس حکم پر تمہارا عمل اُسی نسبت سے ہوتا ہے
جس قدر تم میں وسعت قلب ہوتی ہے اسی طرح تمہاری پیٹھ سے بھی تمہارے بوجھوں کے
ہلکا ہونے کا راستہ بھی یہی ہے۔ وہ بات جو زید کو گھبراہی نہیں دیتی بلکہ اس کو ہلاکت
تک پہنچا دیتی ہے۔ وہ ایک سبع القلب کی نگاہ میں پرپشہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی
یہ حقیقت شاید قارئین رسالہ پر اور بھی کھل جائے اگر گرانباری کی بنیاد کو سمجھ لیں۔ یہ دو امور
سے پیدا ہوتی ہیں۔ جو چیزیں ہمیں محبوب ہوں ان کا ہونا نہ ہونا یا ان کا ہم سے چھن جانا
اگر تم اپنی زندگی کا مطالعہ کرو تو جو چیز تمہاری نگاہ میں آج عزیز و محبوب ہے۔ وہ دوسرے
حالات کے پیدا ہونے پر ایسی بے وقیع ہو جاتی ہیں۔ کہ اگر وہ تم سے چھن جائیں یا تمہارے
پاس ہی نہ ہوں تو تمہیں ذرا بھی پرواہ نہیں ہوتی۔ کل کا بار گراں آج خس و خاشاک کی حقیقت
نہیں رکھتا۔ لیکن وہ بات جو ایک امیر غریب انسان کی نگاہ میں دنیوی چیزوں کو عزیز اور
محبوب رہنے نہیں دیتی۔ وہ اس کی بلند نظری یا سینہ کی کشادگی ہے اس کی مثال تمہارے
اپنے بچپن اور اس کے مابعد بقیہ زندگی ہے۔ ایک بچہ سے اگر چھ دام چھن جائے یا اُسے
اس کی ضرورت ہو اور نہ ملے تو اس کی نگاہ میں دنیا جہان اندھیر ہو جاتا ہے۔ عمر کے بڑھ جانے
پر نگاہ بلند ہوئی سینہ کشادہ ہو گیا۔ اب چھ دام کیا چھ روپے بھی تکلیف نہیں دیتے۔ وہ بات
جو پہلے اپنے وزن میں پہاڑ کی طرح نظر آتی تھی آج وہ ایک ادنے کنکری کے برابر ہو جاتی
ہے۔ وہی بچہ جو کل چھ دام کی چیز کسی اور بچہ کو نہ دینا چاہتا تھا اور اسلئے اپنے ہمچشموں میں بُری
طرح یاد کیا جاتا ہے۔ آج بڑا ہو کر گو کیسا ہی تنگدست ہو۔ کسی محتاج کو آسانی سے چھ روپیہ
دے کر اپنے لئے ذکر خیر پیدا کرا لیتا ہے یہ مثال جو میں نے بچہ کی دی ہے۔ یہ ٹھیک
ہم پر حاوی ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ بار گراں سے انسان کا آزاد ہونا۔ اور اس کے ذکر

نہر سے دنیا کا معمور ہونا کشادگی سینہ کو چاہتا ہے۔ چنانچہ اس حقیقت کو قرآن نے سورۂ انشراح کے پہلے تین جملوں میں بیان کیا ہے۔ الم نشرح لک صدرک و وضعنا عنک وزرک الذی انقض ظهرک ورفعنا لک ذکرک۔ کیا ہم نے تیرا سینہ کشادہ نہیں کر دیا اور تجھ سے وہ بوجھ نہیں اُٹھا لئے جو تیری پیٹھ کو دبا رہے تھے اور تیرا ذکر بلند نہیں کیا۔ ان مختصر فقروں نے مسلمانوں کو سبق دیدیا ہے کہ رفعت ذکر اور سبکدوشی بار گراں کی کنجی شرح صدر ہے۔

یہ شرح صدر کیسے پیدا ہو۔ اس کا تفصیلی جواب تو تم قرآن کی اُن آیات میں تلاش کرو۔ جن میں تقویٰ اور بر کے حصول کی راہیں لکھی ہیں۔ اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہم محبوب چیزیں دوسروں کو دیدینے کی عادت ڈالیں۔ اس سے یہ چیزیں ہماری نگاہ میں کم حیثیت ہو کر ہمیں ان اغلال سے آزاد کر دیں گی۔ جو ان چیزوں کے چھن جانے یا نہ ہونے سے کوہ کی طرح ہماری کمر کو دوہرا کر دیتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا۔ لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون تم ہرگز نیکی تک پہنچ نہیں سکتے جب تک اپنی محبوب ترین چیزیں تم دوسروں کے فائدہ کے لئے خرچ نہ کرو) کیا مقام حسرت ہے۔ یہ وہ چیزیں ہیں کہ جن کے ہونے پر ہی سوسائٹی وہ مضبوط سوسائٹی بنا کرتی ہے کہ اس کے ممبر دنیا کو ہلانا جانتے ہیں ان سے ہی انسان میں سیرت اور کیرکٹر پیدا ہوتا ہے جو ہم میں نہیں۔ آج ہم عدم تعاون کو لئے پھرتے ہیں اور ہجرت پر زور دیتے ہیں۔ اور رمزہ یہ ہے کہ ان امور عالیہ کی حقیقت سے ہم بہت دور ہیں۔ تم پہلے افراد قوم میں وہ باتیں پیدا کرو۔ انہیں اس راہ پر چلاؤ جس سے ان میں بلند نظری پیدا ہو وہ ان چیزوں کو وقعت دینی چھوڑ دیں جو آج کل ان کی نگاہ میں محبوب ہیں جن امور کے متعلق تم عدم تعاون چاہتے ہو۔ اگر وہ چیزیں ان کی نگاہ میں عزیز یا کفیل کار ہیں تو تمہاری سب کوششیں بیکار ہیں۔ تم مسلمانوں کو لن تنالوا البر... کے حکم کی طرف راغب کرو۔ ان میں انفاق فی سبیل اللہ کی روح پیدا کرو۔ طبعًا ان کی نگاہ میں آج کی عزیز چیزیں بے وقعت ہو جائینگی۔ پھر عدم تعاون کیا چیز ہے خود بخود ان کے اندر روح ہجرت پیدا ہو کر انہیں مقاصد کے حاصل کرنے کے لئے ہر قسم کی قربانی پر تیار کر دے گا۔

وہ دن تمہارے لئے روز عید ہوگا۔ جب تم میں روح ہجرت پیدا ہوگی۔ اگر شور و شر کرنا تمہیں مفید نظر آتا ہے تو بہتر ہے کئے جاؤ۔ لیکن یہ بھی یاد رکھو شور و شر قوت عمل کو بھی کمزور کر دیا کرتا ہے۔ وہ اس متانت اور سنجیدگی کے خلاف ہے۔ جس کے بغیر حقیقی کیرکٹر نہیں بنا کرتا ہیں۔ اس شور و شر کو بنظر استخفاف نہیں دیکھتا لیکن میں یہ کہے بغیر نہیں رک سکتا کہ جس قدر کوشش اس ایجی ٹیشن کے لئے ضروری ہے اس سے نوگنی زیادہ کوشش افراد میں انفاق فی سبیل اللہ و ایثار وغیرہ کی روح پیدا کرنے میں خرچ کرو۔ اور یہ افراد زیادہ تر اٹھتی نسل میں کے ہونے چاہئیں۔ اس لئے تم اسلام پر رحم کرو گے۔ اگر طلبا کو اس ایجی ٹیشن سے الگ رکھو گے۔ اس کے بجائے ان کا نصب العین بدلو۔ ان کے روزگار میں وہ نوعیت پیدا کرو جہاں ان کا دل و دماغ ان کی قوت فیصلہ و تدبر فی الجملہ اُن کی قوت عمل خارجی دباؤ سے آزاد رہے۔ وہ ایک طرف مال پیدا کرنا۔ اور دوسری طرف اس مال سے مانوس نہ ہو کر اُسے فی سبیل اللہ یعنی قومی اغراض میں خرچ کرنا سیکھیں۔ ان کے نزدیک کسی قومی کام کو کر دینا آجکل کے شادی بیاہ رچانے سے زیادہ معزز ہو جائے قرآن نے صدہا راہیں اس سیرت کے پیدا کرنے کی بتلائی ہیں۔ خدارا ہمارے متکلمین قرآن سے وہ باتیں اخذ کر کے انہیں حکیمانہ اور دلآویز پیرایہ میں پیش کریں۔ کہ وہ آسانی سے ان مغربی مزاج نوجوانوں کے حلق سے اُتر جائیں میرے نزدیک یہ جہاد اکبر ہے۔ فلسفہ قرآنیہ پر مختلف رنگوں میں کتابیں لکھو۔ اگر وہ نصاب تعلیم نہیں ہو سکتے تو تم یہ کتابیں اپنے طلباء تک پہنچا دو وہ خالی وقت میں پڑھ سکتے ہیں۔

رفعت ذکر اور سبکدوشی کو جیسے کہ اوپر ذکر آ چکا ہے قرآن نے شرح صدر کے ساتھ وابستہ کیا ہے۔ اس شرح صدر کے حصول کی راہ کی تفصیلات سے تو قرآن بھرا پڑا ہے۔ لیکن ان کا لب لباب سورۂ زیر بحث کے آیات ذیل میں آ جاتا ہے:-

فان مع العسر یسرا ان مع العسر یسرا فاذا فرغت فانصب والی ربك فارغب "بالیقین تکلیف کے ساتھ آسانی ہے اور آسانی کے ساتھ تکلیف ہے پھر جب اس سے آزاد ہو جائے تو بہت کوشش کر۔ اور اپنے رب کی طرف رجوع کر" بظاہر یہ تین جملے ہیں۔ جو نہ صرف ان مراحل ثلاثہ کا ذکر کرتے ہیں جن میں سے گذرنے کے بغیر کوئی

شخص کامل شرح صدر حاصل نہیں کر سکتا۔ بلکہ ان جملوں میں ان عقائد کا بھی ذکر کر دیا ہے جن سے کما حقہٗ آشنائی نہ ہونے نے مشرق اور مغرب کے تمدن پر گہرا اثر کر کے اخلاق و آداب میں اور ایسا ہی دیگر معاملات میں انہیں دو متضاد مقامات پر کھڑا کر دیا۔

کہنے کو تو ہر ایک شخص رنج و راحت کو توام قرار دیتا ہے لیکن ان لوگوں کی تعداد دنیا میں بہت ہی کم ہوتی ہے جو اس اصول کے عملاً پابند ہیں۔ "عسر" اور "یسر" زمانہ میں رات دن کی طرح ہیں کوئی انسان ایسا نہ ہوگا جس نے اپنی زندگی میں یہ دونوں رنگ نہ دیکھے ہوں گے۔ جب یہ دونوں حالتیں ناگزیر ہیں۔ اور ان سے مفر ہی نہیں۔ تو پھر ایک کا حاصل کرنا دوسرے سے بچنے کی کوشش میں لگنا جہاں طبعی تقاضا ہے۔ وہاں سچا انشاط قلب اسی کو حاصل ہو سکتا ہے جو ان دونوں سے لاپرواہ ہو۔ تکلیفیں اسی کو تکلیف دیتی ہیں جو تکلیف سے ڈرتے ہیں۔ آسانی اپنے موجود نہ ہونے پر انہیں کے وبال جان ہو جاتی ہے جو خوگر آسانی ہو۔ انسانی دوڑ دھوپ میں وہی کامیابی تام کا منہ دیکھ سکتا ہے۔ جس کی نگاہ میں تکلیف اور آسانی کی بڑی وقعت نہ ہو جو ہر وقت ان دونوں کا مقابلہ کرنے کو تیار رہو۔ نہ خوگر آسانی اس قدر ہو کہ اس کا نہ ہونا موجب تکلیف ہو۔ نہ تکلیف سے نا آشنا نہ ہو کہ اس کا آنا اس کی مصیبت کا موجب ہو بالفاظ دیگر وہ فان مع العسر یسراً ان مع العسر یسرا کی حقیقت سے عملاً آشنا ہو۔ وہ ایثار و رضا جس کا میں نے ابھی اوپر ذکر کیا ہے یعنی مکسوبہ عزیز چیزوں سے جدا ہو جانا یا ایسی چیز کے نہ ہونے پر چنداں مضطرب نہ ہوتا۔ اگر حسب تصریح بالا شرح صدر کے لئے ضروری ہے۔ تو پھر یہ کیفیت قلب اسے ہی نصیب ہوتی ہے۔ جو بفحوائے آیت بالا تاثرات عسر و یسر سے بالاتر ہو۔ جو نہ راحت کا غلام ہو نہ کلفت سے چنداں ہراساں۔ یہ دونوں حالتیں اس کی نگاہ میں یکساں ہوں۔ وہ کسی حال میں ہو۔ اطمینان قلب کو ہاتھ سے نہیں دیتا۔ نہ اسباب راحت کے پیدا ہونے پر کوئی دوسرا اس کے چہرے پر غیر معمولی بشاشت دیکھتا ہے نہ تکلیف اسے پژمردہ کرتی ہے۔ وہ ہر حال میں رضا بالقضا کا مجسمہ ہوتا ہے۔ یہ مقام مشکل تو ہے۔ لیکن نازک سے نازک اور مشکل سے مشکل مہمات کا کفیل بھی یہی مقام ہے۔ موجودہ مشکلات سے مسلمان اگر نکلنا چاہیں تو پہلے اس مقام پر پہنچنے کی کوشش کریں۔ جس نسبت سے کوئی اس مقام رضا و تسلیم کی سیر کر لگا

اسی نسبت سے کامیابی کے ہم عنان ہوگا۔ یہ مقام اُسے نصیب ہوتا ہے۔ جو رنج و راحت کی ادھیڑ بُن سے فارغ ہو جاتا ہے۔

تفصیل آمد دی ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۴۱ء

تاریخ	کوپن نمبر	اسمائے گرامی معطی صاحبان	پائی	آنے	روپے	تاریخ	کوپن نمبر	اسمائے گرامی معطی صاحبان	پائی	آنہ	روپیہ
۲ ۱/۴۱	۱۹۸۳	جناب شیخ منہاج الدین صاحب مشن۔	۰	-	۱۰			سید حسن شاہ صاحب	۰	۰	۱
	۱۹۸۴	ڈاکٹر دین اکبر خاں صاحب مشن ہمارا امانت ۶	۰	۰	۳			مہر خان محمد خاں صاحب	۰	۰	۵
۱/۴۱	۱۹۹۱	میاں فخرالدین صاحب	۰	۰	۲۵			سید الطاف حسین شاہ صاحب	۰	۰	۷
	۱۹۹۳	جی۔ ایم۔ سعید صاحب	۰	۰	۵			ملک الٰہی بخش صاحب	۰	۰	۲
	۲۰۰۷	کے۔ ایم۔ ایس۔ محمد ابراہیم صاحب	۰	۰	۵			ڈاکٹر شیخ عطاء اللہ صاحب	۰	۰	۱۰
	۲۰۰۸	ملک۔ حاجی احمد صاحب	۰	۰	۵			عبدالرحیم صاحب	۰	۰	۱
	۲۰۰۹	اے۔ ایم۔ جے احمد صاحب	۰	۰	۵			ماسٹر عطا الٰہی صاحب	۰	۰	۱
۸ ۱/۴۱	۲۰۳۹	علی احمد خاں صاحب دانشمن	۰	۰	۵			خان عبدالرحیم خانصاحب	۰	۰	۱
۱۰ ۱/۴۱	۲۰۵۷	بیگم صاحبہ خاں شیخ دین محمد صاحب	۰	۰	۳۹			عبدالرحمٰن صاحب	۰	۰	۱
	۲۰۵۸	حاجی محمد ابراہیم صاحب	۰	۰	۱۱			میاں علی محمد صاحب	۰	۰	۱
	۲۰۸۵	اکرم حیات صاحب	۰	۱۴	۳			محمد حنیف صاحب	۰	۰	۱
	۲۰۸۹	خواجہ نذیر احمد صاحب	۰	۰	۳			چوہدری سلطان علی صاحب	۰	۰	۷
۱۱ ۱/۴۱	۲۰۸۷	کشفی شاہ صاحب نظامی	۰	۰	۵			محمد حسن مولا بخش صاحب	۰	۰	۳۰
۱۳ ۱/۴۱	۲۱۴۰	عبدالحق صاحب	۰	۰	۵			گل رحمان صاحب	۰	۰	۱
۱۴ ۱/۴۱	۲۱۷۳	سید سر سعد اللہ صاحب	۰	۰	۵			حکیم خورشید عالم صاحب	۰	۰	۲
	۲۱۹۱	ٹرسٹیز وقف اسٹیٹ وائی۔ اے۔ غنی	۰	۰	۵۰۰	۲۱ ۱/۴۱	۲۲۵۰	جناب مولوی محمد اظہار الحق صاحب مشن	۰	۰	۴
۱۶ ۱/۴۱	۲۲۲۳	ایس نثار قطب صاحب	۰	۰	۲		۲۲۵۱	سید سراج الحق صاحب	۰	۵	۷
؍	۲۲۲۴	سید ایس حق صاحب	۰	۸	۲	۲۵ ۱/۴۱	۲۲۸۹	ڈاکٹر دین اکبر خاں صاحب مشن ہمارا امانت ۶	۰	۰	۳
۱۸ ۱/۴۱	۲۲۵۷	ایم تقی حسین صاحب	۰	۰	۱	۲۷ ۱/۴۱	۲۴۱۹	لفٹننٹ کرنل بی عبدالغفار صاحب	۰	۰	۲
۲۴ ۱/۴۱	۲۲۸۶	ایم۔ اے داؤد صاحب	۰	۰	۱۲			فروخت رسالہ اسلامک ریویو	۰	۱۰	۱۶۳۴
؍	۲۲۸۷	چوہدری محمد نورالزمان صاحب	۰	۰	۴			مفت تقسیم رسالہ اسلامک ریویو	۰	۰	۶۵
۲۶ ۱/۴۱	۲۲۸۸	خواجہ غلام احمد صاحب	۰	۰	۱			فروخت رسالہ اشاعت اسلام	۰	۰	۱۵۹
		عبداللہ صاحب	۰	۰	۱			فروخت ووکنگ گزٹ	۰	۰	۴۵
		ڈاکٹر نظام الدین صاحب	۰	۰	۵			فروخت کتب	۰	۱۵	۳۳۸
		ایم عالم دین صاحب	۰	۰	۵			مفت تقسیم کتب اندراج سابقہ	۰	۰	۲۰۰
		فضل احمد صاحب	۰	۰	۲۰						
		غلام ربانی صاحب	۰	۰	۵			میزان کل	۰	۴	۳۳۲۰
		شیخ نیاز احمد صاحب	۰	۰	۱۰						

تفصیل اخراجات دی ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور
بابت جنوری سنہ ۱۹۴۱ء

تاریخ	بل نمبر	تفصیل اخراجات	پائی	آنے	روپے
	۸۸	تنخواہ عبدالہی بابت ماہ دسمبر ۱۹۴۰ء	۹	-	۲۷۳
	۸۹	تنخواہ ایڈیٹر اسلامک ریویو بابت ماہ اکتوبر ۱۹۴۰ء	۰	۰	۱۵۰
	۹۰	" " " " " نومبر "	۰	۰	۱۵۰
	۹۱	" " " " " دسمبر "	۰	۰	۱۵۰
	۹۲	تنخواہ سیکرٹری مسجد ووکنگ بابت ماہ اکتوبر ۱۹۴۰ء	۰	۰	۱۰۰
	۹۳	" " " " " نومبر "	۰	۰	۱۰۰
	۹۴	" " " " " دسمبر "	۰	۰	۱۰۰
	۹۵	تنخواہ سیکرٹری ٹرسٹ مسجد ووکنگ بابت ماہ اکتوبر ۱۹۴۰ء	۰	۵	۱۵۲
	۹۶	" " " " " نومبر "	۰	۵	۱۵۲
	۹۷	" " " " " دسمبر "	۰	۵	۱۵۲
	۹۸	کرایہ دفتر و بکڈپو بابت ماہ اگست ۱۹۴۰ء	۰	۰	۳۸
	۹۹	" " " " ستمبر "	۰	۰	۳۸
	۱۰۰	" " " " اکتوبر "	۰	۰	۳۸
	۱۰۱	" " " " نومبر "	۰	۰	۳۸
	۱۰۲	" " " " دسمبر "	۰	۰	۳۸
	۱۰۳	Conveyance allowance بابت ماہ اکتوبر، نومبر، دسمبر ۱۹۴۰ء	۰	۰	۹۰
	۱۰۴	کرایہ گودام بابت ماہ اکتوبر، نومبر، دسمبر ۱۹۴۰ء	۰	۰	۲۱
	۱۰۵	محصول ڈاک از نمبر ۱۶۷۲ تا ۱۷۹۹ — ۲۳۰/۰/-			
		لفافے سیاسی پریس — ۲/۷/۰			
		کاغذ برائے لفافے اسلامک ریویو — ۳۸/۱/-			
		خرید کتب برائے فروخت — ۶/۵/-			
		بجلی کا بل — -/۵/-			
		اسلامک ریویو لفافے بنوائی — ۳/۰/-			
		متفرق — ۱۶/-/-			
		۲۹۸—۱۲—۰	-	۱۲	۲۹۸
	۱۰۶	آفس امپرسٹ بل بہ تفصیل ذیل:-			
		محصول ڈاک از نمبر ۱۸۰۰ تا ۱۹۰۳ — ۲۰۴/۰/-			
		کاغذ فلسکیپ کارڈ سادہ و آرٹ پیپر — ۱۳/۱/-			

تاریخ	بل نمبر	تفصیل اخراجات	پائی	آنے	روپے
	۱۰۶	بلاک اسلامک ریویو — ۱۳/۵/۹			
		کاغذ اشاعت اسلام — ۲۸/۹/-			
		آرٹ پیپر برائے فوٹو — ۹/۶/-			
		کاغذ ووکنگ گزٹ — ۵/۶/-			
		متفرق — ۱۸/۱۲/۳			
		۲۹۱—۱۰—۹	۹	۱۰	۲۹۱
	۱۰۷	آفس امپرسٹ بل بہ تفصیل ذیل:-			
		محصول ڈاک نمبر ۱۹۰۴ تا ۲۰۱۰ — ۲۱۹/۲/-			
		پروف ریڈنگ اسلامک ریویو — ۱۰/۰/-			
		کاغذ برائے فوٹو — ۱۶/-/-			
		لفافے بنوائی اسلامک ریویو — ۱۱/۴/-			
		ترجمہ برائے اشاعت اسلام — ۱۶/۱۲/-			
		بجلی کا بل — -/۵/-			
		متفرق — ۲۲/۹/۳			
		میزان کل ۲۹۵—۲—۳	۳	۲	۲۹۵
	۱۰۸	کاغذ برائے رسالہ اسلامک ریویو	۰	۱۴	۵۴۹
	۱۰۹	جلد بندی اسلامک ریویو بابت ماہ فروری، اپریل، مئی ۱۹۴۰ء و جلد بندی رسالہ اشاعت اسلام بابت ماہ فروری و مئی ۱۹۴۰ء	۰	۱۴	۱۰۲
	۱۱	پروف ریڈنگ اسلامک ریویو ماہ نومبر و دسمبر ۱۹۴۰ء	۰	۰	۲۲
	۱۱۱	سفر خرچ سفیر مشن	۹	۹	۵۴
	۱۱۲	خرید کتب (اندراج سابقہ)	۰	۰	۲۰۰
		میزان کل:- ۳۵۹۵—۱۵—۳			

تفصیل آمدنی ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور
بابت ماہ فروری ۱۹۴۱ء

تاریخ	رسید نمبر	اسمائے گرامی معطی صاحبان		پائی	آنے	روپے	تاریخ	رسید نمبر	اسمائے گرامی معطی صاحبان		پائی	آنے	روپے
۲/۴۱	۲۴۷۵	جناب میاں فخرالدین صاحب	مشن	-	-	۲۵	۲۴/۲	۲۶۵۵	جناب ڈاکٹر ین اکبر خان صاحب	مشن			
۵ ۲/۴۱	۲۴۸۶	〃 شیخ منہاج الدین صاحب	〃	۰	۰	۱۰	۲۴/۲		امانت مصر مشن مصر	〃	۰	۰	۳
〃	۲۴۸۷	〃 سر نظامت جنگ صاحب بہادر	〃	۰	۰	۵۰	۲۴/۲	۲۶۶۶	〃 جناب عبدالرزاق صاحب	〃	۰	-	۵
۶ ۲/۴۱	۲۴۹۶	〃 علی احمد صاحب ڈ اسٹمن	〃	-	۰	۵	〃	۲۶۶۳	〃 ملنگ عبدالرحمن صاحب	〃	۰	۰	۵
〃	۲۴۹۷	〃 کرم آلہی صاحب قریشی	〃	۰	۰	۱۰	〃	۲۶۶۳	〃 جے۔ پنی صاحب	〃	۰	۰	۵
۸ ۲/۴۱	۲۵۰۳	〃 حکیم احمد مبین صاحب	〃	۰	۰	۳	〃	۲۶۶۴	〃 صدرالدین احمد صاحب	〃	۰	-	۵
۱۰ ۲/۴۱	۲۵۰۳	حسب وصیت جناب سیٹھ قاسم علی مرحوم	〃	-	-	۳۰۰	۲۴/۲	۲۶۸۰	〃 لفٹنٹ کرنل بی عبدالغفار صاحب	〃	۰	۰	۲
۱۲ ۲/۴۱	۲۵۴۶	جناب عبدالحق صاحب	〃	۰	۰	۵	〃	۲۶۸۱	〃 آنریبل مسٹر اے۔ کے فضل الحق صاحب	〃	۰	۰	۵
〃	۲۵۴۷	جنابہ فاطمہ بیگم صاحبہ	〃	۰	۰	۴	〃	۲۶۸۲	〃 جناب پناہ اللہ صاحب	〃	۰	۰	۵
۱۲/۲	۲۵۴۸	جناب سید پیارے صاحب قادری	〃	۰	۰	۵	۲۵/۲	۲۶۹۲	〃 سید علی امام صاحب	〃	۰	-	۵
〃	۲۵۶۰	〃 کے۔ بی۔ عطاء الرحمن خانصاحب	〃	-	۸	-	〃	۲۶۹۳	〃 سجاد علی صاحب	〃	۰	۰	۵
〃	۲۵۶۰	جناب مولوی عبدالغنی خانصاحب	〃	-	۲	۱	۲۶/۲	۲۷۰۸	〃 واثق۔ ایل۔ ایم خالد صاحب	〃	۰	-	۵
۱۳/۲	۲۵۷۷	〃 نواب نذر یار جنگ صاحب بہادر	〃	-	-	۵	〃	۲۷۰۹	〃 مولوی نور احمد صاحب	〃	-	-	۵
۱۵/۲	۲۵۸۰	〃 لفٹنٹ کرنل بی عبدالغفار صاحب	〃	۰	۰	۵			فروخت رسالہ اسلامک ریویو		۳	۱۰	۶۸۲
〃	۲۵۸۱	〃 ڈاکٹر ایم۔ یو۔ احمد صاحب	〃	-	-	۵			مفت تقسیم رسالہ اسلامک ریویو		۰	۰	۱۵
۱۹/۲	۲۶۰۳	〃 عبدالرزاق صاحب فاروقی	〃	۰	۰	۲			فروخت رسالہ اشاعت اسلام		۰	۰	۲۸
〃	۲۶۰۵	〃 علی۔ کے۔ ای۔ پالی صاحب	〃	۰	۰	۵			فروخت ووکنگ گزٹ		-	۱۲	۱۵
〃	۲۶۰۶	〃 اے سید احمد صاحب	〃	-	۰	۵			فروخت کتب		۳	۱	۵۱۴
۱۹/۲	۲۶۲۲	〃 سید محبوب علی صاحب	〃	-	-	۵			میزان کل ۔۔ ۶ — ۱ — ۱۷۷۱				
۲۰/۲	۲۶۳۷	〃 میاں غضنفر علی صاحب	〃	۰	-	۵							
۲۱/۲	۲۶۴۷	〃 مانگ سبا۔ حا صاحب		۰	۰	۵							

تفصیل اخراجات دی ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور۔

بابت ماہ فروری ۱۹۴۱ء

تاریخ	بل نمبر	تفصیل اخراجات	پائی	آنہ	روپیہ
	۱۱۳	ادائیگی مکمل بل نمبر ۹۲۳ برائے طباعت ٹریکٹ	۰	۰	۹۲
	۱۱۴	ادائیگی بل نمبر ۵۷۳ و ۵۸۷ طباعت ٹریکٹ و ضمیمہ اسلامک ریویو مارچ ۱۹۴۱ء	۰	۰	۶۲
	۱۱۵	جلدبندی رسالہ اسلامک ریویو و اشاعت اسلام وغیرہ	۰	۱۲	۴۰
	۱۱۶	خرید کتب برائے فروخت	۰	۸	۸۵
	۱۱۷	تنخواہ عملہ بابت ماہ جنوری ۱۹۴۱ء	۳	۷	۲۷۷
	۱۱۸	آفس امپرسٹ بل بہ تفصیل ذیل:-			
		محصول ڈاک از نمبر ۱۰۱ تا ۲۱۷ ۲۲۸/۹/۰			
		کاغذ برائے اشاعت اسلام ۱۰/۲/-			
		کاغذ برائے ووکنگ گزٹ ۵/۴/-			
		خرید کتب برائے فروخت ۲/۱۲/۹			
		بلاک بنوائی اسلامک ریویو ۹/۱۴/-			
		کتابت اشاعت اسلام نومبر ۱۹۴۰ء ۱۴/۱۳/-			
		کوئلہ -/۴/-			
		متفرق ۱۳/۵/۶			
		۲۸۷ — ۵ — ۶	۱	۱۵	۲۸۷
	۱۱۹	تنخواہ سیکرٹری ٹرسٹ بابت ماہ جنوری ۱۹۴۱ء	۰	۵	۱۵۲

تاریخ	بل نمبر	تفصیل اخراجات	پائی	آنہ	روپیہ
	۱۲۰	conveyance allowance	۰	۰	۳۰
			۰	۰	۳۰
		میزان کل:-	۶	۱۵	۱۰۲۰

[illegible]

مسجد ووکنگ میں آجاتے ہیں۔ نماز و خطبۂ عیدین کے بعد تمام احباب کو مشن کی طرف سے ہندوستانی طرز کی دعوت دی جاتی ہے (۷) رسالتمآب حضرت نبی کریم صلعم کے یوم ولادت کو بڑے تزک و احتشام سے منایا جاتا ہے۔ جس میں حضرت نبی کریم صلعم کی زندگی کے حالات پیش کئے جاتے ہیں (۸) دور دراز ممالک کے غیر مسلمین کو خط و کتابت کے ذریعہ تبلیغ کی جاتی ہے۔ انہیں اسلامی لٹریچر مفت بھیجا جاتا ہے۔ (۹) مسجد ووکنگ میں جو غیر مسلم و نومسلم زائرین آتے ہیں۔ ان کو اسلام کے متعلق صحیح معلومات بہم پہنچائی جاتی ہیں۔ (۱۰) ووکنگ مشن کے زیر اہتمام نومسلمین کی ایک جماعت لنڈن میں "برطانیہ عظمٰی کی مسلم سوسائیٹی" کے نام سے اشاعت اسلام کی تحریک میں کوشاں رہتی ہے۔

(۵) **مشن کے آرگن** ۔ اس مشن کے فقط دو ہی ماہواری رسالے ہیں (۱) رسالہ اسلامک ریویو انگریزی۔ (۲) اس کا اردو ترجمہ رسالہ اشاعت اسلام لاہور۔ ان دو رسالوں کی کل کی کل آمد مشن ووکنگ انگلستان پر صرف ہوتی ہے۔ جس قدر مسلم پبلک ان رسالوں کی خریداری بڑھائے گی۔ اسی قدر مشن کی مالی تقویت ہوگی۔ ان دو رسالوں کے سوا مشن ووکنگ کا کسی اور رسالہ یا اخبار سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔

(۶) **مشن کے تاثرات** ۔ (۱) مشن کی اکیس[21] سالہ تبلیغی تگ و دو سے اس وقت تک ہزاروں کی تعداد میں یورپین و امریکن اخوان و خواتین اسلام قبول کر چکے ہیں۔ جن میں بڑے بڑے لارڈز۔ رؤساء۔ فضلاء۔ علماء۔ فلاسفر۔ پروفیسر۔ مصنف۔ ڈاکٹر۔ ماہرین علم طبعیات تاجر۔ مغربی متشرقین و فوجی شہرت کے نومسلمین ہیں۔ یہ نومسلمین نمازیں پڑھتے۔ روزے رکھتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ بعض تو تہجد تک کو خاص سوز و گداز سے پڑھتے ہیں۔ قرآن کریم کا با معنی روزانہ مطالعہ کرتے ہیں۔ چند ایک فریضہ حج بھی ادا کر چکے ہیں۔ اُن میں سے اکثر تبلیغ اسلام کی جد و جہد میں عملاً حصہ لے رہے ہیں۔ (۲) ان اکیس[21] سالوں میں لاکھوں کی تعداد میں اسلامی کتب۔ رسائل۔ پمفلٹ۔ ٹریکٹ مختلف مغربی ممالک میں مفت تقسیم کئے جا چکے ہیں۔ جن کا نہایت ہی اچھا اثر ہوا ہے۔ اس مفت اشاعت سے یورپین حلقہ میں عیسائیت سے تنفر پیدا ہو چکا ہے۔ وہ لوگ عیسائیت سے بالکل بیزار ہو چکے ہیں۔ ان کا زیادہ تر رجحان طبع اب اسلام کی طرف ہو رہا ہے۔ کل کے کل مغرب و امریکہ میں اس وقت اسلامی تعلیم کی تشنگی روز بروز بڑھ رہی ہے۔ اس وقت مغربی دنیا کے مذہبی خیالات میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو چکا ہے۔ یورپ و امریکہ کے اب دشمنان اسلام۔ اسلام پر حملہ کرنے کی جرات نہیں کرتے۔ اس مشن کی اکتیس سالہ تبلیغی تگ و تاز نے اسلام کے متعلق مغربی ممالک میں ایک ہمدردانہ فضا پیدا کر دی ہے۔ کثرت سے لوگ مغربی لائبریریوں میں ووکنگ کی مرسلہ اسلامی کتب و رسالہ اسلامک ریویو کا مطالعہ کرتے ہیں۔ مسجد ووکنگ میں ان غیر مسلمین کے خطوط کا رات دن تانتا بندھا رہتا ہے۔ غیر مسلم طبقہ میں سے اکثر احباب اسلامی لٹریچر کے مطالعہ کرنے کے بعد مختلف قسم کے استفسار کرتے ہیں۔ اور آخر کار۔ اپنے شکوک و شبہات کو رفع کرنے کے بعد۔ اعلان اسلام کا فارم پُر کر کے شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان میں معہ اپنے فوٹو کے روانہ کر دیتے ہیں۔ ان کا اعلانِ اسلام معہ انکے فوٹو کے مشن کے آرگن میں شائع کر دیا جاتا ہے۔

(۷) **انگلستان میں اشاعتِ اسلام مسلمانوں کی سیاسی الجھنوں کا بہترین سلجھاؤ ہے** قرآن کریم نے فلاح کے اصول کا ایک راستہ اشاعت اسلام تجویز کیا ہے۔ اشاعت کی غرض۔ غیروں کو اپنے میں شامل کرنا ہوتا ہے۔ یعنی انہیں اپنا ہمخیال اور ہم مذہب بنانا ہوتا ہے۔ اگر کسی قوم کی شماری طاقت۔ اس قوم کی سیاسی قوت کو بڑھا سکتی ہے۔ تو اس کے اصول کے لئے اشاعت ہی ایک بہترین طریق ہے۔ مغربی اقوام نے اس راز کو سمجھا۔ انہوں نے اسلام کی اتباع میں فوراً مشن قائم کئے۔ کچھ اس وقت ہندوؤں نے پہلے شدھی کا راگ گایا۔ لیکن آج اچھوتوں کو اپنے میں ملانے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس ساری سرگرمی کی تہ میں وہی شماری طاقت مضمر ہے۔ ان حالات میں کیا ہمارا فرض نہیں کہ ہم اشاعت اسلام میں کوشاں ہوں۔ اور جب کہ گذشتہ پچیس تیس سالوں میں ہم ہر ایک دوسری کوشش اور مختلف قومی تحریکوں میں ہم نے اپنے سلجھاؤ کے لئے کیں۔ بالکل ناکام ہوئے ہیں۔ تو کیا ہمارا فرض نہیں ہے کہ مغرب میں اشاعت اسلام کو بھی ہم بطور تجربہ اختیار کر لیں۔ اگر بالفرض ہم آیندہ دس سال میں انگلستان میں ملتجیہ کر حکمران قوم کے دس ہزار نفوس کو اپنے اندر شامل کر لیں۔ تو جس قدر ہماری سیاسی قوت بڑھ سکتی ہے۔ اس کا اندازہ صرف تصور ہی کر سکتا ہے۔ آج اگر انگلستان کے لوگوں کا ایک کثیر حصہ اسلام قبول کر لے۔ جن میں ہوس آف لارڈز و ہوس آف کامنز کے ممبر بھی ہوں۔ تو مسلمانوں کو اپنے حقوق کے لئے کسی سیاسی جد و جہد کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ اس صورت میں ہم کو ضرورت نہیں کہ ہم مسلم ممبران سیاست کے وفود کو انگلستان بھیجکر انگریزی قوم کو اپنے ہم آواز کریں یا اپنے حقوق کی طرف توجہ دلائیں۔ وہ اسلام سے مشرف ہو کر مسلمانوں کے لئے اسلامی درد و احساس سے خود بخود وہی کہیں گے اور کریں گے۔ جو ہم چاہتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہماری موجودہ سیاسی الجھنوں کا بہترین سلجھاؤ۔ انگلستان میں فریضہ اشاعت اسلام کو ادا کرنا ہے۔ یوں تو مغرب کے اور ممالک بھی محض سیاسی ہم آہنگی پیدا کرنے کیلئے اشاعت اسلام کے دائرے میں آنے چاہئیں۔ لیکن انگریزی قوم میں **اشاعت اسلام** ہمارا اولیں نصب العین ہونا چاہیئے۔

(۸) **ووکنگ مسلم مشن ایک عالمگیر اسلامی تحریک ہے** دنیا بھر میں فقط ایک ہی اسلامی تحریک ہے۔ جس سے کل مسلمانان عالم کو دلی محبت و ہمدردی ہے۔ کیونکہ یہ تحریک قیاسی و وہمی حالات سے نکل کر اب ایک حقیقت ہو چکی ہے۔ یہ مشن اس وقت تک ٹھوس اسلامی خدمات سرانجام دے چکا ہے۔ اس تحریک کے ذریعہ۔ شاندار نتائج نکل چکے ہیں۔ دنیا بھر کی اسلامی تحریکوں میں اگر کوئی تحریک گذشتہ تیس سالوں میں سرسبز و کامیاب ہوئی ہے۔ تو وہ یہی ووکنگ مشن کی اسلامی تحریک ہے۔ اس تحریک کے جاذب عالم اسلام ہونے کی وجہ صرف فرقی امتیازات سے اسکی بالاتری و آزادی ہے۔ یہ مشن جمیع مسلمانان عالم کا واحد مشن ہے اسکو کسی فرقہ اسلام یا جماعت یا انجمن سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ اس کے ذریعہ یورپ و امریکہ میں فقط توحید و رسالت کی تبلیغ ہوتی ہے۔ اور اس غیر فرقہ وارانہ تبلیغی مسلک کی وجہ سے دنیا بھر کے مختلف مقامات کے مسلمان مسلسل اس کی مالی امداد کر کے یورپ میں اسے چلا رہے ہیں اس اسلامی مشن کو عالمگیر مقبولیت حاصل ہے۔ ہندوستان کے علاوہ جاپان۔ چین۔ فلپائین۔ آسٹریلیا۔ سماٹرا۔ جاوا۔ بورنیو۔ سنگاپور۔ سیلون۔ افریقہ۔ بلاد اسلامیہ۔ شمالی و مغربی امریکہ کے مسلم بھائی اس تحریک کی امداد کرتے رہتے ہیں۔

(۹) ووکنگ مسلم مشن انگلستان کی ذیل کے طریقوں سے امداد ہو سکتی ہے (۱) میت عطیہ کی صورت میں کچھ امداد دیں۔ (۲) اپنی ماہوار آمد میں سے کچھ حصہ مقرر کر دیں۔ جو ماہ بماہ مشن کو پہنچتا رہے۔ (۳) ششماہی یا سالانہ رقم اس کارِ خیر کے لئے ارسال کریں (۴) رسالہ اسلامک ریویو کی خود بھی خریداری کریں اور انگریزی دان احباب کو بھی تحریکِ خریداری فرمائیں۔ سالانہ چندہ [illegible] ہے۔ (۵) یورپ۔ امریکہ اور دیگر انگریزی دان مسیحی ممالک کی پبلک لائبریریوں میں مسلم بھائی اپنی طرف سے بطور صدقہ جاریہ تبلیغ اسلام کی خاطر متعدد کاپیاں رسالہ اسلامک ریویو کی مفت جاری کرائیں۔ اس رسالہ کے ذریعہ ان کی طرف سے اسلام کا پیام غیر مسلموں تک پہنچتا رہے گا۔ اس صورت میں سالانہ چندہ پانچ روپے ہے (۶) رسالہ اشاعت اسلام اردو ترجمہ رسالہ اسلامک ریویو کی خریداری فرمائیں۔ اس کا حلقۂ اثر وسیع فرمائیں۔ اس کا سالانہ چندہ [illegible] ہے اور ممالک غیر کیلئے [illegible] ہے۔ (۷) ووکنگ مسلم مشن سے جس قدر اسلامی لٹریچر انگریزی میں شائع ہوتا ہے۔ جو کتابوں۔ ٹریکٹوں اور رسائل کی صورت میں ہوتا ہے۔ اسے خود خریدیں۔ یورپ و امریکہ کے غیر مسلمین میں اسے مفت تقسیم کرا کر داخلِ حسنات ہوں۔ تاکہ اسلام کا دلفریب پیام اس لٹریچر کے ذریعہ اُن تک پہنچتا رہے۔ اس مقصد کے لئے دفتر مشن ووکنگ میں مسیحی غیر مسلموں اور غیر مسلم مسیحی لائبریریوں کے ہزاروں پتہ موجود ہیں۔ جن کو آپ کی طرف سے مفت لٹریچر بھیجا جا سکتا ہے۔ اور اس کی ترسیل کی رسید۔ ڈاکخانہ کے تصدیقی سرٹیفکیٹ کے ذریعہ آپ تک پہنچا دی جاوے گی۔ (۸) شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان میں ہر سال بڑے تزک و احتشام سے عیدین کے تہوار منائے جاتے ہیں۔ جن میں بارہ صد کے لگ بھگ نفوس کا مجمع ہو جاتا ہے نماز و خطبہ کے بعد کل مجمع کو مشن کی طرف سے دعوت دی جاتی ہے جس پر مشن کو ڈیڑھ صد پونڈ (قریباً اٹھارہ صد روپیہ) کا ہر سال خرچ برداشت کرنا پڑتا ہے مسلم احباب اس مد میں امداد فرمائیں۔ (۹) ہر سال مسجد ووکنگ کے زیر اہتمام جلسہ میلاد النبی صلعم ہوتا ہے۔ اس پر بھی زرِ کثیر صرف ہوتا ہے جس میں کوئی نہ کوئی نومسلم حضرت نبی کریم صلعم کے اخلاق فاضلہ یا سوانح حیات پر بصیرت افروز تقریر کر کے غیر مسلمین یورپین احباب کو اس شخصیتِ کامل سے روشناس کرتا ہے۔ اس سعید تقریب پر بھی مشن کو خرچ کرنا پڑتا ہے۔ (۱۰) اپنی زکوٰۃ کا ایک کثیر حصہ مشن کو دیں۔ قرآن کریم کی رُو سے اشاعتِ اسلام کا کام۔ زکوٰۃ کا بہترین مصرف ہے۔ (۱۱) فطرانہ عید میں اس کارِ خیر کو نہ بھولیں۔ (۱۲) عید قربان کے روز قربانی کی کھالوں کی قیمت سے اللہ کے اس پاک کام کی امداد فرمائیں۔ (۱۳) اگر آپ کا روپیہ بنک یا ڈاکخانہ میں جمع ہو۔ تو اس کا سود اشاعتِ اسلام کے لئے ووکنگ مشن کو دیں۔ علماء کرام نے اس کے متعلق فتوے دے دیا ہے کہ اسلام کی اشاعت میں یہ سود صرف ہو سکتا ہے۔ اگر آپ سود کی اِن رقوم کو بنک یا ڈاکخانہ وغیرہ سے نہ لینگے تو اسلام کی اشاعت و حمایت کی بجائے۔ یہ رقم دشمنانِ اسلام کے ہاتھ چلی جاویگی۔ جو اسے عیسائیت کی تبلیغ اور اسلام کے خلاف استعمال کرینگے (۱۴) ہر قسم کی نذر۔ نیاز۔ صدقہ۔ خیرات۔ زکوٰۃ بھینٹ کا بہترین مصرف ووکنگ مسلم مشن ہے۔

(۱۰) ووکنگ مسلم مشن کا سرمایۂ محفوظ (ریزرو فنڈ) ایک کارکن نظام کے لئے ازبس ضروری ہے کہ اس کے پاس معقول محفوظ سرمایہ ہو۔ یہ کام اکیس سال سے بہ احسن وجوہ یورپ میں اسلام کی اشاعت کر رہا ہے اس مشن کو ہمیشہ کے لئے انگلستان میں زندہ و قائم رکھنے کے لئے مینیجنگ کمیٹی ٹرسٹ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس مشن کے لئے دس لاکھ روپیہ سرمایۂ محفوظ میں جمع کیا جاوے۔ اس دس لاکھ روپے کو بنک میں بطور فکسڈ ڈیپازٹ رکھ دیا جائیگا۔ اگر مسلم قوم ہمت کرے۔ تو کوئی مشکل بات نہیں۔ اس سکیم کے روبراہ ہونے سے مشن آئے دن کی مالی مشکلات اور روز روز کی دریوزہ گری سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔ اور آئے دن کی فراہمی امداد کی زحمت سے ہمیشہ کیلئے بے نیاز ہو کر آئندہ کیلئے کسی جیب کا محتاج نہ رہیگا۔ کیا چالیس کروڑ مسلم بھائی دس لاکھ روپیہ بھی اس کارِ خیر کیلئے فراہم نہ کر سکینگے۔

(۱۱) ووکنگ مسلم مشن کا نظم و نسق یہ مشن ایک معتبر رجسٹری شدہ ٹرسٹ کے زیر اہتمام چل رہا ہے جس کے ٹرسٹیز اور ممبران مینیجنگ کمیٹی کی امانت و دیانت مسلمہ ہے۔ یہ مشن اس وقت چار نگران کمیٹیوں کے ماتحت چل رہا ہے۔ (۱) بورڈ آف ٹرسٹیز۔ (۲) ٹرسٹ کی مجلس منتظمہ۔ (۳) لنڈن میں مسجد ووکنگ انگلستان کے مشن کی نگرانی کرنے والی کمیٹی۔ (۴) لٹریری کمیٹی (جو کتب کی طباعت و اشاعت کی منظوری دیتی ہے)۔ (۵) یہ ایک غیر فرقہ وارانہ ٹرسٹ ہے۔ اس ٹرسٹ کا کسی جماعت۔ کسی انجمن یا کسی فرقہ سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ مغربی ممالک میں اس کی تبلیغ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ تک محدود ہے۔

(۱۲) مشن کا مالی انتظام (۱) مشن کی جملہ رقوم جو باہر سے آتی ہیں۔ تین کارکنانِ مشن کی موجودگی میں موصول ہو کر۔ رجسٹراتِ آمد میں چڑھ کر ان ہر سہ کے تصدیقی دستخطوں کے بعد اسی روز بنک میں چلی جاتی ہیں۔ (۲) جملہ اخراجات متعلقہ دفتر لاہور و دفتر ووکنگ انگلستان۔ امپرسٹ کے ذریعہ ہوتے ہیں۔ جسے فنانشل سکرٹری صاحب منظور شدہ بجٹ کی حدود کے اندر پاس فرماتے ہیں (۳) آمد و خرچ کا بجٹ باضابطہ ہر سال پاس ہوتا ہے۔ (۴) سال بھر بجٹ کے ماتحت بل پاس ہوتے ہیں (۵) چیکوں پر تین عہدہ دارانِ ٹرسٹ کے دستخط ہوتے ہیں۔ (۶) آمد و خرچ کی پائی پائی تک ہر ماہ رسالہ اشاعت اسلام لاہور میں شائع کر دی جاتی ہے (۷) ہر ماہ کے حساب کو آڈیٹر صاحب پڑتال کرتے ہیں۔ تمام حساب کا سالانہ بیلنس شیٹ۔ جناب آڈیٹر صاحب کے تصدیقی دستخطوں کے ساتھ رسالہ اسلامک ریویو انگریزی میں شائع کر دیا جاتا ہے۔

(۱۳) ضروری ہدایات۔ (۱) ٹرسٹ کے متعلق جملہ خط و کتابت بنام سکرٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ لاہور۔ پنجاب ہونی چاہیئے۔ (۲) جملہ ترسیل زر بنام فنانشل سکرٹری، ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور۔ پنجاب (ہندوستان) ہو۔ (۳) ہیڈ آفس۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور (پنجاب) ہے۔ (۴) انگلستان کا دفتر دی ماسک ووکنگ۔ سرے انگلینڈ ہے۔

Address in England :- The Imam , The Mosque, WoKing, Surrey, England.

(۵) بنکرس۔ لائیڈ بنک لمیٹڈ لاہور و لنڈن ہیں۔ (۶) تار کا پتہ "اسلام" لاہور۔ (پنجاب۔ ہندوستان) +

تمام خط و کتابت بنام سکرٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ۔ عزیز منزل برانڈرتھ روڈ۔ لاہور کو (پنجاب۔ ہندوستان) فرمائیں۔

AUGUST 1941

R. L. No. 908

شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان

حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم مبلغ اسلام و بانی ووکنگ مسلم مشن انگلستان

مدیر اعزازی

خواجہ نذیر احمد بیرسٹر ایٹ لا۔ لاہور

Annual Subscription Rs. 3-8-0

The Manager,
Isha'at-i-Islam, Azeez Manzil, Brandreth Road. Lahore (Pb. India)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ اکبر

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ {آل عمران آیت ۱۰۳}

ترجمہ ـ اور چاہیئے کہ تم میں ایک گروہ ہو جو بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھے کاموں کا حکم دیں اور برے کاموں سے روکیں اور وہی کامیاب ہونے والے ہیں

هُوَ الَّذِيْٓ أَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ

ترجمہ ـ وہی (ذات پاک) ہے جس نے اپنے رسول (محمدؐ) کو ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا تاکہ اسکو تمام دینوں پر غالب کرے۔ گو مشرکوں کو برا (ہی کیوں نہ) لگے

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

تاجہاں مسجد ووکنگ انگلستان

مغرب میں تبلیغ اسلام کا واحد مرکز

ووکنگ مسلم مشن انگلستان

کے ذریعہ

یورپ ـ امریکہ و کل انگریزی دان مسیحی ممالک میں اس وقت اسلام کی اشاعت ہو رہی ہے

(۱) تشکیل مشن ـ ووکنگ مسلم مشن کا جملہ تبلیغی کاروبار ایک باضابطہ رجسٹری شدہ ٹرسٹ کے ماتحت ہے۔ جس کا نام **"ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ"** ہے۔ اس ٹرسٹ میں (۱) ووکنگ مسلم مشن انگلستان (۲) رسالہ اسلامک ریویو (انگریزی) (۳) رسالہ اشاعت اسلام (اردو)۔ (۴) کتب خانہ بشیر مسلم لائبریری (۵) مسلم لٹریری فنڈ (۶) ووکنگ مسلم مشن کا سرمایہ محفوظ۔ شامل ہیں۔

(۲) اغراض و مقاصد ـ (۱) ووکنگ مسلم مشن اور اس کی متعلقہ تحریکات کو انگلستان و دیگر ممالک میں غیر فرقہ دارانہ اصول پر زندہ رکھنا۔ (۲) مغربی ممالک میں تحریر و تقریر کے ذریعہ اسلام کی اشاعت کرنا۔ (۳) انگریزی میں اسلامی کتب و رسائل کو کثرت سے مسیحی حلقوں میں مفت تقسیم کرنا۔ (۴) انگلستان و دیگر مسیحی ممالک میں تمام امور سرانجام دینا جن کی اسلام کی تبلیغ کے لئے ضرورت ہے۔

(۳) تبلیغی مسلک ـ (۱) مشن کی تبلیغ فقط لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ تک محدود ہے۔ (۲) اس کو کسی فرقۂ اسلام یا جماعت یا انجمن سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ (۳) یہ مشن ایک غیر فرقہ دارانہ ٹرسٹ کے ماتحت ہے۔ جس کے ٹرسٹیز مختلف فرقہائے اسلام سے تعلق رکھتے ہیں۔ (۴) ووکنگ مشن کی نمازیں فرقہ بندی سے بالاتر ہیں۔ یہ مشن امامت نمازمیں کسی فرقی تمیز کو ملحوظ نہیں رکھتا۔ (۵) مسجد ووکنگ کے امام مختلف فرقہائے اسلام کے رہ چکے ہیں۔ جن میں نومسلمین بھی شامل ہیں۔

(۴) مغربی ممالک میں اسلام کی اشاعت کے ذرائع ـ (۱) رسالہ اسلامک ریویو انگریزی۔ ہزاروں کی تعداد میں۔ یورپ ـ امریکہ و دیگر انگریزی دان مسیحی ممالک میں غیر مسلمین نومسلمین اخوان و خواتین کو ہر ماہ تبلیغ کے لئے مفت بھیجا جاتا ہے۔ (۲) دنیا بھر کی مشہور و معروف غیر مسلم مسیحی لائبریریوں کو رسالہ اسلامک ریویو ہر ماہ مفت بھیجا جاتا ہے۔ (۳) انگریزی اسلامی ادبیات کی مفت اشاعت کی جاتی ہے (۴) مشن کے مبلغین ہفتہ ... ن میں اور دو دفعہ مسجد ووکنگ میں اسلام پر لیکچر دیتے ہیں۔ لیکچر کے بعد سامعین کی چاء سے تواضع کی جاتی ہے (۵) جمعہ کی نماز لندن میں ادا ... ہے۔ جس میں نومسلمین مسلمین و مسلم طلباء۔ کثیر تعداد میں شامل ہوتے ہیں۔ (۶) عیدین کے سالانہ اجتماعوں میں ایک ہزار سے اوپر نفوس شامل ہو ... و نومسلمین کے علاوہ غیر مسلمین زائرین بھی۔ اسلامی اخوت کے اس دلفریب منظر کو دیکھنے کیلئے

Mrs. WINIFRED RUTH GORDON KASSAR
The widow of the late Mr. Selim Kassar (See obituary notice in the ISLAMIC REVIEW for August 1940).

یہ بڑی نیکی ہے کہ آپ رسالہ کی خریداری بڑھائیں کیونکہ اس رسالہ کی آمد بہت حد تک ووکنگ مسلم مشن کے اخراجات کی کفیل ہے۔ رسالہ ہذا کی دس ہزار اشاعت ووکنگ مشن کے ½ اخراجات کی ذمہ وار ہوسکتی ہے

فہرست مضامین

رسالہ

اشاعت اسلام

جلد ۲۷	بابت ماہ اگست ۱۹۴۱ء مطابق ماہ رجب سنہ ۱۳۵۹ھ	نمبر ۸

(گیلانی الیکٹرک پریس ہسپتال روڈ لاہور میں باہتمام خواجہ عبدالغنی پرنٹر و پبلشر چھپکر عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع ہوا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

بابت ماہ اگست ۱۹۴۱ء

شذرات

رسالہ ہذا کو ہم اپنی نومسلمہ بہن مسز روبی فریڈ ریتھ گوڑون قصار کی فوٹو سے زینت دیتے ہیں۔ لیڈی موصوفہ مسٹر سلیم قصار مرحوم کی بیوہ ہیں۔ جن کے وفات حسرت آیات کے متعلق اسلامک ریویو بابت ماہ اگست سنہ ۱۹۴۰ء میں لکھا جا چکا ہے۔

انہوں نے حال ہی میں اپنے قبول اسلام کا اعلان کیا ہے۔ دعا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ انہیں دین متین پر ثابت قدمی بخشے۔ اور دیگر انگریز خواتین کے لئے نمونہ بنیں۔ آمین!

موجودہ بدنظمی کے خلاف اسلام اور مسیحیت کا تعاون

(گذشتہ سے پیوستہ)

اس کی واضح تعلیم یہ ہے کہ فطرت انسانی پاک ہے اور گناہ اس کی ذات میں داخل نہیں بلکہ اس کا ذہنی رجحان ہے اور اس لئے انسان کا فرض یہ ہے کہ وہ اپنی کمزوریوں پر غالب آئے اور اپنی پیدائشی خوبیوں کو ترقی دے، اسلام میں گناہ، عمداً و دانستہ اخلاقی اُصولوں کی خلاف ورزی کا نام ہے، وہ انسان کی سرشت میں داخل نہیں جیسا کہ کلیسا یا تجسم کی تعلیم کا تقاضا ہے۔ یہ نکتہ بہت اہم ہے کیونکہ اسی مفروضہ پر اس بات کا فیصلہ ہو سکتا ہے کہ مذہب، سوشل خرابیوں یا مثلاً جنگوں کی خرابیوں کا ازالہ کر سکتا ہے۔ اگر انسان پیدائشی گنہگار ہے یا اگر وہ اس دنیا میں اس لئے آیا ہے کہ اپنے سابقہ گناہوں کا کفارہ ادا کرے تو مذہب، انسان کے لئے کسی صورت میں بھی مفید نہیں ہو سکتا خواہ اُسے تسلیم کیا جائے یا نہ۔ جس چیز سے ہمکو مدد مل سکتی ہے۔ اور یقین کی اگر دل میں روشنی ہو سکتی ہے وہ یہ ہے کہ انسان کی سرشت پاک ہے۔ اس میں فطرتی طور پر کوئی خرابی نہیں ہے یعنی بدی اس کی اصل میں داخل نہیں ہے اور اگر ایک انسان آج نیکی کی طرف مائل نہیں ہوتا، تو کوئی گھبرانے کی بات نہیں ہے، وہ کل ضرور مائل ہو گا۔ بشرطیکہ سچائی بار بار اس کے سامنے پیش ہوتی رہے۔

پس اسلام، انسان کی سرشت کو پاکیزہ قرار دے کر ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ جنگ، فرد یا جماعت کی زندگی کی نشو و نما کے لئے لازمی چیز ہے جیسا کہ مثلاً آمرانہ طرز کی حکومتوں کا خیال ہے جو دراصل ایک مغالطہ ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اسلام کی رو سے جنگ بھی انسان کی حیاتی ضروریات میں سے ہے۔ پس اس کے لئے اصول مقرر ہونا لازمی ہیں، کیونکہ اگر بعض افراد یا اقوام، حد سے تجاوز کریں اور اپنے ہمسائیوں کو امن کی زندگی بسر کرنے دیں، تو پھر اسلام جنگ کی اجازت

دنیا ہے اور اس کے مدافعانہ جنگ کے لئے قوانین بھی مدون کر دیئے ہیں۔ اور بلا شبہ اس قسم کے قوانین کی اشد ضرورت تھی۔ کیونکہ انسانی سوسائٹی نہ کبھی فرشتوں سے مرکب تھی نہ ہوگی۔ انسان کی ہدایت کے لئے ہمیشہ ان قوانین کی ضرورت درپیش رہے گی جن کا منبع الہام ربانی ہو۔ تاکہ انسان کو یہ معلوم ہو سکے کہ کس موقع پر وہ اپنی تلوار نیام سے باہر نکال سکتا ہے اور کس وقت اسے نیام کے اندر کرنا چاہیئے۔ پس اگر اسلام ہم کو ضابطہ جنگ عطا کرتا ہے تو یہ چیز اس کے نظام تعلیمات کی تکمیل کرتی ہے نہ کہ اس میں نقص ہے۔ میں جانتا ہوں کہ بعض مذاہب ایسے بھی ہیں، جو اس مسئلہ میں بالکل خاموش ہیں اور غلطی سے لوگوں نے اس اہم موضوع پر ان کی خاموشی کو مستحسن قرار دیا ہے اور چونکہ اسلام نے انسان کی اس ضرورت کے لئے بھی ہدایت عطا کی ہے، اس لئے بعض نقاد ایسے ستم ظریف ہیں کہ وہ اس خوبی کو اسلامی تعلیمات کا نقص قرار دیتے ہیں!

وقوع جنگ کے بنیادی اسباب

برنگ اختصار ہم کہہ سکتے کہ جنگ حسب ذیل وجوہ کی بناء پر واقع ہو سکتی ہے:۔

(ا) افراد کے مابین منافرت پیدا ہو جائے، اس لئے کہ وہ ایک دوسرے کے جذبات کا احترام نہیں کر سکتے اور ان کا زاویۂ نگاہ اس قدر وسیع نہیں کہ وہ اختلاف اصول کو برداشت کر سکیں یا دوسروں کے جذبات کا احترام کر سکیں۔

(ب) اُن عمرانی طبقات کے مابین جنگ واقع ہو سکتی ہے، جو ایک دوسرے کے خلاف ہوں اور انہوں نے تفہیم و تفہم کے تمام دروازے بند کر دیئے ہوں اور نہ مفاہمت کے اصولوں پر چل کر وہ ایک دوسرے کے ساتھ کوئی رعایت کر سکیں یا مراعات دے سکیں۔

(ج) اقوام کے مابین جنگ ہو سکتی ہے جبکہ وہ، داد و ستد باہمی کے منافع کو بالائے طاق رکھ دیں اور تعاون کے فوائد سے قطع نظر کر لیں۔

اسلام نے ان اسباب سہ گانہ کے دفعیہ کیلئے کیا علاج تجویز کیا ہے؟

پہلی صورت کے ازالہ کے لئے، اسلام ہی دنیا میں ایک ایسا مذہب ہے جس نے اپنے پیروؤں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ تمام انبیاء کی یکساں طور پر عزت کریں۔ اسی لئے ہم مسلمان حضرت مسیح اور حضرت کرشن دونوں کی ویسی ہی عزت کرتے ہیں جیسی دوسرے انبیاء کی اور ان کو بھی خدا

کا رسول یقین کرتے ہیں، اور اس لئے ہماری ہمدردی کا دائرہ لازمی طور سے وسیع ہو جاتا ہے اور ہم غیر مسلموں کے ساتھ رواداری اور محبت کا سلوک کرنے کے لئے مجبور ہیں۔

اسلام کا اصلی مقصد یہ ہے کہ دنیا میں حریت ضمیر اور آزادی عمل قائم ہو جائے۔ خصوصاً مذہب کے باب میں، چنانچہ اس کا تمام نظام معاشرت اس اصول پر مبنی ہے جو ۲: ۲۵۶ میں بیان کیا گیا ہے "لا اکراہ فی الدین" یعنی دین کے معاملہ میں کسی پر جبر نہیں۔ پس ایک مسلمان دوسرے مسلمان یا دوسرے مذہب کے کسی فرد کے خلاف محض اس بناء پر جنگ نہیں کر سکتا کہ وہ اس کے مذہب کو پسند نہیں کرتا بلکہ، اس کے برعکس، اگر کوئی شخص خواہ وہ اس کا رشتہ دار ہو یا غیر، اگر وہ کسی غیر مسلم کے عقائد مذہبی سے تعرض کرے، تو اس کے خلاف اس کو جنگ کرنی لازمی ہے۔ قرآن مجید نے اس صورت حال کو الدین للہ سے تعبیر کیا ہے (۲: ۱۹۳) یعنی ہر شخص کو اجازت ہونی چاہیئے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق، مذہب منتخب کر سکے اور اپنی مرضی کے مطابق خدا کی عبادت کر سکے۔ اگر کوئی شخص اس اصول کی خلاف ورزی کرے تو خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، ایک مسلمان کا فرض ہے کہ اس کے خلاف اعلان جنگ کر دے سچ تو یہ ہے کہ اسلام سے پہلے کوئی شخص حریت ضمیر سے آگاہ ہی نہ تھا۔ اسلام میں آزادی کا احساس اس درجہ شدید ہے کہ ہر مسلمان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ بطور "پولس مین" کام کرے، تمام مذہبی عبادت گاہوں کی حفاظت کے لئے۔ مثلاً اگر مسلمان کسی گرجے پر حملہ آور ہوں، تو مسلمان کا فرض ہے کہ اُس کی حفاظت کرے۔ قرآن مجید اس باب میں اس قدر واضح ہے کہ کسی شک کی گنجائش ہی نہیں ہے چنانچہ فرماتا ہے "اور اگر اللہ تعالیٰ انسانوں کو دوسرے انسانوں کی وساطت سے دفع نہ کرتا رہتا تو نہ گرجے سلامت رہتے نہ صومعے اور نہ خانقاہیں نہ مسجدیں، جن میں اللہ تعالےٰ کا ذکر کیا جاتا ہے اور یقیناً اللہ اس کی مدد کرے گا، جو اسکے مقرر کردہ اصولوں کی حمایت کریگا" (۲۲: ۴۰) اس آیت میں اللہ تعالےٰ ہر مذہب کی عبادتگاہوں کی حفاظت کو، اپنی نصرت سے تعبیر کیا ہے اور یہ امر غور طلب ہے کہ مسلمانوں کو صرف مساجد کے تحفظ میں، جان قربان کرنے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ دوسرے مذاہب کی عبادتگاہوں کے لئے بھی۔ حتیٰ کہ بحالت جنگ بھی، ایک مسلمان غیر مسلم کی عبادتگاہوں کو نقصان نہیں پہنچا سکتا، نیز وہ مذاہب غیر کے پیشواؤں کو بھی قتل نہیں کر سکتا۔

ان تصریحات سے یہ بات ثابت ہو سکتی ہے کہ اسلام ایسا مذہب ہے جو انسان کے بلند ترین شریفانہ جذبات کو بروے کار لاسکتا ہے، تاکہ وہ بدی اور ظلم کا مقابلہ کر سکے۔

اسلام میں ضابطۂ ارکان و رسوم مذہبی

اسلام نے، مذکورہ بالا دوسری دو وجوہ جنگ کے ازالہ کے لئے، جو قوانین نافذ کئے ہیں، ان کی قدر و قیمت کا بہتر اندازہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ میں نفس مضمون سے گریز کروں، یعنی میں انسانی زندگی میں پابندیٔ ارکان کی اہمیت کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

اسلام پر اس کے بعض ناقدین نے یہ اعتراض وارد کیا ہے کہ یہ مذہب انسان کو پابندیٔ مراسم کی تلقین کرتا ہے اور یہ گویا اس مذہب کی ایک کمزوری ہے۔ ان معترضین کا مقصد یہ ہے کہ اسلام، انسان کو انفرادی حریت سے محروم کر دیتا ہے۔ بظاہر یہ اعتراض صحیح معلوم ہوتا ہے لیکن ہم اس کا مزید تجزیہ کریں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام زندگی کا ایک روحانی نظام ہے جس کی بدولت زندگی کے ہر پہلو میں مذہبی شان پیدا ہو جاتی ہے اور اس لئے زندگی کی معمولی باتیں بھی ایک مسلمان کی نظر میں مذہبی اہمیت حاصل کر لیتی ہیں، روزمرہ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے، حتیٰ کہ وہ مشاغل بھی، جن کو بعض لوگ ناپاک سمجھتے ہیں، جس کو مذہبی اہمیت حاصل نہ ہو مملکت جماعت، خاندان، فرد، اقتصادیات، اخلاقیات، فرائض متعلقہ باری تعالیٰ و بنی آدم سب کے سب مذہب کے زیر اقتدار ہیں۔

اس سے واضح ہے کہ اگر کوئی جماعت، کسی مذہب کی قرارداده رسوم کے ماتحت زندگی بسر کرے۔ تو اس سے بعض امور ایسے ظاہر ہوں گے، جو ان رسوم کا نتیجہ ہیں اور وہ ہماری نظر میں عجیب مگر دلچسپ ہوں گے۔ مثلاً اگر ہم ہندوؤں میں ذات پات کا امتیاز دیکھتے ہیں تو ہم اس کو اس مذہب کی بعض تعلیمات کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ اگر انگریزوں کی زندگی میں ہمیں شیخی اور طبقاتی امتیاز نظر آتا ہے، تو اس کا باعث بھی بعض رسوم کا وجود یا ان کا فقدان ہی ہے، یا یہ باتیں نتیجہ ہیں اُن رسوم کا، جو انگریزوں کی زندگی پر منظم اور روایتی مذہب کی طرف سے عاید کی گئی ہیں پس مختلف ارکان مذہبی اور رسوم ظاہری، جو مذاہب نے پیش کی ہیں وہ افراد اور اقوام کی زندگیوں پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ اسلام میں یہ بات بہت نمایاں ہے کیونکہ وہ انسان کے ہر فعل پر اثر انداز ہوتا

ہوتا ہے اور دینی اور دنیوی امور میں کوئی امتیاز روا نہیں رکھتا۔ اسلام کی رُو سے دنیا اور دین دونوں آپس میں گتھے ہوئے ہیں پس اگرچہ اسلام کے ناقدین نے اس بات کو اسلام کے حق میں خیر و برکت کا موجب ہے۔ یہ کہنا کہ اسلام نے اپنے پیروؤں کی زندگی میں رنگ جمود پیدا کر دیا ہے دراصل اسلام اور اس کی تعلیمات سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے مسلمانوں کے موجودہ زوال کا باعث اسلامی تعلیمات کی ہمہ گیری نہیں بلکہ وہ کچھ اور ہی ہے۔

ہی کی کمزوری سے تعبیر کیا ہے لیکن دراصل یہ اس کی خوبی ہے اور پیروؤں

اسلام کا مقصد یہ ہے کہ انسان کی جسمانی اخلاقی اور روحانی زندگی غرضیکہ ہر پہلو میں رہنمائی کرے۔ معترضین جبکہ وہ اس ہمہ گیری کو، فرد کی آزادی پر بے جا تصرف سے تعبیر کرتے ہیں یہ بھول جاتے ہیں، جسمانی زندگی کو منضبط کرنا، اخلاقی نشوونما کے لئے ضروری ہے اور آخری چیز روحانی ترقی کے لئے لازمی ہے یعنی زندگی کے ان تینوں پہلوؤں میں ایک شدید ربط پایا جاتا ہے، اور جو شخص اس مسئلہ پر اعتراض کرتا ہے وہ دراصل اس ربط سے عدم واقفیت کا ثبوت دیتا ہے۔

الغرض اسلام انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کی یکساں آبیاری کر کے زندگی کے ہر شعبہ میں، ہم آہنگی پیدا کرتا ہے اور انسان کی مکمل تربیت کرتا ہے، اس طرح کہ اس کی تمام صلاحیتوں کو، یکساں طور پر، بروئے کار آنے کا موقع مل سکے۔ اور اس اصول کی روشنی میں یہ بات واضح ہو سکتی ہے کہ، اسلامی تعلیمات کی رو سے، وہ نظام جو فرد کی زندگی کے صرف ایک پہلو کی تربیت کرتا ہے اور دوسرے پہلوؤں کو نظرانداز کر دیتا ہے، یعنی مثلاً صرف اخلاقی پہلو کی تربیت یا صرف روحانی پہلو کی تربیت، وہ دراصل ناقص ہے اور اس عدم توازن اور فقدان ہم آہنگی کی وجہ سے، جو ایسے ناقص ضوابط کی بنا پر، افراد کی جسمانی یا اخلاقی یا روحانی زندگی میں پیدا ہو جاتا ہے، دنیا میں، مختلف اقسام کی خرابیاں رونما ہو جاتی ہیں لیکن انسان صرف انفرادی تربیت پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ وہ انسان کی اجتماعی زندگی میں بھی کامل رہنمائی کر سکتا ہے۔ چنانچہ وہ فرد کو جماعت سے اور جماعت کو دنیا سے مربوط کر دیتا ہے اس طریق کار کی تفصیل میں آئندہ بیان کروں گا۔ اگر فرد کو اس طرح ترقی حاصل ہو کہ وہ اپنے آپ کو کسی اجتماعی زندگی سے وابستہ نہ کر سکے تو زندگی کے مسائل کا صحیح حل نہیں ہو سکتا۔ پس اسلام نے انسان کی انفرادی اور اجتماعی

دونوں پہلوؤں کی تربیت کا سامان عطا کیا ہے۔ اسی لئے ایک فرد بآسانی، اپنی جماعت میں اپنے لئے جگہ بنا سکتا ہے۔

آمدم بر سر مطلب۔ سبب نمبر ۲ کے متعلق میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اسلام نے ایسے طریقے اختیار کئے ہیں جن کی بدولت مفلس اور تونگر میں دوستانہ روابط پیدا ہو سکتے ہیں اور دولت کی تقسیم بھی اس طرح ہو سکتی ہے کہ سرمایہ داری کا امکان باقی نہیں رہتا۔ میں آگے چل کر بتاؤں گا کہ اسلام نے کس قسم کا اقتصادی نظام پیش کیا ہے اور سر دست میں اس پر اکتفا کروں گا کہ ہم مسلمانوں کے لئے، اس امتیاز کو سمجھنا ناممکن ہے، جو انگلستان میں، مختلف طبقات کے مابین پایا جاتا ہے اسی طرح ایک انگریز کے لئے، اُس اخوت اور مساوات کا تخیل ناممکن ہے، جو اسلامی ممالک کے مسلمانوں میں نظر آتی ہے جس کی وجہ سے ایک غریب مسلمان، دولتمند بھائی کے ساتھ مساویانہ طریق پر ملتا جلتا ہے۔ اور نہ دولتمندوں میں وہ نخوت نظر آتی ہے۔ بیشک ہماری قوم میں غریب افراد بھی ہیں لیکن مفلسی اور شئے ہے اور تحقیر اور شئے ہے۔ ہمارے اندر مساوات کا اُصول اس شدت کے ساتھ کارفرما ہے کہ یہ اختلاف بالکل مٹ جاتا ہے۔ اسلامی جماعت میں مکرم اور معظم وہ ہے جو زیادہ متقی اور پرہیزگار ہو اسی لئے اسلامی ممالک کے عوام اور مختلف طبقات دونوں میں مساوات پائی جاتی ہے۔

تیسرے سبب کے متعلق اسلام کا فیصلہ یہ ہے کہ، تعاون باہمی کی خوبیوں کا اندازہ، کرنے کی راہ میں دو سب سے بڑی رکاوٹیں وہ نظریے ہیں جو نسلی یا طبقاتی مفاخرت کی تعلیم دیتے ہیں (۱) اشتمالیت، بالشوزم اور سرمایہ داری طبقات کی برتری کی تعلیم دیتے ہیں اور (۲) نازازم، ہندوازم فاشزم اور یہودیت نسلی غرور کی۔ اسلام کے پاس ان دونوں برائیوں کے ازالہ کا خاص اپنا پیش کردہ نظام ہے اور اگر دنیا، جنگ کی لعنت سے آزاد ہونا چاہتی ہے تو اُسے ان دونوں قسم کی تعلیمات کو، حدود مقررہ کے اندر رکھنا پڑے گا۔

مسئلۂ نسل

سب سے پہلے میں مفاسد رنگ یا مفاخرت نسل کے مسئلہ پر اظہار خیالات کروں گا۔ اولاً میں یہ چاہتا ہوں کہ میری بجائے غیر مسلم حضرات کی آراء اس باب میں پیش کروں کہ اسلام و مذہب

ہے جس نے دنیا کی آبادی کے چھٹے حصے کو (اور مسلمانوں کی تعداد دنیا میں اسی قدر ہے) رنگ و نسل کی لعنت سے پاک کر دیا ہے۔ کاؤنٹ ہرمین کیسرلنگ مشہور جرمن فلاسفر نے اسلامی سوسائٹی کی ترکیب پر حسب ذیل تبصرہ سپرد قلم کیا ہے:۔

"جس ملک میں ہلال اپنا پرتو ڈالتا ہے وہاں قومیت کا جذبہ کسی قدر کمزور ہو جاتا ہے۔ اور یہ بات ہندوستان میں بہت نمایاں ہے جہاں کہ نسلی امتیازات واضح طور پر نظر آتے ہیں، اس ملک میں قومیت، کی جگہ ایک عالمگیر واضح خصوصیت نے لے لی ہے اور وہ مسلمانوں کی قومی سیرت ہے۔ میں نے اپنے قیام ہندوستان کے زمانہ میں جس مسلمان سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ تو اس نے یہی جواب دیا کہ میں مسلمان ہوں۔ سوال یہ ہے کہ صرف اسی مذہب نے کیونکر، قومیت کی جگہ، ایک وسیع تر تخیل اپنے پیرؤں کو دیا؟ اور یہ تخیل زیادہ شدید اور نمایاں ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ صرف اسلام ہی، بغیر کسی متقابل تحکمانہ عقیدہ کے، اخوت کے اصول کو قائم کرنے میں کامیاب ہو سکا جبکہ مسیحیت، باوجود اپنے نصب العین کے ناکام رہی؟ میری رائے میں اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے رجحانات مخفیہ اور سرشت انسانی میں، شدید رابطہ پایا جاتا ہے۔" (ص۲۰ ایک فلسفی کا سیاحت نامہ) مطبوعہ لندن ۱۹۲۵ء

میں ڈاکٹر ماڈ رائڈن کی کتاب "مسئلہ فلسطین" ص۳۲ مطبوعہ لندن سے بھی ایک اقتباس پیش کرنا چاہتا ہوں:۔

"اسلام دنیا میں پہلا مذہب ہے جس نے، سب سے پہلے حقیقی جمہوریت کا دنیا میں اعلان کیا، اس کی تعلیم یہ ہے کہ خدا اس قدر تنہا ہی عظمت والا ہے کہ اس کے سامنے تمام اختلافات مٹ جاتے ہیں، اور رنگ کا گہرا اور منفرت رساں امتیاز بھی باطل ہو جاتا ہے، اگرچہ مسلمانوں میں عمرانی مراتب ضرور پائے جاتے ہیں لیکن بنیادی (یعنی روحانی) طور پر سب مسلمان برابر ہیں، اور یہ بنیادی اصول مساوات محض فرضی نہیں ہے جیسا کہ عموماً عیسائیوں میں پایا جاتا ہے، بلکہ مسلمہ اور حقیقی ہے اور مختلف اقوام میں اس کی سریع اشاعت کا باعث یہی اصول ہے، اور افریقہ میں اسلام کی طاقت کا باعث

بھی یہی ہے جہاں کہ مسیحی پادری دن رات زبانی مساوات کا وعظ کرتے ہیں اور سفید رنگ اقوام کا طرز عمل اس کے بالکل برعکس ہے کیونکہ یہ اقوام امتیاز لونی کے اصول پر سختی کے ساتھ پابند ہیں۔ لیکن ایک مسلمان خواہ وہ کالا ہو یا سانولا گورا، فوراً مذہب کی بنا پر دوسرے مسلمانوں کا بھائی بن جاتا ہے۔ فرانس کی جنگ کے زمانہ میں بعض ہندی مسلمان سپاہیوں نے جب ایک قہوہ خانہ میں سینگال کے سیاہ فام سپاہیوں کو دیکھا تو اس پر اعتراض کیا لیکن جب ان کو یہ بتایا گیا کہ یہ لوگ بھی مسلمان ہیں تو انہوں نے اپنا احتجاج بند کر دیا بلکہ ان سیاہ فام سپاہیوں سے معذرت کی۔ سفید فام عیسائی اس طرح کا نمونہ کبھی پیش نہیں کرتے، نہ لندن کے ہوٹلوں میں نہ امریکہ کے۔

واضح ہو کہ محض قرآنی آیات یا احادیث نبویؐ کی بنا پر مسلمانوں کے اندر، جذبۂ قومیت کو فنا کرنے کا احساس پیدا نہیں ہوا، کیونکہ دلکش پند و نصائح تو ہر مذہب میں موجود ہیں اور تمام مذہبی کتب میں "اخوت انسانی" کی تعلیم موجود ہے، اور اس اصول کو، بطور نصب العین بھی پیش کیا جاتا ہے، ہر نبی اور حکیم نے، اس اصول کی تلقین کی ہے، لیکن اسلامی ممالک کے علاوہ اور کسی جگہ "ابناء اللہ" یا "اخوت انسانی" کا اصول، حقیقت میں مبدل نہیں ہو سکا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کو اس اصول کا عملی درس بھی دیا جاتا ہے، اور یہ درس ہمیں پنجگانہ نمازوں میں ملتا ہے، اور اس رکن کو آنحضرت صلعم نے اسی لئے اسلام کا ستون قرار دیا ہے اور حج بیت اللہ اسی رکن کا تکملہ ہے افسوس ہے کہ میں اس وقت اس رکن کی جزئیات سے بحث نہیں کر سکتا جس نے رنگ اور نسل کے تعصبات کو، دنیائے اسلام سے یکسر خارج کر دیا ہے۔ اگر اسلام دنیا کے تیس کروڑ انسانوں کو رنگ اور نسل کی لعنت سے پاک کرنے کے علاوہ، اور کوئی خدمت انجام نہ دیتا، تو بھی وہ بجا طور پر اس بات کا دعوے کر سکتا تھا، کہ میں نے، تمام دنیا کو اپنا ممنون احسان کر لیا ہے۔ یہ بات صرف ہم مسلمان ہی دنیا کو سکھا سکتے ہیں کہ انسان رنگ اور نسل کی لعنت سے کس طرح نجات حاصل کر سکتا ہے۔ اسلام ہم کو ایسی تعلیم دیتا ہے جس کی بنا پر ہم، ایسی اخوت انسانی قائم کر سکتے ہیں جو اخلاقی اور روحانی مساوات کے اعلیٰ تخیل پر مبنی ہے۔

مسئلہ طبقات

دوسری بڑی لعنت جو اس وقت دنیا پر مسلط ہے، اور جس کی وجہ سے، بدی کی ان طاقتوں

کو تقویت حاصل ہوتی ہے، جن کا مقصد امن عالم کو برباد کرنا ہے، وہ منافرت ہے جو مختلف طبقات کے درمیان پائی جاتی ہیں۔ مثلاً سرمایہ دار کے دل میں مزدور کے لئے، کوئی محبت نہیں ہے اور اسی طرح مزدور/سرمایہ دار کی مشکلات کا اندازہ نہیں لگاتا۔ نتیجہ یہ ہے کہ باہمی کشمکش رونما ہو جاتی ہے۔ اگر اسلام، فرد کی اقتصادی زندگی سے بحث نہ کرتا (سرمایہ دار، مزدور، آقا یا کارخانہ دار یا ملازمین) تو نسلی تعصبات کے مٹانے میں جس قدر کامیابی اس نے حاصل کی تھی وہ سب اسکے ہاتھ سے جاتی رہتی۔ چونکہ اسلام، اس حقیقت سے آگاہ تھا کہ جب تک فرد کو، ان قیود سے رہائی نہ دلائی جائے، جو طبقاتی شعور کی بنا پر، فریق مخالف پر عاید کر دی جاتی ہیں، اس وقت تک سوسائٹی کو استحکام نصیب نہیں ہو سکتا، اس لئے اس نے ایسے قوانین نافذ کئے جن کی بدولت افراد اور جماعتوں میں ایک ہم آہنگی اور توازن پیدا ہو سکتا ہے۔

اسلام نے جو اصول نافذ کئے ہیں، ان کی بدولت، ایک طرف تو، قومی دولت چند افراد میں محصور نہیں ہو سکتی، دوسری طرف ایسے اصول نافذ کئے جن کی بدولت وہ نفرت دور ہو سکتی ہے جو غریبوں کے دلوں میں، دولتمندوں کے خلاف پیدا ہو سکتی ہے۔ اس دوگونہ مقصد کے حصول کے لئے، اسلام نے حسب ذیل طریقے اختیار کئے ہیں:۔

(۱) فطرت کی ان تمام قوتوں کو، بنی آدم پر مساویانہ تقسیم کر دیا جن کی بدولت پیداوار عمل میں آتی ہے اور صنعت و حرفت کا بازار گرم ہو سکتا ہے، اور جن کو خدا نے پیدا کیا ہے یعنی زمین کا قطعہ جو کسی فرد کے قبضہ میں ہے دراصل مملکت کا حصہ ہے۔

(۲) اسلام نے خلف اکبر کے قبضہ کو تسلیم نہیں کیا۔ چنانچہ اسلامی قانون وراثت کی رو سے بڑی جائداد یا ریاست وجود میں نہیں آسکتی، بڑی جائدادیں ہمیشہ ورثاء پر تقسیم ہوتی رہتی ہیں۔

(۳) اسلام نے ربوٰا کو حرام قرار دیا ہے اور سود پر روپیہ دینے کی ممانعت کر دی ہے، اس اصول کی بنا پر، سرمایہ داری کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔

(۴) اسلام نے اجارہ داری اور احتکار دونوں کو ممنوع قرار دیا ہے جن کی بدولت افراد، ذخائر جمع کر کے، بعدازاں گراں قیمت پر فروخت کر سکتے ہیں۔

(۵) اسلام نے زکوٰۃ کا نظام قائم کیا ہے جس کی رو سے، اس جائداد پر، مملکت اپنا کنٹرول

قائم کر سکتی ہے، جو منفعت بخش ہو، زکوٰۃ کی رقم ہر بالغ مسلمان کی آمدنی پر عائد ہوتی ہے۔ اس اُصول کا منشا یہ ہے کہ اگرچہ ہر فرد، نجی جائداد کا مالک ہے لیکن، اس کے اندر دولت جمع کرنے کا جذبہ، حد سے زیادہ نہ ہو جائے اس لئے دولت جمع کرنے کی ایک حد مقرر کر دی ہے چنانچہ زکوٰۃ بھی سرمایہ داری کے خلاف ایک جہاد ہے نیز اس کی بدولت، تونگر یہ محسوس کر سکتا ہے کہ اس کی دولت پر، اس کی قوم کے غریب افراد کا بھی حق ہے اور مفلس کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ تونگر اس کا دوست ہے۔

مندرجہ بالا تصریحات سے یہ بات واضح ہو سکتی ہے کہ اسلام نے نجی جائداد کو تسلیم کیا ہے کیونکہ، ہر شخص کے لئے یہ بات ناممکن ہے کہ وہ اپنے مقبوضات سے یکلی دستبردار ہو کر زندگی بسر کرے۔ اسلام کا زاویۂ نگاہ، زندگی کی جانب صوفیانہ ہے نہ کہ راہبانہ۔ آخر الذکر کو اسلام مردود سمجھتا ہے لیکن وہ اس حقیقت سے بھی آگاہ ہے کہ انسان کو محض مادیات سے تسلی نہیں ہو سکتی، اسی لئے، جبکہ مسیحیت اور بودھ دھرم، انسان کو ترک دنیا کا سبق دیتے ہیں، اسلام، ایجابی رجحان اختیار کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ انسان کیا ہے اور اسے کیا ہونا چاہئے ان دونوں میں راہِ اعتدال کیا ہے؟ اسلام کی تعلیمات کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے جذبات کو یکلی فنا نہ کرے بلکہ اُن کو شریفانہ رنگ میں تبدیل کر دے تاکہ اسکی زندگی اپنے مقصد سے ہمکنار ہو سکے۔

ہم مسلمان کسی وقت اس حقیقت سے غافل نہیں ہوتے کہ ابھی صرف دنیا کی آبادی کے چھوٹے حصے نے، مساوات اور اخوت کا ذائقہ حاصل کیا ہے۔ گزشتہ چند برسوں میں جو واقعات رونما ہوئے ہیں ان کی بنا پر مسلمانوں کو، اپنے ان بھائیوں کی سود و بہبود کے لئے بہت زیادہ توجہ کرنے کی ضرورت ہے جو مادی اعتبار سے اُن پر تفوق رکھتے ہیں، اور جن کو وہ تمام سہولتیں حاصل ہیں جو، علوم و فنون طبیعی نے بنی آدم کو عطا کی ہیں۔ آج دنیا کو ایسے نسخہ کی اشد ضرورت ہے، جو اُسے نسلی امتیازات کا ازالہ کرنا سکھا سکے، اور طبقاتی منافرت کو دلوں سے محو کرا سکے آج سے پچاس سال پہلے یہ ضرورت اتنی اشد نہ تھی۔ نسلی اور اقتصادی نظریے، جن کی رُو سے دولت کی تقسیم غیر مساویانہ طور پر ہوتی تھی، صرف ماہرین اقتصادیات و اقوام تک محدود تھے

لیکن اب تو یہ زمانہ ہے کہ لوگ، کھلے بندوں، غلامی جنبہ داری، علیحدگی، اور غیر آریائی نسل کے لوگوں پر ظلم و ستم کی خوبیاں بیان کر رہے ہیں، اور انسانوں کی روحانی اخوت و مساوات، عمرانی عدل و انصاف، رحمدلی۔ فیاضی، اور کمزوروں کی حفاظت کے اصولوں کا علانیہ مذاق اڑایا جاتا ہے۔ ہم مسلمان اپنے مسیحی بھائیوں کے ساتھ اس یقین میں شریک ہیں کہ فرد کی ترقی دیگر افراد کی خدمت میں مضمر ہے۔ لیکن ہمارے پاس بعض اصول ایسے بھی ہیں، جو دوسروں کے یہاں نہیں مل سکتے اور اس بات کے کہنے سے میرا مطلب دوسروں کی دل آزاری نہیں ہے مسلمانوں کے علاوہ اور کوئی قوم، حقیقی معنی میں روحانی جمہوریت کے اصولوں کی مالک نہیں ہے۔ کیونکہ ملتِ اسلامیہ کے علاوہ اور کوئی ملت، احباریت کی لعنت سے پاک نہیں ہے، بیشک دیگر مذاہب نے افراد کی زندگیوں میں انقلاب پیدا کر دیا، لیکن اسلام ایسا مذہب ہے، جو افراد کے علاوہ، اقوام عالم کی اجتماعی زندگی میں بھی انقلاب پیدا کر سکتا ہے اور تاریخ عالم اس پر شاہد ہے۔

ابھی تک دنیا کی آبادی کا ⅚ حصہ، نسل اور رنگ کی لعنت میں گرفتار ہے دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے، نارروا احساس برتری میں مبتلا ہے اور اس حقیقت سے غافل ہے کہ اس کے ہر فرد کا فرض یہ ہے کہ ہمجنسوں کی خدمت کرے نہ کہ اُن کے ساتھ دشمنی کرے۔ اگر ہم امن کے طالب ہیں تو ہمیں نہ صرف اپنی زندگی کے تمام شعبوں کو، خواہ وہ شخصی ہوں یا عمرانی، اقتصادی ہوں یا قومی یا بین الاقوامی، نسلی وطنی لونی اور ملوکانہ یا استعمارانہ جذبات سے بالاتر رکھنا ہوگا بلکہ ایسے اصول بھی وضع کرنے ہونگے جن کی بدولت ہم عملی زندگی میں اخوت اور مساوات کا نقشہ دنیا کے سامنے پیش کر سکیں۔ محض تمنائیں، خصوصاً جبکہ وہ روحانی اقدار سے خالی ہوں، ہمیں منزل مقصود تک نہیں پہنچا سکتیں۔۔

جنگ کے بنیادی اسباب
اور بذریعہ مذہب ان کے ازالہ کی صورت

افتتاحی تقریر منجانب سر فرانسس ینگ ہزبینڈ

{گذشتہ سے پیوستہ}

جب امام صاحب نے اپنا مضمون ختم کیا تو سر فرانسس ینگ ہزبینڈ نے کہا :-

" ہمارا طریق کار یہ ہے کہ لیکچر کے خاتمہ پر تبادلۂ خیالات کیا جائے میں یقین کرتا ہوں کہ آپ حضرات مجھ سے متفق ہوں گے کہ اس لیکچر کو سن کر ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اسلام اس انجمن کے مقاصد کو بہت کچھ تقویت پہنچا سکتا ہے اور اس انجمن کا اہم مقصد بنی آدم میں رفاقت باہمی کی روح کا پیدا کرنا ہے ۔ چونکہ میں خود برسوں مسلمانوں میں رہ چکا ہوں، اس لئے ، فاضل لیکچرار کے بیان کی تائید اور تصدیق کر سکتا ہوں کہ مسلمانوں میں اخوت اور مساوات کا جذبہ بہت شدید ۔ اور دوسروں کے مقابلہ میں نسبتاً زیادہ ہے ، بہرکیف اب میں مس پیٹرسن سے درخواست کروں گا کہ وہ تقریر پر تبصرہ کریں "

مس پیٹرسن نے کہا :- " مذاکرہ کے اعتبار سے دو ایک نکات بہت دلچسپ ہیں ۔ یہ ایک بہت دقیق مسئلہ ہے کہ فرد کا جماعت سے کیا رشتہ ہے ؟ میں اس بحث نہیں پڑونگی مگر اتنا ضرور کہونگی کہ یہ اس وقت کے اہم مسائل میں سے ہے اور اگر اسلام اس مسئلہ کے حل میں ہماری مدد کرے تو ہم سب بہت خوش ہونگے کہ فرد کے حقوق کیا ہیں اور سوسائٹی میں اس کے فرائض کیا ہیں ؟ ایک طرف گورنمنٹ کا دباؤ ہے جسے ہر فرد محسوس کرتا ہے اور دوسری طرف فرد کی حریت کا اس قدر عظیم الشان تخیل ہے کہ سوسائٹی کے فرائض محو ہو جاتے ہیں ۔

فاضل مقرر نے کہا ہے کہ اسلامی تعلیمات کی رو سے ، انسانی فطرت بالکل درست ہے اس پر میں کچھ تبصرہ کرنا چاہتی ہوں ۔ آپ جانتے ہیں کہ مسیحیت میں ، موروثی گناہ کا بہت احساس ہے ۔ لیکن مجھے یہ خیال ضرور آتا ہے ۔ کہ ، بنیادی درستی پر اعتقاد رکھنے کے ساتھ مسیحی عقیدہ

مد نظر رکھنا بھی بہت مفید ہے۔ اور یہ وہ نکتہ ہے جس کے متعلق ہم خوفناک غلطی کا ارتکاب کر سکتے ہیں۔ آپ میں سے بعض کو وہ نظم یاد ہوگی جس میں براؤننگ نے لکھا ہے کہ مسیحیت نے موروثی گناہ کا عقیدہ پیش کر کے، انسانی فطرت کے کمال کو مشتبہ کر دیا۔ اس نے یہ بات داستان نقش کے آخر میں لکھی ہے۔ اور سچی بات بھی یہی ہے کہ جب تک ہم انسانی فطرت میں، بدی کا کچھ نہ کچھ عنصر تسلیم نہ کریں دنیا کی موجودہ حالت کی توجیہہ نہیں ہو سکتی۔

مجھے لیکچرار کی یہ بات بہت پسند آئی کہ موجودہ صورت حالات کی ذمہ داری پس ماندہ اقوام پر عاید نہیں ہوتی، یہ ترقی پذیر اقوام ہی ہیں، جو ایک بات میں ترقی کر رہی ہے، لیکن دوسری تمام باتوں میں بمنزلہ صفر ہیں، اور ان باتوں کو صرف پسماندہ اقوام نے ابھی تک قائم رکھا ہے۔

نیز مجھے موصوف کی یہ بات پسند آئی کہ انہوں نے خدا کی ذات کے تنزیہی پہلو پر زور دیا ہے تاکہ بنی آدم میں مساوات کا رنگ پیدا ہو سکے واضح ہو کہ اخوت اور مساوات کا رنگ صرف اسی طرح پیدا ہو سکتا ہے جیسا کہ لیمونٹ نے لکھا ہے کہ جب تک ہم توحید الٰہی کے عقیدہ کو تسلیم نہ کریں، اس وقت تک ہم اس حقیقت کا احساس نہیں کر سکتے کہ ہم سب بھائی بھائی ہیں۔

تصوف اور رہبانیت کے نکات، میری رائے میں ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن یہ ایک دقیق بحث ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس وقت ہندوستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں میں اخوت کا کافی احساس پایا جاتا ہے؟ میرا خیال تو یہ ہے کہ اس وقت ہندوستانی مسائل کے تصفیہ میں، رکاوٹ کی ایک بڑی وجہ یہی مسئلہ ہے۔ بہرحال میں مقرر کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں۔

امام صاحب کی طرف سے جواب

اگرچہ ہندوستانی مسائل پر بحث میرے موضوع سے خارج تھی تاہم میں کہہ سکتا ہوں کہ، بدقسمتی سے ہندوؤں اور مسلمانوں کا زاویہ نگاہ، زندگی کے متعلق، ایک دوسرے کی ضد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے مابین کوئی مفاہمت نہیں ہو سکتی۔ ہم مسلمان، جمہوریت پسند ہیں اور ہندوؤں میں طبقاتی خیالات پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ ہم مذہبی طبقہ کی گرفت کو ڈھیلی کرنا چاہتے ہیں لیکن ان کا مذہبی طبقہ (برہمن) اس بات کو پسند نہیں کرتا۔

مسٹر سیومل کا تبصرہ

جناب من! میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ آپ نے مذہب کی وساطت سے امن کے موضوع پر بحث کا آغاز کرنے کے لئے، اس شخص کو منتخب کیا جو انگلستان میں اسلام کا لیڈر رہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ بہت اچھا آغاز ہے۔ میرے لئے اس تقریر پر تبصرہ کرنا مشکل ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ان کی تقریر کے مسودہ کو دوبارہ غور سے پڑھوں، پھر تبصرہ کروں، اس میں بہت سے دلچسپ نکات بیان کئے گئے ہیں۔

میں ارباب سائنس سے دریافت کروں گا کہ امام صاحب کا یہ قول کس حد تک صحیح ہے، کہ مسلمان سائنس کے علمبردار رہے ہیں۔ ابن سینا، ابن رشد اور دوسرے حکماء کے ناموں کو پڑھ کر یہ سوال دل میں پیدا ہوتا ہے کہ جو زبردست تحریک ان حکماء کی بدولت، سائنس کو حاصل ہوئی، کیا وہ ابھی تک جاری ہے؟ اور میں عالمگیر اخوت کے متعلق بھی سوال کروں گا، میں اس مسئلہ سے دلچسپی رکھتا ہوں، کیونکہ میرا تعلق ایسی جماعت سے ہے، جو اسی کام کو دوسرے انداز پر کر رہی ہے، اس جماعت کا نام نیشنل ایڈلٹ سکول یونین ہے، اس جماعت میں طبقات کا نام و نشان بالکل نہیں ہے۔ نہ فرقہ بندی ہے اور نہ سیاسی جھگڑے، اور ہم جس طرح ممکن ہو سکے، امن و صلح کے لئے کوشاں ہیں چنانچہ میں آپ کو بتا دوں کہ سال گذشتہ اسی زمانہ میں لندن میں امام صاحب نے ایک درس دیا تھا۔

مجھے یاد نہیں کہ آپ خود تھے یا آپ کے پیشرو، جنہوں نے ہماری حوصلہ افزائی کی تھی اسی کی بدولت ہم نے عیسائیوں مسلمانوں اور یہودیوں کا ایک مشترکہ جلسہ طلب کیا تھا جو ہمارے مرکز بلومس بری سٹریٹ میں منعقد ہوا تھا۔ عموماً یہ تحریکیں شروع ہو کر جلد ختم ہو جاتی ہیں، ضرورت اس امر کی ہے کہ وہ جاری رہیں مجھے خوشی ہے کہ مجھے مذہب کی وساطت سے امن کے قیام کے موضوع پر ایسی اچھی تقریر کے سننے کا موقع ملا۔ جیسا کہ مقرر نے کہا، تمام مذاہب اس معاملہ میں تعاون کر سکتے ہیں ظاہری تقدس پرستی میں بہت سے عناصر غیر ضروری معلوم ہوتے ہیں۔ اصلی چیز باطنی روشنی ہے اور اس معاملہ میں ہمارے کوئیکر بھائی صحیح ہیں چنانچہ اسی راستہ پر چلنا چاہیئے۔ تاکہ دنیا میں امن قائم ہو سکے یقیناً جنگوں کا اصلی سبب مادہ پرستی ہے اگر دنیا ان راہوں پر چلنا شروع کر دے جن کا ذکر امام صاحب نے کیا ہے تو مجھے امید ہے کہ دنیا سے جنگ کا خاتمہ ہو سکتا ہے گا اور اس کے لئے میں امام صاحب (کا ممنون ہوں کہ) آج اس موضوع پر ہمیں بہت عمدہ خیالات سننے کا اتفاق ہوا ہے۔)

کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

سر فرانسس ینگ ہز بینڈ۔ کیا کوئی صاحب اور ہیں جو تبصرہ کریں گے؟

ایک مجہول الاسم:۔ میں اس جلسہ میں اجنبی سا ہوں لیکن کیا آپ مجھے اجازت دیں گے کہ میں اپنے خیالات کا اظہار کروں؟ امید ہے کہ آپ میری جسارت کو معاف کریں گے میں نے اس موضوع پر کئی سال تک غور وفکر کیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ جنگ کے مسئلہ کا اس کے سوا اور کوئی حل نہیں کہ مذہب اور اقتصادیات کے مفہوم کو صحیح طریق پر سمجھا جائے۔ میرا خیال ہے کہ اس وقت اہل عالم کے سامنے کوئی ایسی بات نہیں جس کی بدولت یہ توقع کی جاسکے کہ دنیا سے جنگ وجدل کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ ہم یورپ میں ایک عارضی مفاہمت کا رنگ پیدا کر سکتے ہیں تاکہ اس حقیقت کا احساس ہو سکے کہ سیاہ فام اقوام، محتاج ترقی ہیں پس جب تک ہم کسی بہتر تجویز پر عمل نہ کریں، انسانیت کا مستقبل تاریک نظر آتا ہے۔ مجھے مقرر کی تقریر کا وہ حصہ پسند نہیں جس میں انھوں نے اسلام کو دیگر مذاہب کے مقابلہ میں بلند ثابت کیا ہے۔ ممکن ہے جو کچھ انھوں نے کہا، وہ بالکل سچ ہو اور غالباً وہ اپنے تمام دعاوی کو صحیح ثابت کر سکتے ہوں لیکن میرا یہ خیال ہے کہ پھر دیگر مذاہب (مثلاً مسیحیت یہودیت وغیرہ) کے وکلاء اپنے اپنے مذہب کی برتری کے لئے کوشاں ہونگے اور اس طرح مناظرہ کی صورت پیدا ہو جائے گی۔

میں اس تحریک کے خیالات یا اس کے مقاصد سے آگاہ نہیں ہوں لیکن پہلی بات جو میں کہنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ میں نہ تو گرجہ میں جاتا ہوں نہ اُن سے کوئی علاقہ رکھتا ہوں، میں خدا اور اس کی ربوبیت پر اعتقاد رکھتا ہوں اور اس بات کی قدر کوئی شخص اتنی نہیں کرتا جتنی کہ قدیم زمانہ کے مذہبی معلمین کرتے تھے۔ آج جس بات کی ضرورت ہے وہ ایک زندہ خدا کا تخیل ہے یا زندہ خدا پر ایمان۔ ہمارا تصور الہٰ ہزاروں برسوں کا پرانا ہے، حالانکہ ہمیں زندہ خدا کے پیغام کی ضرورت ہے یعنی ایسا پیغام جو عہد حاضر کے اقتضاء کو پورا کر سکے۔

ایک بات اور کہنی چاہتا ہوں۔ میں اخوت کے تخیل کو پسند نہیں کرتا یہ عورتوں کے احساس کمتری کی ایک دوامی شکل کا نام ہے۔ مقصد کی وضاحت کے لئے میں یہ کہتا ہوں کہ ہمیں بنی نوع آدم کی اخوت اور خواہریت دونوں کو تسلیم کرنا چاہیئے ایسا لفظ استعمال کیجئے، جو دونوں پر

حاوی ہو، یعنی قرابت۔ ہم اپنے خدا کی طرف سے ایسا پیغام چاہتے ہیں جو ہماری موجودہ ضروریات کے لئے کافی ہو، اور ہماری مجادلانہ صورتِ حال کا ازالہ کر سکے اور ہماری اس تحریک کا تخیل ایسا ہونا چاہیئے جو ہمارے اندر بنی آدم کی باہمی قرابت داری کا احساس پیدا کر سکے۔

علاوہ بریں میں چاہتا ہوں کہ تمام اہل مذاہب اس وقت اپنے اپنے مذہب کے کلیسائی پہلو کو بالائے طاق رکھدیں اور اس کے اخلاقی پہلو پر زور دیں۔ اگرچہ وہ اپنی مخصوص مذہبی رسوم ادا کر سکتے ہیں لیکن ایک اصول مشترک ایسا بھی ہونا چاہیئے جس میں سب لوگ بلا امتیاز شریک ہو سکیں ایک مشترکہ انسانی مقصد کے حصول کے لئے۔

میں چاہتا ہوں کہ آپ آیندہ چند روز، ان دو لفظوں کے معانی پر غور کرنے پر صرف کریں جو آجکل بکثرت مستعمل ہیں حصول اور تقسیم میں اس تحریک میں سیاست کا دخل پسند نہیں کرتا اور نہ مجھے یقین ہے کہ میں اس میں شریک ہو سکوں گا، میں چاہتا ہوں کہ حصول اور تقسیم کے لحاظ سے اقتصادیات کو اس تحریک میں دخل ہونا چاہیئے۔ دنیا کے تمام مادی اور غیر مادی ذرائع کو مشترکہ مفاد کے لئے جمع کر لیجئے اور پھر اس سرمایہ سے انسانی ضروریات پوری کیجئے اور یہ کام بنی آدم کی قدر و قیمت، انکی ترقی کی صلاحیت اور پیدا کردہ اشیاء کے لحاظ سے ہونا چاہیئے جو انہوں نے ریسرچ اور علوم حکمیہ کی بدولت کی ہیں۔ اصول حصول و تقسیم ایسا موضوع ہے جس پر گھنٹہ بھر تقریر ہو سکتی ہے۔ ان دو لفظوں میں وہ تخیل پوشیدہ ہے جس کی مدد سے، میں مسئلہ جنگ کا حل پیش کر سکتا ہوں اور بنی نوع آدم کے اتحاد باہمی کا طریقہ بھی دنیا کو بتا سکتا ہوں۔

مسٹر چارلسٹن رے

گزشتہ ہفتہ ہم نے مسٹر ساریٹ کی تقریر سُنی تھی۔ اور یعنی اب تک ہم دو عمدہ تقریریں سُن چکے ہیں۔ میرا اب بھی یہی خیال ہے کہ بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ ہم اداروں کے متعلق بہت کچھ سنتے رہتے ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ ہمیں اس بنیادی حقیقت کا احساس کرنا چاہیئے کہ ادارے تو دراصل ہم خود ہیں۔ ان کا وجود ہمارے ہی خیالات کا عکس ہے اور ان اداروں کی کمزوریاں دراصل ہماری اپنی ہی کمزوریاں ہیں۔ تقریر میں ایک اہم نکتہ زیر بحث آیا یعنی موروثی گناہ۔ اس پر گفتگو کرنے کے لئے کافی وقت درکار ہے۔ لیکن اس مسئلہ سے ایک ایسا اصول مستنبط ہوتا ہے جسکی

وجہ سے ہماری زندگی میں انقلاب پیدا ہو سکتا ہے۔ اور یقیناً وہ ہماری زندگیوں پر اثر انداز ہوتا ہے یہ ضرور ہے کہ ہماری زندگی میں کہیں نہ کہیں کوئی خامی ضرور ہے۔ کیا یہ سچ نہیں کہ ہم ڈرتے ہیں؟ یہ تحقیق کرنا تو مشکل ہے کہ اس کا باعث موروثی گناہ ہے یا یہ خوف، بعد میں، ہمارے اندر جاگزین ہوتا ہے، لیکن یہ یقینی ہے کہ ہم ہر شئے سے ڈرتے ہیں اسلئے ہر وقت مصروف جنگ رہتے ہیں کیا یہ ممکن نہیں کہ اگر ہم مسیحیت کو حقیقی طور پر سمجھ لیں اور اس کی روشنی سے اپنے قلوب کو منور کر لیں، تو ہم خوف کے جذبہ سے آزاد ہو سکتے ہیں اور اپنے عمرانی اداروں کے نقائص کو دور کر سکتے ہیں اور اس کے بعد خدا اور اس کے بندوں سے صلح کر سکتے ہیں۔

سر فرانسس ینگ ہزبینڈ

وقت بہت گزر چکا ہے اس لئے مناسب ہے کہ اب ہم اس بحث کو ختم کر دیں۔ لیکن اس بحث سے چند امور مستنبط ہوتے ہیں۔ جن کی طرف اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جب ہم بین المذاہب بحثوں کا آغاز کرتے ہیں تو مختلف مذاہب میں جو بنیادی اختلافات ہیں وہ لازمی طور سے ظاہر ہو جاتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ بنیادی نقطۂ اتحاد بھی واضح ہو جاتا ہے۔ لیکچرار نے ہندوستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے اختلافات باہمی کا ذکر کیا ہے، اور بلاشبہ ان میں شدید مذہبی اختلاف پایا جاتا ہے۔ مثلاً ہندوؤں کے یہاں ذات پات کا امتیاز پایا جاتا ہے جو دنیا میں ایک نادر الوجود شے ہے اس کے بالمقابل مسلمانوں کے اندر اخوت اور مساوات کا عقیدہ کار فرما ہے لیکن اسکے باوجود ہندو اور مسلمان دونوں ایک ہی ملک میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ہندوستان کے موجودہ اختلافات، در اصل سیاسی ہیں اور ذات پات کے متعلق ہندوؤں کے زاویہ نگاہ کی قدر کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ وہ لوگ خود تسلیم کرتے ہیں کہ یہ اصول حد سے متجاوز ہو چکا ہے تاہم اسی کی بدولت ان کا مذہب ہزاروں سال سے برقرار ہے۔ برہمنوں کی ذات ہزاروں سال سے قائم ہے اس چیز نے اُن کے تمدن کو اس وقت فنا ہونے سے محفوظ رکھا جبکہ یونان اور روما کا تمدن فنا ہو گیا۔ ہندو تہذیب آج بھی ہندوستان میں زندہ ہے اور یہ تہذیب یونانی تہذیب سے پہلے پیدا ہوئی تھی۔ بیشک ذات پات کے امتیاز کا یہ فائدہ ضرور انہیں پہنچا اگرچہ آج وہ اس امتیاز کی شدت سے نالاں ہیں اس کے بعد مسلمانوں نے اس ملک میں اخوت اور مساوات کا احساس پیدا کیا اور ہندو اس

سے یقیناً متاثر ہوئے۔ مجھے یاد ہے کہ جب شاہ جارج پنجم اور ملکہ میری تی بحیثیت شاہزادہ و شاہزادی ویلز ایک ہندو ریاست میں جہاں میں ریذیڈنٹ تھا تشریف لائے تو اتوار کے دن عبادت سے پہلے مہاراجہ خود گرجہ میں تشریف لائے تاکہ وہ بچشم خود، انتظام عبادت کو دیکھ لیں، انہوں نے دیکھا کہ اگلی قطار میں دو سونے کی کرسیاں رکھی ہوئی تھیں، انہوں نے دریافت کیا کہ یہ کس کے لئے ہیں؟ ملازمین نے جواب دیا پرنس اور پرنسس کے لئے۔ اس پر وہ کہنے لگے "یہ ٹھیک نہیں کیونکہ گرجہ میں شاہ و گدا دونوں یکساں ہوتے ہیں"۔ اس بات سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اب ہندوؤں میں بھی اخوت و مساوات کا احساس پیدا ہو گیا ہے۔

میں جانتا ہوں کہ آپ سب لوگ مجھ سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ میں لیکچرار کا شکریہ آپ کی طرف سے ادا کروں۔ انہوں نے بہت عجلت میں (جس کا مجھے افسوس ہے) اسلامی اصول آپ کے سامنے پیش کر دیئے ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ آپ حضرات، اس لیکچر کو مطبوعہ شکل میں غور سے پڑھیں کیونکہ جو کچھ انہوں نے بیان کیا ہے وہ بہت قیمتی خیالات سے معمور ہے۔ ٭٭٭

شادی کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر!

(از قلم اے۔ایف۔ایم عبدالمجید رشدی۔ایم۔اے علیگ ایم۔اے کلکتہ لائبریرین اسلامیہ کالج کلکتہ)

اس مسئلہ میں عرب مؤرخوں۔ راویوں اور مستشرقوں کے درمیان اختلاف عظیم ہے کہ شادی کیوقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری زوجہ محترمہ حضرت عائشہ رضؓ کی عمر کیا تھی، یہ امر خصوصیت سے قابل ذکر ہے کہ حضرت عائشہؓ کے والد حضرت ابو بکرؓ نے جو اپنے عہد کے مشہور و معروف ماہر علم الانساب اور مورخ تھے اپنی لاڈلی بیٹی کے متعلق ایک حرف نہیں لکھا اگرچہ اپنے عہد کے تمام مشاہیر اور واقعات عرب کی تاریخیں بیان کی ہیں۔ تاریخ اور روایت نے اس مسئلہ کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں دیا۔

امام بخاری فرماتے ہیں کہ عقد کی رسم کے وقت حضرت عائشہ کی عمر ۶ سال تھی اور رسومات (رخصت) ۹ سال کی عمر میں ادا ہوئیں۔

امام ابوالحسن مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری اور امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں، حضرت عائشہ رضؓ کا عقد اور رسومات بترتیب سات اور ۹ سال کی عمر میں ہوئیں مشہور عرب مؤرخ ابن سعد محدث مولانا بدرالدین عینی فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضؓ کا عقد ۹ سال کی عمر میں ہوا اور رسومات عقد کے ۴ یا ۵ سال بعد ہوئیں یعنی تیرہ یا چودہ سال کی عمر میں۔ مذکورہ مؤرخوں اور راویوں کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ عقد اور رسومات کے وقت حضرت عائشہ رضؓ کی عمر کیا تھی۔ اس کے علاوہ اس باب میں بھی بیانات مختلف ہیں کہ عقد اور رسومات کے درمیان کتنا زمانہ گذرا۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ رسومات عقد سے تین سال بعد ادا ہوئیں۔ امام مسلم اور امام حنبل فرماتے ہیں کہ رسومات عقد دو سال بعد ادا کی گئیں۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ رسومات عقد سے پانچ سال بعد ادا کی گئیں۔ اور مولانا عینی فرماتے ہیں کہ رسومات عقد سے چار سال بعد ادا کی گئیں۔ عقد اور رسومات کے درمیان جو وقفہ گذرا اس کے متعلق عقد کے وقت حضرت عائشہؓ کی جو عمر تھی اس کے متعلق تو اختلاف ہے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ مذکورہ بالا حضرات عقد اور رسومات کی تاریخوں کے متعلق متفق ہیں۔ جو ذیل کے نقشہ سے واضح ہوگا۔

مورخین	عقد کے وقت عمر	عقد کی تاریخ	رسومات کے وقت عمر	تاریخ رسومات	عقد اور رسومات کے درمیان وقفہ
۱۔ امام بخاری	[illegible] سال	نبوت کے دسویں سال یعنی ہجرت سے تین سال پہلے	۹ سال	ماہ شوال ۲ھ جنگ بدر کے بعد	عقد کے بعد رسول خدا مکہ میں تین سال چند ماہ مقیم رہے۔
۲۔ امام مسلم	،،	،، ،،	،، ،، ،،	،، ،،	خاموش
۳۔ امام ابن حنبل	۷ ،، ،،	،، ،، ،،	،، ،، ،،	،، ،، ،،	خاموش
۴۔ ابن سعد	۹ ،، ،،	،، ،، ،،	۱۲ ،، ،،	،، ،، ،،	۵ سال
۵۔ ابن ہشام	خاموش	نبوت کے ۱۰ سال پہلے	خاموش	خاموش	خاموش
۶۔ مولانا بدرالدین عینی	،،	نبوت سے ۲ سال پہلے	،،	ماہ شوال ۲ھ میں (بدر کی جنگ کے بعد)	چار سال
۷۔ ڈاکٹر مارگولیتھ	۷ سال	خاموش	خاموش	خاموش	خاموش
۸۔ مسٹر ڈبلیو میور	۶ سال	خاموش	۱۰ سال	خاموش	خاموش

اول ہم اس بات کے معلوم کرنے کی کوشش کریں گے کہ عقد اور رسومات کے درمیان کتنا وقفہ گذرا۔

مؤرخین کے بیانات سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ۔

امام بخاری اس وقفہ کو تین سال قرار دیتے ہیں

امام مسلم اس وقفہ کو ۲ سال قرار دیتے ہیں۔

ابن حنبل اس وقفہ کو ۳ سال قرار دیتے ہیں

ابن سعد اس وقفہ کو ۵ سال قرار دیتے ہیں

مولانا عینی اس وقفہ کو ۴ سال قرار دیتے ہیں۔

اس کے برعکس جب عقد اور رسومات کی تاریخوں پر نظر ڈالتے ہیں تو اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ وقفہ ۵ سال کا تھا۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ عقد کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تین سال اور ۵ ماہ تک مکہ میں رہے اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ رسومات ۲ھ میں ادا کی گئیں لہذا یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ نبوت کے وہ سال جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں گذارے (مکہ میں نہیں) ان میں وہ تین سال اور ۵ مہینے بھی شامل کئے جائیں گے جو مکہ میں گذارے اس طرح ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ عقد اور رسومات کے درمیان ۵ سال ۵ ماہ کا وقفہ گذرا۔ اگرچہ اس مسئلہ پر دوسرے مؤرخین خاموش ہیں لیکن ابن سعد اور مولانا عینی یقینی طور سے کہتے ہیں کہ یہ وقفہ بترتیب

۵ اور ۹ سال کا تھا۔ اس اختلاف سے معلوم ہوتا ہے کہ ان بیانات میں کہیں غلطی ہوئی ہے۔ اپنے
کہ شادی کے وقت حضرت عائشہ رض کی عمر مختلف بتائی گئی ہے۔ لیکن جب ہم عقد اور رسومات کی تاریخ
پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ وقفہ پانچ سال کا معلوم ہوتا ہے اس مسئلہ میں بعض راوی خاموش ہیں لیکن امام
بخاری۔ ابن سعد۔ اور مولانا شبلی متفق ہیں اگر کسی ایسے بیان کو تسلیم کرنا دشوار ہے جس پر تمام راوی
مختلف الرائے ہوں تو اس بات کو تسلیم کر لینے میں کوئی تامل نہیں ہونا چاہیئے جس پر سب متفق ہوں
لہذا ہم فرض کرتے ہیں کہ عقد اور رسومات کے درمیان وقفہ پانچ سال کا تھا۔ دوسری غور طلب بات
یہ ہے کہ عقد کے وقت حضرت عائشہ رض کی عمر کیا تھی مذکورہ بالا نقشہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ راویوں نے عمر
۶ سال سے لیکر ۹ سال تک بیان کی ہے۔ جب اس مسئلہ میں اختلاف عظیم ہو تو ہم ابن سعد کے سوا کسی کے بیان
کو تسلیم نہیں کر سکتے۔ ابن سعد نے عقد کے وقت
۹ سال کی عمر بتائی ہے اور یہ کہ رسومات اس سے پانچ سال بعد ادا کی گئیں۔ یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے
کہ اس مسئلہ میں صرف ابن سعد کی رائے قابل تسلیم اور صحیح ہے۔ مورخ ابن حجر (۸۵۲ھ) نے عمر کے اس
عقدہ کو حل کرنے کی کوشش کی ہے اور جس سے معلوم ہوگا اس نے ابن سعد کی رائے سے اتفاق کیا ہے۔

ابن حجر کتاب عصبہ میں رقم طراز ہیں کہ حضرت فاطمہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو منصب نبوت ملنے
سے ۵ سال پہلے پیدا ہوئی تھیں اور اسی سال خانہ کعبہ کی مرمت کی گئی تھی اور اس کتاب میں ابن حجر دوسری
جگہ لکھتے ہیں کہ حضرت فاطمہ حضرت عائشہ رض سے ۵ سال بڑی تھیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ
نبوت کے پہلے سال پیدا ہوئی تھیں۔ امام بخاری مسلم ابن حنبل اور ابن سعد سب اس بات پر متفق ہیں کہ
عقد کی رسم نبوت کے دسویں سال کے ماہ شوال میں ادا کی گئی تھی۔ اس لحاظ سے حضرت عائشہ رض کی عمر
عقد کے وقت دس سال کے قریب ہوگی۔ لیکن ابن سعد کی رائے ہے کہ ان کی عمر عقد کے وقت
۹ سال تھی لیکن یہ ایک سال کا اختلاف کوئی بڑا اختلاف نہیں ہے۔ اس کی توجیہ بایں طور کی جا
سکتی ہے کہ نبوت کا آغاز ۲۷ ویں رمضان کو ہوا۔ اور نبوت کا پہلا سال گذرنے سے پہلے حضرت
عائشہ رض کی عمر تین ماہ کے قریب تھی خواہ ہم یہ فرض کر لیں کہ ان کی ولادت نبوت کے آغاز میں ہوئی۔ لہذا
تخمینہ میں زیادہ سے زیادہ رعاداری کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی عمر عقد کے وقت ۹½ سال
سے زیادہ نہ تھی۔ اس کے برعکس اگر حضرت عائشہ کی ولادت سال نبوت کے آخر میں واقعہ ہوئی تو ان
کی عمر ۸½ سال سے زیادہ نہ ہوگی۔ افراط و تفریط کو چھوڑ کر اگر ہم میانہ روی اختیار کریں تو حضرت عائشہ

کی عمر عقد کے وقت ۹ سال کی ہوگی جیساکہ ابن سعد نے بیان کیا ہے۔ یہ امر مسلم ہے کہ ایسے اختلافی مسائل میں جہاں تک ممکن ہو متفقہ مورخین کے بیانات کے قریب تر رہنا چاہیئے لہٰذا ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ عقد کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر ۹ سال تھی۔

ثانیاً ابن حجر اسی کتاب میں بیان کرتے ہیں حضرت فاطمہ کی شادی شوال سنہ ۲ھ میں بعمر ۱۵ سال ہوئی۔ چونکہ حضرت عائشہ حضرت فاطمہ سے پانچ سال چھوٹی تھیں اسلئے رسومات کے وقت (شوال سنہ ۲ھ) ان کی عمر ۱۰ سال سے زیادہ نہیں ہوسکتی۔

ثالثاً امام بخاری حضرت عائشہ کا یہ قول بیان کرتے ہیں کہ قرآن کی سورۃ القمر کے نزول کے وقت میں چھوٹی لڑکی تھی اور سورہ القمر کا جو حصہ سن لیتی تھی یاد کرلیتی تھی۔ قرآن کے راویوں اور مفسرین اسی بیان کو صحیح تسلیم کیا ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ سورہ القمر نبوت کے سال پنجم سے پہلے نازل ہوئی۔ اماموں کے درمیان ان دو بیانات کی صحت کے بارہ میں کوئی اختلاف نہیں۔ اگر ہم امام بخاری اور امام مسلم کے ان بیانات کو تسلیم کرلیں کہ عقد کے وقت دسویں سال نبوت میں حضرت عائشہؓ کی عمر ۶ یا سات سال تھی۔ تو سورہ القمر کے نزول کے وقت ان کی عمر ایک یا دو سال سے زیادہ نہیں ہوسکتی۔ لیکن یہ امر خلاف قیاس ہے کہ حضرت عائشہ ایک ایسے واقعہ کو بیان کرتیں جو ان کی عمر کے پہلے یا دوسرے سال میں ہوا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ القمر کے نزول کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر غالباً چار یا پانچ سال ہوگی۔ سورہ القمر نبوت کے پانچویں سال میں نازل ہوئی اور اس سال ان کی عمر کم از کم چار سال تھی۔ اسلئے دسویں سال نبوت میں ان کی عمر کسی طرح ۹ یا دس سال سے کم نہیں ہوسکتی۔

سر ڈبلیو میور اور ڈاکٹر مارگولیتھ کے اس بیان پر بحث کرنا ضروری نہیں معلوم ہوتا کہ عقد کے وقت حضرت عائشہ کی عمر ۶ یا سات سال تھی اسلئے کہ نہ وہ اصل مورخین سے ہیں نہ انہوں نے اس اختلافی مسئلہ پر ناقدانہ نظر ڈالی ہے۔ انہوں نے امام بخاری اور امام مسلم کے بیانات کو تسلیم کرلیا ہے اور ان میں جو غلطی ہے اس پر غور نہیں کیا۔ نہ ان غلطیوں کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی اور نہ ابن سعد کے بیان کو وقعت دی جس کا وہ مستحق ہے۔ لہٰذا اب یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ عقد کے وقت حضرت عائشہ کی عمر ۹ سال تھی اگر ہم اس بات کو تسلیم کرلیں کہ عقد اور رسومات کے درمیان ۵ سال کا وقفہ تھا تو ابن سعد اور ابن حجر کے اس بیان کو تسلیم کرنے میں کوئی تذبذب وتامل نہیں ہوسکتا کہ رسومات کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر کم از کم چودہ سال تھی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

از دفتر ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ

عزیز منزل برانڈرتھ روڈ۔ لاہور

مکرم بندہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ ووکنگ مسلم مشن مغرب میں اپنی نوعیت کا واحد ادارہ ہے۔ اس کا مسلک دانشمندانہ رہا ہے۔ قریباً ستائیس سال سے اس ادارہ نے اسلام کی حمایت کی ہے اور اس کے خلاف مسیحی تعصبات کا ہمیشہ ازالہ کیا ہے۔ ایسے قوی دلائل پیش کئے ہیں جن سے اسلام کی عالمگیریت کی آئینہ داری ہوتی ہے۔ اس کی کامیابی جس کو قابل یادگار سمجھنا چاہیئے۔ محض بدینوجہ ہے کہ اس کا شعار غیر فرقی رہا ہے۔

مسلک کے علاوہ ووکنگ مسلم مشن کی کارگذاری نہایت باسلیقہ اور موثر ہے۔ اشاعت اسلام کے لئے اس کی مطبوعات پمفلٹ، اور رسائل قریب قریب ناگزیر ہیں۔ اگر ہمارے مذہب کی مغرب میں قدر و منزلت کی جاتی ہے تو اس کی خاص الخاص وجہ یہی ہے کہ مشن ووکنگ کثرت سے اسلامی ادب شائع کرتا ہے اور غیر مسلم اس سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں۔

لہذا ووکنگ مشن کی امداد اخلاقی اور مادی حیثیت سے آپ پر واجب ہے۔ آپ اپنی زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت اسے نہ بھولیں۔

کارکنان مسلم مشن ووکنگ کو زکوٰۃ کی مد سے اکثر اوقات ان غیر مسلمین کی امداد کرنی پڑتی ہے جو اسلام کے قریب ہوتے ہیں۔ اور ایسے ہی بعض اوقات نومسلمین کی بھی۔ اس لئے اگر آپ اپنی زکوٰۃ کا نصف حصہ اس کار خیر کے لئے ارسال فرماویں تو یہ عین اسلامی تعلیم کے مطابق ہوگا۔ اور آپ کی زکوٰۃ کا یہ مشن بہترین مصرف ہوگا۔

خادم

خواجہ عبدالغنی سکرٹری ٹرسٹ

نوٹ:۔ تمام ترسیل زر بنام:۔ فنانشل سکرٹری ووکنگ مسلم مشن۔ عزیز منزل برانڈرتھ روڈ۔ لاہور ہونا چاہیئے۔

زکوٰۃ

کسی فرد یا جماعت کی اسلامی زندگی کی سب سے پہلی پہچان نماز اور زکوٰۃ ہے۔ اللہ تعالےٰ نے بار بار قرآن کریم میں نماز کے قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم فرمایا ہے۔ اگر کوئی جماعت بہ حیثیت جماعت کے انہیں یک قلم ترک کر دے گی تو اس کا شمار مسلمانوں میں نہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے زکوٰۃ نہ ادا کرنیوالوں سے جنگ کئے۔ اللہ تعالےٰ نے سچے مومنوں کی علامتوں میں یہ بتایا ہے کہ وہ نماز کو قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں نماز کے سوا کوئی بھی ایسا دوسرا عمل نہیں جس پر قرآن حکیم نے اس قدر زیادہ زور دیا ہو جس قدر زکوٰۃ پر دیا گیا ہے۔

زکوٰۃ عام خیرات کی طرح نہیں۔ یہ ایک انکم ٹیکس ہے۔ جو صاحب استطاعت لوگوں پر عائد ہوتا ہے۔ جو ہر کمانے فرد پر لگتا ہے۔ بشرطیکہ اس کی کمائی اس کی ذاتی ضروریات سے بڑھ جائے۔

قرآن کریم میں زکوٰۃ کے خاص مصارف بتائے گئے ہیں چنانچہ فرمایا ہے کہ صدقات صرف ان نادآروں کے لئے ہیں اور مسکینوںؓ (کے لئے) اور کارکنوںؓ (کے لئے) جو ان (صدقات) پر مقرر ہیں اور (ان کے لئے) جن کی تالیف قلوبؓ ضروری ہے۔ اور غلاموںؓ کے آزاد کرنے اور قرضداروں (کے لئے) اور اللہ کی راہؓ میں (خرچ کرنے کے لئے) اور مسافروں (کیلئے) یہ اللہ کی طرف سے ضروری ٹھیرایا گیا ہے۔ اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے (سورۃ التوبہ)

ان مصارف میں زیادہ تر فقرا و مساکین، مؤلفۃ القلوب اور جہاد فی سبیل اللہ کا حصہ ہے۔ قرآن کریم کے متذکرہ بالا آٹھ مصارف میں ایک قدرتی ترتیب ہے۔ سب سے پہلے ان دو گروہوں کا ذکر کیا گیا ہے جو سب سے پہلے اعانت کے مستحق ہیں - اس کے بعد اس گروہ کا ذکر ہے جس کے بغیر زکوٰۃ کا نظام قائم نہیں رہ سکتا۔

قرآن کریم میں اگر ایک طرف زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے تو دوسری حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وصولی کا حکم ہوتا ہے۔ اور آپ کے بعد آئمہ کرام کو یہی ارشاد ہوا ہے۔ قرآن حکیم نے زکوٰۃ کے کام کو ایک خاص تنظیم سے وابستہ کر دیا ہے۔ زکوٰۃ کا وصول ہو کر بیت المال

میں جمع ہونا ضروری ہے۔

عام خیرات کے متعلق یہ حکم نہیں۔ لیکن زکوٰۃ کی ادائگی فرض ہے۔ اور دوسرے صدقات نفل ہیں۔ جہاں زکوٰۃ کے خرچ کرنیکی مختلف مدات کا ذکر ہے وہاں یہ بھی کہ زکوٰۃ میں سے ان لوگوں کو بھی تنخواہ دی جائے گی جو اس کے وصول کرنے کے لئے مقرر ہوں جس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کا باقاعدہ وصول ہو کر قومی بیت المال میں جمع ہونا ضروری ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود زکوٰۃ کے عاملین کو مقرر فرمایا۔ وہ تمام زکوٰۃ فراہم کر کے بیت المال میں داخل کیا کرتے تھے۔ آپ نے وہ حساب بھی بتایا جس حساب سے زکوٰۃ مال سے لینی چاہیئے۔ اور کسی شخص پر اس بات کو نہیں چھوڑا کہ کس قدر زکوٰۃ دے۔

حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ مبارک میں جن لوگوں نے بیت المال میں زکوٰۃ داخل کرنے سے انکار کیا اُن سے آپ نے جنگ کیا۔ ان تمام امور سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ ہر شخص خود ہی اپنی زکوٰۃ کو فقراء اور مساکین میں بانٹ کر زکوٰۃ کے حکم سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اس کا ایک بیت المال میں جمع ہو کر وہاں سے مناسب مدات پر خرچ ہونا ضروری ہے۔

مقام تاسف ہے کہ مسلم بھائی بیت المال کے نظام کی اہمیت سے دن بدن غافل ہو رہے ہیں۔ آہستہ آہستہ نوبت یہاں تک پہنچگئی ہے اور مسلمانوں نے یہ خیال کرلیا ہے کہ زکوٰۃ نکالنا اسکے سوا اور کچھ نہیں کہ خود ہی حساب کرلیا اور زکوٰۃ نکال دی۔ اور پھر جسطرح جی چاہا اسے خرچ کرڈالا۔ حالانکہ جس زکوٰۃ کی ادائگی کا قرآن حکیم نے ارشاد فرمایا ہے اس کا قطعًا یہ طریقہ نہیں۔ مسلمانوں میں جو صاحب استطاعت اصحاب اپنی زکوٰۃ کو کسی امین زکوٰۃ یا بیت المال کے حوالے کرنے کے بجائے خود ہی خرچ کرتے ہیں وہ جان بوجھ کر احکام اسلامی کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور اللہ تعالےٰ کے نزدیک انہیں اسکی جوابدہی کرنی ہوگی۔

پھر اس کے بعد المؤلفۃ القلوب کا ذکر ہے۔ کیونکہ حق وصداقت کی نشر و اشاعت اور ان لوگوں کے قلوب کو ہاتھ میں لینا جو اسلام کے قریب ہوں۔ اور ان کے ایمان کی تقویت ازبس ضروری ہے۔ پھر غلاموں کو آزاد کرانا اور قرضداروں کو قرضہ کے بارگراں سے نجات دلانے کا ذکر ہے۔ پھر سبیل اللہ کا ذکر کیا ہے۔ قرآن کریم کی اصطلاح میں جو جو باتیں دین کے تحفظ اور

ملت کی تقویت کے لئے ہوں وہ سب ہی سبیل اللہ کی مد میں آجاتی ہیں۔ اسی مد میں قرآن کریم، اسلام، علوم دینیہ کی ترویج و اشاعت آجاتی ہے۔ اور آخر میں ابن السبیل کا ذکر ہے۔

زکوٰۃ نہ دینے والوں کو دردناک عذاب کی خبر سنائی گئی ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ جو لوگ چاندی سونا خزانہ بنا کر رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کے لئے اگر کوئی بشارت ہوسکتی ہے تو یہی کہ عذاب دردناک کی ان کو بشارت دیدو۔ زکوٰۃ نہ دینا مشرکوں اور قیامت کے منکروں کا کام ہے۔ جیساکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مشرکوں پر ویل ہے جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت کے منکر ہیں۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر رکھی گئی ہے۔ (۱) لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار (۲) حج (۳) نماز (۴) روزہ (۵) زکوٰۃ۔ پس جو شخص ان پانچ باتوں میں سے ایک کو چھوڑتا ہے۔ وہ اسلام کی بنیاد پر قائم نہیں رہتا مسلمان اگر آج اور کچھ نہ کریں اور صرف زکوٰۃ کا معاملہ ہی قرآن کریم کے ارشادات کے مطابق ٹھیک کرلیں تو بغیر کسی تامل کے ان کی تمام اجتماعی و قومی مشکلات و تکالیف خود بخود حل ہوجائیں گی۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ مسلمانوں نے یا تو ان ارشادات قرآنی کو بالکل ہی بالائے طاق رکھ دیا ہے۔ یا اگر عمل پیرا ہوتے ہیں تو اس طرح کہ درحقیقت عمل نہیں کرتے۔

مسلمانوں کی زندگی ایک پوری آزمائش کی زندگی ہے۔ اسلام نے مسلمانوں کو تلقین کی ہے کہ وہ محض ایک خود غرض زندگی بسر نہ کریں بلکہ ان کے اسلام نے بہت سے معاشرتی تمدنی، انسانی، منزلی فرائض عائد کردیتے ہیں۔ جب تک ایک مسلمان ان فرائض کو سرانجام نہیں دیتا۔ اور اس آزمائش میں پورا نہیں اترتا اس پر اسلامی زندگی کی راحت جائز نہیں ایک مسلمان پر اس کے نفس کا، والدین کا، عزیز و اقارب کا، بال بچوں کا، پڑوسیوں کا، اور نسلِ انسانی کا حق ہے۔ اس پر فرض کیا گیا ہے کہ حسب المقدور ان تمام حقوق کو ادا کرے۔ اور اس پر اس کی دنیوی اور اخروی سعادتیں موقوف ہیں لیکن

یہ جملہ فرائض اور نہیں ہو سکتے جب تک خیرات نو انفاق کے لئے انسان کا ہاتھ کشادہ نہ ہو یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اعمال میں سے کسی پر اتنا زور نہیں دیا جس قدر نماز اور انفاق فی سبیل اللہ پر۔ اور منافقوں کی سب سے بڑی نشانی یہ بتلائی ہے کہ ان کی مٹھیاں انفاق کے لئے نہیں کھلتیں اور اگر کچھ دیتے بھی ہیں تو بحالت مجبوری۔ اور مومنوں کے لئے یہ فرمایا۔ مومن وہ ہیں جن کا ہاتھ ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔ رات دن، پوشیدہ اور ظاہر۔ ہر حال میں وہ انفاق کرتے رہتے ہیں۔ یہ بالکل شیطانی وسوسہ ہے کہ انسان خرچ کرنے سے محتاج ہو جاتا ہے۔ اس راہ میں بخل فحش ہے۔ یعنے بہت ہی بڑی برائی ہے۔ اور اللہ تعالے ہم کو انفاق کا حکم دے کر مغفرت اور خوشحالی کی راہوں پر لگاتا ہے۔

زکوٰۃ (۱) نقدی و زیورات (۲) غلہ زمین کی پیداوار (۳) تجارت کے مال اور (۴) مکانات کے کرائے پر عائد ہوتی ہے۔

ماہ رجب المرجب میں مسلم بھائی اپنی زکوٰۃ کا عموماً حساب کر کے اسے تقسیم کرتے ہیں۔ اگر اس ماہ مبارک میں زکوٰۃ باضابطہ فراہم کی جائے اور قرآن کے مطابق صرف کی جائے تو بہت سی قومی ضروریات رفع ہو سکتی ہیں۔

مندرجہ بالا سطور میں قرآن کریم اور احادیث نبوی کی رو سے زکوٰۃ کی اہمیت و فرضیت واضح کی گئی ہے۔ اگر زکوٰۃ کے نصف حصہ سے مغرب میں تبلیغ اسلام کیلئے ووکنگ مشن کی امداد کی جائے تو مشن کی بہت سی مشکلات حل ہو جاتی ہیں۔

ووکنگ مسلم مشن گزشتہ ستائیس سال سے اسلام کی تبلیغ کا جو مہتم بالشان کام مغربی دنیا میں کر رہا ہے وہ مخفی بات نہیں ہے۔ سب سے اول اس مشن کا نصب العین اتحاد بین المسلمین ہے۔ جس کے لئے ہر مسلم کو دل سے متمنی ہونا چاہیئے۔ اس امر کے لئے ہر مسلم کو مساعی ہونا چاہیئے کہ کل ربع مسکوں کے مسلمانوں میں ایک عالمگیر اتحاد قائم ہو جائے۔ اسی مطمح نظر کو ووکنگ مسلم مشن گزشتہ ستائیس ۲۷ سالوں سے انگلستان میں عملی جامہ پہنانے کی مسلسل تگ و دو کر رہا ہے اور مسلمانوں میں باہمی تشتت و افتراق کے نفرت انگیز جذبہ کو کچلنے کے لئے ہمیشہ سے ہی کوشاں رہا ہے۔

مشن مذکورہ نے اتحاد بین المسلمین و تبلیغ اسلام کے لئے فرقہ بندی کو سم قاتل قرار دے کر مسجد ووکنگ انگلستان میں عیدین کے موقعہ پر ان معزز اور ذی قدر مسلم احباب سے نماز کی امامت کرائی ہے جو مختلف فرقہ ہائے اسلام سے تعلق رکھتے تھے۔ مشن کے آئیندہ لائحہ عمل میں یہ امر بھی پیش نظر ہے کہ مشن اپنی تبلیغی تگ و تاز میں ایسے اسلامی تہواروں کو بھی شامل کرے جن سے مشاہیر اسلام کی متبرک یاد تازہ ہوتی رہے۔ تاکہ زمانہ مستقبل میں مصنوعی حدود و قیود بالکل ملیامیٹ ہو جائیں۔ جو مختلف فرقہ ہائے اسلام میں آج کل حائل ہو رہی ہیں۔ کچھ سال ہوئے کہ مشن مذکورہ نے اس معاملہ میں پیشقدمی بھی کی ہے۔

اس مشن کے قیام کی اہم غرض مغرب میں اسلام کے پیام کی نشر و اشاعت ہے۔ گذشتہ ستائیس سالوں میں مشن مذکورہ نے (۷۰) ستر کے قریب انگریزی زبان میں اور تیس (۳۰) کے قریب اُردو زبان میں ضخیم کتب شائع کیں ہیں۔ ان کے علاوہ اسلام کی تعلیم اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ و حالات مبارکہ کے متعلق لاکھوں کی تعداد میں مشن مذکورہ چھوٹے ٹریکٹ و پمفلٹ غیر مسلم انگریزی دان دُنیا میں مفت تقسیم کر چکا ہے۔

مشن مذکورہ کے ماہواری آرگن رسالہ "اسلامک ریویو" اسلام کی بیش بہا خدمات انجام دے رہا ہے۔ مسلم دنیا کے اتحاد کے لئے رسالہ مذکورہ ہمیشہ سے سر توڑ کوشش کرتا رہا ہے۔ اللہ تعالےٰ کا شکر و احسان ہے کہ اسلامی مجلہ کی مسلسل تبلیغی جدّ و جہد نے ان تمام غلط فہمیوں، اور غلط بیانیوں اور دروغ بافیوں کا تار و پود بکھیر دیا ہے۔ جو اسلام اور اس کے بانی حضرت رسالتماب نبی کریم صلی اللہ علیہ کی پاک ذات کے متعلق مغربی اور امریکن دنیا میں دشمنان اسلام کی ریشہ دوانیوں اور اُن کے گمراہ کن پروپیگنڈا کی وجہ سے دائر و سائر تھیں۔

اس خاموش مبلغ اسلام کے ذریعہ ہزاروں مغربی و امریکن اخوان و خواتین اسلام کی نعمت عظمےٰ سے متمتع ہو چکے ہیں جن کے اعلان اسلام "رسالہ اسلامک ریویو" میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہتے ہیں۔ یہ رسالہ ہزاروں انسانوں کی روحانی تشنگی کی

تسکین کا موجب ہو رہا ہے۔ آمد کے قلیل ذرائع کے اندر اس اسلامی نبرد آزما کی کم و بیش چوبیس ہزار کاپیاں سالانہ ان ممالک میں تقسیم کی جاتی ہیں جہاں ہمارے مبلغین کا پہنچنا صعوبت سفر کے علاوہ مالی زیر باری کا موجب بھی ہوتا ہے ان نا رسا مقامات پر یہ مبلغ غیر محسوس طور سے غیر مسلمین کے قلوب پر اپنا اسلامی تسلط جما تا رہتا ہے جس کا نتیجہ اسلام کی قبولیت کی شکل میں ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ اس مجلہ کا ایک کثیر حصہ تمام یورپ شمالی و مغربی امریکہ، افریقہ، آسٹریلیا، چین، جزائر فلپائن، جاپان اور بعض اسلامی ممالک کی مشہور مشہور غیر مسلم لائبریریوں میں مسلسل ہر ماہ بھیجا جاتا ہے جہاں کہ غیر مسلم دنیا میں اسکے مسلسل مطالعہ سے اسلام اور دیگر مذاہب کا کماحقہ موازنہ کرتی رہتی ہے۔ پھر انہی میں سے سعید روحیں اسلام کی پر زور تعلیمات سے متاثر ہو کر اعلان اسلام کے فارم کی خانہ پری کر کے مسجد ووکنگ میں اسی رسالہ میں شائع کرنے کے لئے روانہ کر دیتی ہیں۔

اگر ایک طرف رسالہ اسلامک ریویو غیر مسلمین میں اسلام کی تبلیغ کے فرائض کو سر انجام دیتا رہا ہے تو دوسری طرف خود مسلمانوں کے اندر بھی اس رسالہ نے گزشتہ بائیس سالوں میں اسلام کے لئے سچا جذبۂ محبت پیدا کر دیا ہے۔ بالفاظ دیگر اگر ایک طرف اس کا قدم جارحانہ رہا ہے تو دوسری طرف حفاظت خود اختیاری کے پہلو کو بھی اس اسلامی رسالہ نے نظر انداز نہیں کیا۔

تمام دنیائے اسلام میں اسلامک ریویو کے سوا کوئی بھی دوسرا اسلامی رسالہ نہیں جو بالالتزام ماہواری شائع ہو کر ستائیس سال سے متواتر اسلام کی تبلیغ کا کام کرتا رہا ہو اور جس کا کل کا کل منافع کسی جیب خاص میں نہیں بلکہ ایک عظیم الشان اسلامی ادارہ کی نذر ہوتا رہا ہو جس کی پیہم تبلیغی تگ و تاز سے شاندار نتائج قبولیت اسلام کے رنگ میں مرتب ہو چکے ہوں۔ اور کہ جس نے کل مغربی و امریکن دنیا کے تخیلات میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر کے اسلام کے متعلق ان کے اندر ایک جذبۂ رواداری پیدا کر دیا ہو۔ اور جس کا مستقبل اس کے ماضی سے بدرجہا زیادہ شاندار نظر آ رہا ہو۔

اس مشن نے دنیا بھر کے اہم مقامات پر اسلامی ادبیات کو مفت تقسیم کرنے کے لئے مرکز قائم کر دیئے ہیں۔ تمام دنیا اس وقت اسلام کی پیاسی ہے۔ دنیا کو سوائے اسلام

کے کسی دوسرے مذہب سے سکونِ قلب حاصل نہیں ہو سکتا۔ مشن مذکورہ کی پیہم کوشش سے یورپ اور امریکہ میں بندگانِ خدا کا ایک کثیر گروہ پیدا ہو چکا ہے۔ جن کی آنکھیں اب کھل رہی ہیں مشن مذکورہ کا ارسال کردہ اسلامی لٹریچر وہ احباب مطالعہ کر رہے ہیں۔ وہ اس نتیجہ پر آ چکے ہیں کہ دنیوی ا دینی ضرورتوں کا کفیل ہے اور دنیا کے ہر درد کی دوا اگر کسی مذہب میں ہے تو وہ مسیحیت میں نہیں فقط اسلام میں ہی ہے۔ اگر آیندہ دس سال تک ووکنگ مشن کی تبلیغی جدوجہد اسی طرح جاری رہی تو انشاء اللہ اس امن و آشتی کے مذہب کی تبلیغ تمام دنیا میں صلح و سلامتی قائم کر دے گی۔ دنیا کو جنگ و جدل کے خونخوار عفریت سے پناہ اور نارِ جہنم سے نجات دلا دے گی۔ اور تمام مخلوقِ خدا ایک ہی عالمگیر خاندان کے افراد نظر آئے گی۔

ناظرین کرام سے ہماری مؤدبانہ التماس ہے کہ آپ اس مشن کو اس قابل کر دیں کہ یہ مشن اپنے کاروبار کو اور وسیع کر سکے۔ اپنی موجودہ تگ و دو کو جاری رکھ سکے۔ امید واثق ہے کہ مشن کی ان اسلامی خدمات کے پیش نظر ہمارے مسلم بھائی زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت اس مفید ترین اسلامی ادارہ کو فراموش نہ فرمائیں گے۔ مغرب میں اشاعت اسلام کا جو عظیم الشان کام ووکنگ مشن کے ذریعہ سر انجام پذیر ہو رہا ہے۔ آپ کی زکوٰۃ، صدقات، خیرات کا بہترین مصرف ہے۔

خادم

خواجہ عبد الغنی

سیکرٹری ووکنگ مسلم مشن۔ عزیز منزل برانڈرتھ روڈ۔ لاہور

نوٹ

تمام ترسیل زر بنام:۔ فنانشل سیکرٹری ووکنگ مشن۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور۔

اسلام

یاایھا الذین اٰمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ

(از جناب مولانا آفتاب الدین احمد صاحب)

اس حقیقت سے ایک ایک دنیا روشناس ہے کہ اسلام بیش از بیش تسلیم و رضا کا مذہب ہے۔ دوسرے مذاہب بھی کم و بیش اپنے مخصوص انداز میں اس (تسلیم و رضا) کی تلقین کرتے ہیں مگر اس خصوصیت میں وہ اسلام کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ شیوۂ تسلیم معتقدین اسلام کے لئے بمنزلہ طرہ کے ہے۔ اور تو اور خود اسلام کا نام اس کے مقصد وحید کا مظہر ہے یعنی "تسلیم و تو انگی" یہی اسلام کا ایک اصولی قول ہے۔ اسلام کی یہ خصوصیت اتنی نمایاں اور واضح ہے کہ وہ لوگ جو اس کے اثر سے باہر ہیں۔ انہیں بھی اصل پوزیشن سمجھنے میں کسی قسم کی دقت محسوس نہیں ہوتی۔ لیکن اس موضوع کی بغور تحقیق سے اسلام کے وہ پہلو بھی بے نقاب ہو جاتے ہیں جو ایک سطحی نظر رکھنے والے انسان کی آنکھوں سے مستور رہتے ہیں۔ درحقیقت اس معاملے کو سمجھنے کی عدم حقیقت نے ہی دورِ حاضر میں ہماری زندگی کو جہنم کا نمونہ بنا دیا ہے۔

پہلا مسئلہ جس پر ہم اپنی خوئے تسلیم کا مظاہرہ کرتے ہیں وہ حقیقت ہستی کو سمجھنے کی کوشش ہے۔ انسان تفکر پسند مخلوق کا اس امر پہ غور کرنا ایک فطری امر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت مادی دنیا کی جزیات میں کس طرح کام کرتی ہے۔ اسلام انسان کی اس خواہش تحقیق کو کچلنا نہیں چاہتا۔ لیکن وہ یہ ضرور چاہتا ہے کہ انسان اس راہ میں ایک خاص طریقے سے پیش قدمی کرے اور اس حالت میں اس کے دماغ کی کیفیت بھی ایک خاص ہو۔ اسلام انسان سے یہ اعتراف کرانا چاہتا ہے کہ عام حالات میں وہ جن طاقتوں سے مسلح ہے وہ صورتِ حال کو سمجھنے سے معذور ہیں۔ دنیا کے اندرونی طریق کار کو سمجھنے کے لئے یہ امر اس کے لئے حد درجہ ضروری ہے کہ وہ دقیق مشاہدات کو ترقی دینے اس کے واسطے اُسے ایک صبر آزما تربیت حاصل کرنے کی ضرورت ہے جس کے بغیر ایک پیغمبر بھی دنیا کی ماہیت کو معلوم کرنے سے عاجز ہے اس کی مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعہ

سے ملتی ہے کہ انہوں نے اپنے زمانہ کے ایک گمنام بزرگ سے یہ تربیت حاصل کی۔ وہ روشنی جو عالم انسانیت میں انسان کو خدائی قانون کے نفاذ کو مشاہدہ کرنے کی صلاحیت بخشتی ہے مسلسل روحانی مجاہدات سے حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ انگلستان کے مشہور شاعر ٹینی سن کا مندرجہ ذیل قول اس حقیقت کا شاہد ہے۔

"مَیں اُسے پھلتے پھولتے کھیتوں میں پاتا ہوں
مَیں اُسے چمکتے ہوئے ستاروں میں دیکھتا ہوں۔
لیکن انسان کے طور طریقوں میں وہ مجھے نظر نہیں آتا
شاید اس کی یہ وجہ ہے کہ ہماری یہ آنکھیں اسے دیکھنے کی صلاحیت سے محروم ہیں اور اسے قریب سے بھی نہیں دیکھ سکتیں"

وہ چیز جو ٹینی سن کے خیال میں شبہاتی ہے اسلام میں ایک یقینی امر کا درجہ رکھتی ہے۔ انسانی امور سے قطع نظر بیرونی فطرت بھی ایسے لوگوں کو متناقض نظر آتی ہے جنہوں نے اپنی تنقیدی صلاحیت کو خلاف معمول حد تک ترقی دی ہوئی ہے حالانکہ ٹینی سن اس کے متعلق مطمئن نظر آتا ہے کہ سبحان اللہ Subhan Allah کا کلمہ اس قسم کی قنوطیت کیلئے کمل سم کا درجہ رکھتا ہے۔ دنیا کا منظر جو انسان کو صرف اپنے عیوب واسقام سے ہی متعارف کرتا ہے اُسے (انسان کو) زندگی کے متعلق مایوس کر دیتا ہے۔ متشکک گروہ کا ایک فرد یہ کر سکتا ہے کہ غور و فکر کا یہ طریق ایسے تاثرات پیدا کرتا ہے جو حالات کو بہتر بنانے کی خواہش پیدا کریں۔ مگر نفسیات کا یہ مطالعہ غلط ہے۔ انسان حالات کو اس صورت میں بہتر بنا سکتا ہے جب وہ اپنی تقدیر کا مالک ہو۔ مگر تاریخ کے مطالعہ سے یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ انسان کی تقدیر اُس کے اپنے ہاتھ میں نہیں۔ ایک متشکک انسان کی نظروں میں انسانی زندگی کی حیثیت ایک نقل سے زیادہ نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ لوگ جو اپنے شکوک وشبہات کی بنا پر کائنات میں نقص نکالنے کے عادی ہیں صلاحیت عمل سے محروم ہوتے ہیں۔ اسلام یہ نہیں چاہتا کہ انسان مخلوق کے بھیانک رُخ سے آنکھیں بند کرے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کا بھیانک رُخ مفروضہ ہوتا ہے۔ بھیانک رُخ وجود کے مادی اور روحانی پہلوؤں میں یکساں طور پر کارفرما ہے اور انسان کی تمدنی اور اخلاقی مساعی ہر جگہ اس کے خلاف بر وئے کار

نظر آتی ہیں یہی ایک چیز ہے جو انسان کی حقیقی ہستی کی تشکیل کا موجب ہوتی ہیں۔
دنیا میں بیرونی فطرت کی سختیاں بھی موجود ہیں مثلاً خشک سالی۔ قحط۔ سیلاب۔ بھونچال جھکڑ ٹڈی دل اور وباء وغیرہ اور اس کے مقابلے میں گناہ اور جرائم کی بھی کمی نہیں مثلاً خود غرضی تشدد اور بیرحمی وغیرہ۔ لیکن آخر الذکر جو انسانی فطرت کی تخلیق ہیں اول الذکر سے زیادہ بھیانک اور ہولناک ہیں۔ انسان کی تمدنی اور اخلاقی زندگی کا انحصار ہی اس بات پر ہے کہ وہ متذکرہ صدر مشکلات کی روک تھام کے لئے اپنی مسلسل مساعی کو بروئے کار لائے۔ اگر ان کو زندگی سے خارج کر دیا جائے تو زندگی ایک بے کیف مہمل اور بے معنی چیز ہو کر رہ جائے گی۔
بھیانک پہلو کائنات کی ہر چیز میں موجود ہے۔ مگر اس پر غالب آنا ہی عین ممکن ہے۔ چنانچہ سبحان اللہ کا کلمہ اس کی پوری پوری ضمانت ہے۔ وہ ذات جو کائنات کی ہر چیز اور عنصر کو معرض وجود میں لانے کی ذمہ دار ہے ہر لحاظ سے مکمل ہے۔ لہٰذا اس نے اپنی تمام پیدا کردہ اشیا میں سوائے خوبیوں کے اور کچھ نہیں رکھا یہ قصور ہماری عدم تکمیل کا ہے کہ یہ اشیاء ہمارے لئے تکلیف دہ ثابت ہوتی ہیں۔ اگر ہم اس موضوع پر اللہ تعالےٰ سے مزید بصیرت حاصل کریں تو ہم ان کی برائیوں سے محفوظ رہیں گے اور ان کے ان محامد و محاسن استفادہ کر سکیں گے جو ان میں مستور ہیں۔
ذیل کی دعا قرآن کریم کے آخری باب میں مسطور ہے جو اس اعتبار سے حد درجہ اہم ہے۔

نعوذ باللہ من شر ما خلق

اس دعا کی برکت سے ہم ہستی کے بھیانک پہلوؤں پر غالب آ سکتے ہیں بشرطیکہ اسکا اظہار موزوں طریقے سے ہو۔ لیکن ہماری کوششیں اس سلسلے میں تبھی کامیاب ہو سکتی ہیں اگر ہم اپنی ہمہ دانی کا گھمنڈ ترک کر دیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس کی تہ میں بھی تسلیم و رضا کا جذبہ کارفرما ہے۔ وہ لوگ جو اسے صرف اصولاً ہی تسلیم کرتے ہیں عملاً کامیاب نہیں ہو سکتے۔ کسی چیز کی ماہیت معلوم کرنے کے متعلق عام طور پر یہی طریقہ مروج ہے کہ انسان صرف اپنی صلاحیت فکر سے ہی کام لیتا ہے اور اس بصیرت کو نظر انداز کر جاتا ہے جو عالمِ انسانیت سے ماورا ہے۔ وہ اپنی ہمہ دانی کے گھمنڈ میں جتنی زیادہ کوشش کرتا ہے اتنا ہی مایوسی اور قنوطیت کی طرف رستہ ہموار کر لیتا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مذہبی رہنمائی کے بغیر اسرارِ ہستی کو سمجھنا ایک امر محال ہے۔

وہ مفکر جو مذہب کو افیون کی غنودگی اور تساہل سے تعبیر کرتے نہیں تھکتے ان کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ مذہب ہی زندگی کے متعلق قنوطیت اور مایوسی کے خلاف ایک بھاری ضمانت ہے۔ البتہ ایک سچا مذہب تو موت اور تنزل کی دنیا میں مسیحائی کا درجہ رکھتا ہے لیکن جھوٹا مذہب اس کے برعکس نتائج پیدا کرتا ہے۔ درحقیقت انسان اپنے تساہل اور کسلمندی کو ایسے مذہب کی آڑ میں چھپانے کی کوشش کرتا ہے جو خود اس کے دل و دماغ کا پرتو ہوتا ہے۔ بخلاف اس کے ایک سچا مذہب عمل اور ترقی کا مظہر ہے۔

عام طور پر جس کیفیت کو ترکِ دنیا کہتے ہیں وہ فی الحقیقت ایک جمود ہے یا کسلمندی۔ جسے ترکِ دنیا کا نام دے کر شرک بنا دیا گیا ہے۔ حالانکہ صحیح ترکِ دنیا وہ کیفیت ہے جو انتہائی مایوس کن حالات میں بھی انسان کو مسرت و انبساط سے روشناس رکھے اور تاریک افق سے بھی اسے امید کی شعاعیں دیکھنے کا خوگر بنائے۔ یہی ایک ترکِ دنیا اور خوئے تسلیم ہے جس میں ہمیں مصائب مشکلات سے نجات دلانے والی مذہبی طاقت نظر آتی ہے۔ یہ ایک ایسی طاقت ہے جہاں دوسری طاقتیں ناکام ہوں وہاں یہ کامیاب ہو جاتی ہے۔

اس قسم کی تسلیم و دوالگی میں ہم کچھ ضائع کرتے بلکہ کچھ حاصل ہی کرتے ہیں۔

تفصیل آمدنی ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور

بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۴۱ء

تاریخ	نمبر رسید	اسمائے گرامی معطی صاحبان		پائی	آنے	روپے	تاریخ	نمبر رسید			پائی	آنے	روپے
۳/۵/۴۱	۷	جناب میاں بشیر احمد صاحب بار ایٹ لا	مشن	۰	۰	۵	۲/۵/۴۱	۱۸۱	جناب زاہد حسین صاحب	مشن	۰	۰	۵
〃	۸	جناب فخر الدین صاحب۔	〃	۰	۰	۲۵	〃	۱۸۲	جناب سید نصرت علی صاحب	〃	۰	۰	۵
۵/۵/۴۱	۱۷	جناب کرم الٰہی صاحب قریشی	〃	۰	۰	۵	۶/۵/۴۱	۲۴۲	جناب اے سلیمان ابوبکر صاحب	〃	۰	۰	۱۰
〃	۱۸	جناب شیخ منہاج الدین صاحب۔	〃	۰	۰	۱۰	〃	۲۴۴	جناب لفٹننٹ کرنل بی عبد الغفار صاحب	〃	۰	۰	۲
۷/۵/۴۱	۴۴	جناب میاں محمد سلیم نظام جان صاحب	〃	۰	۰	۲۰	۲۷/۵/۴۱	۲۶۳	جناب عبد العظیم صاحب	〃	۰	۰	۲۰
۸/۵/۴۱	۵۰	جناب علی احمد صاحب دانشمن	〃	۰	۰	۵	۲۹/۵/۴۱	۲۶۴	جناب مولانا محمد علی صاحب	〃	۰	۰	۱۰
〃	۵۴	جناب خواجہ مبین احمد صاحب	〃	۰	۰	۵	〃	〃	جناب چوہدری فیض احمد صاحب	〃			۱
۱۰/۵/۴۱	۷۴	جناب سید اطاعت حسین صاحب	〃	۰	۰	۵	〃	〃	جناب ڈاکٹر غلام محمد صاحب	〃	۰	۰	۲۰
〃	۷۵	جناب سید متین احمد صاحب	〃	۰	۰	۵	〃	〃	احباب از جموں	〃	۰	۰	۵
۱۲/۵/۴۱	۸۹	جناب ایس۔ ایم عمر فاروق صاحب	〃	۰	۰	۵	〃	〃	جناب محمد ایوب صاحب صابر	〃	۰	۰	۵
〃	۹۰	جناب محمد عبد السلام صاحب	〃	۰	۰	۵	〃	〃	جناب شیخ الٰہی بخش صاحب	〃	۰	۰	۱۰
〃	۹۱	جناب رحیم محمد صاحب	〃	۰	۰	۵	〃	〃	جناب ڈاکٹر حسن علی صاحب	〃	۰	۰	۲
〃	۱۰۵	جنابہ امینہ بی بی صاحبہ	〃	۰	۱۰	—	〃	〃	جناب آفتاب عالم خاں صاحب	〃	۰	۰	۳
۱۶/۵/۴۱	۱۴۴	جناب عبد الحق صاحب	〃	۰	۰	۶			فروخت رسالہ اسلامک ریویو		—	۹	۸۱۰
〃	۱۴۵	جناب محمد محفوظ الکریم صاحب	〃	۰	۰	۱			مفت تقسیم رسالہ اسلامک ریویو		۰	۰	۲۵
۱۷/۵/۴۱	۱۵۰	جناب ایم۔ ای رحمان صاحب	〃	۰	۰	۵			فروخت رسالہ اشاعت اسلام		—	۱۲	۳۵
۱۹/۵/۴۱	۱۵۱	جناب مفیض الرحمان صاحب	〃	۰	۸	—			فروخت کتب		۰	۶	۴۴۷
〃	۱۶۲	جناب این اے۔ خاں صاحب	〃	۰	۰	۳			آمد ذریعہ ووکنگ بابت ماہ جنوری فروری ۱۹۴۱ء		۹	۴	۳۴۱۵
〃	۱۶۳	جناب شیخ محمد عالم صاحب	〃	۰	۰				واپسی پیشگی از مسجد ووکنگ		۲	۱۴	۳۰۹
〃	۱۶۸	جناب خورشید احمد صاحب	۰	۳	۱	—			واپسی پیشگی از مسجد ووکنگ		۱۰	۹	۹۸۷
〃	۱۶۹	حسب وصیت جناب قاسم علی جیراز بھائی صاحب مرحوم		۰	۰	۱۰۰			میزان کل		۰	۸	۶۵۵۱
۲۱/۵/۴۱	۱۸۳	جناب محمد اظہار الحق صاحب	〃	۰	۰	۴							

تفصیل اخراجات دی ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ عزیز منزل برانڈرتھ روڈ۔ لاہور۔
بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۴۱ء

تاریخ	نمبر	تفصیل اخراجات	پائی	آنے	روپے
۸/۵/۴۱	۱	کتابت رسالہ اشاعت اسلام جنوری سنہ ۱۹۴۱ء و کتابت ٹریکٹ انسانی استعدادیں اور ان کی نشوونما	۰	۱۱	۲۵
"	۲	طباعت پیپر اسلامک ریویو پیٹس اشاعت اسلام۔ سرورق اشاعت اسلام۔ نمونہ جات قرآن مجید	۰	۰	۳۵
"	۳	آفس امپرسٹ بل بہ تفصیل ذیل محصول ڈاک از نمبر ۲۵۶۶ تا ۲۶۶۱ (روپے آنے پائی) ۲۷۶—۱۴—۰ کاغذ برائے ووکنگ گزٹ ۰—۸—۵ فل سکیپ کاغذ ۹—۶—۰ متفرقات ۰—۱۲—۱۵ ۲۹۸—۷—۹	۹	۷	۲۹۸
"	۴	آفس امپرسٹ بل بہ تفصیل ذیل:- محصول ڈاک از نمبر ۲۶۶۲ تا ۲۷۵۸ (روپے آنے پائی) ۱۱۸—۸—۰ کاغذ برائے رسالہ اشاعت اسلام ۰—۹—۱۸ کاغذ برائے سرورق اشاعت اسلام ۱۲—۰—۰ کاغذ برائے فوٹو اشاعت اسلام ۱۲—۰—۰			

تاریخ	نمبر	تفصیل اخراجات	پائی	آنے	روپے
۸/۵/۴۱	۴	کاغذ برائے فوٹو اسلامک ریویو (روپے آنے پائی) ۱۲—۰—۰ کاغذ برائے اپیل دوم نئے ٹریکٹ ۳۶—۶—۰ کاغذ برائے سرورق ٹریکٹ ۴۲—۱۲—۰ بل بجلی ۰—۵—۰ سٹیشنری برائے دفتر ۰—۰—۱۰ خرید کتب برائے فروخت و سول لسٹ وغیرہ ۹—۷—۰ متفرقات ۲۱—۴—۳ ۲۹۳—۱۳—۳	۳	۱۳	۲۹۳
۱۳/۵/۴۱	۵	تنخواہ عملہ بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۴۱ء	۰	۱	۴۲۷
"	۶	رقم ارسال کردہ مسجد ووکنگ بذریعہ تار	۰	۸	۶۷۲
۱۹/۵/۴۱	۷	آمد در مسجد ووکنگ بابت ماہ جنوری فروری سنہ ۱۹۴۱ء خرچ کردہ در مسجد ووکنگ اندراج سابقہ	۹	۴	۳۴۱۵
۲۰/۵/۴۱	۸	اخراجات در مسجد ووکنگ اندراج سابقہ	۰	۱۴	۳۰۹
"	۹	اخراجات در مسجد ووکنگ اندراج سابقہ	۱۰	۹	۹۸۷
		میزان کل	۹	۵	۶۴۶۵

تفصیل آمدنی ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ عزیز منزل برانڈرتھ روڈ۔ لاہور
بابت ماہ جون سنہ ۱۹۴۱ء

تاریخ	نمبر رسید	اسمائے معطی صاحبان	پائی	آنہ	روپے
۲ ۶/۴۱	۲۷۶	جناب قاسم اے محمد صاحب مشن	۰	۰	۱۵
۳ ۶/۴۱	۲۷۸	جناب محمد اسلم خاں صاحب "	۰	۰	۵۰
۴ ۶/۴۱	۲۸۲	جناب میاں فخرالدین صاحب "	۰	۰	۲۵
"	۲۸۳	جناب شیخ الہ بخش صاحب "	۰	۰	۱۰
۹ ۶/۴۱	۲۹۹	جناب شیخ منہاج الدین صاحب "	۰	۰	۱۰
"	۳۰۰	جناب دلیل الدین احمد صاحب "	۰	۰	۵
۱۱ ۶/۴۱	۳۷۷	جناب علی احمد صاحب دانشمن "	۰	۰	۵
۱۲ ۶/۴۱	۳۹۰	جناب عبدالحق صاحب "	۰	۰	۵
"	۳۹۱	جناب خان بہادر چوہدری محمود علی صاحب "	۰	۰	۵
"	۴۱۱	حسب وصیت جناب سیٹھ قاسم علی جیراز بھائی مرحوم	۰	۰	۱۰۰
"	۴۱۲	جناب یو۔ ایل۔ اے محی الدین صاحب ۔ ۔ مشن	۰	۰	۱۰۰
۱۴ ۶/۴۱	۴۱۳	جناب۔ کے۔ بی۔ عبدالرشید خانصاحب . . . . . مشن	۰	۰	۵
"	۴۱۴	جناب مولوی محمد حفظ الرحمان صاحب "	۰	۰	۵
"	۴۱۵	جناب کے۔ ایس رضی الدین علی صاحب . . .. . مشن	۰	۰	۵
۱۸ ۶/۴۱	۴۵۰	جناب فضل احمد کریم صاحب "	۰	۰	۵
"	۵۰۲	جناب خاں صاحب خواجہ نورالدین صاحب . . . مشن	۰	۰	۵
۲۱ ۶/۴۱	۵۴۵	جناب مولوی فیض الحق صاحب مشن	۰	۰	۵
۲۳ ۶/۴۱	۵۷۲	جناب کرم الٰہی صاحب قریشی "	۰	۰	۵
۲۷ ۶/۴۱	۵۹۵	جناب عبدالعظیم صاحب "	۰	۰	۱۴
"	۵۹۶	جناب ڈاکٹر ایم اے نعمانی صاحب	۰	۰	۵
"	۵۹۷	جناب لفٹننٹ کرنل بی عبدالغفار صاحب	۰	۰	۲
"	۵۹۸	جناب ابوظفر عبداللہ صاحب مشن	۰	۰	۵
۳۰ ۶/۴۱	۶۱۰	جناب علی محمد امام بخش سیال صاحب	۰	۰	۱۰
		فروخت رسالہ اسلامک ریویو	۰	۰	۶۴۶
		فروخت رسالہ اشاعت اسلام	۰	۸	۵۲
		فروخت ووکنگ گزٹ . .	۰	۱۰	۱۳۸
		فروخت کتب	۰	۱	۵۴۶
			۰	۳	۱۷۱۸۴

تفصیل اخراجات دی ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ عزیز منزل برانڈرتھ روڈ۔ لاہور
بابت ماہ جون ۱۹۴۱ء

تاریخ	نمبر واؤچر	تفصیل اخراجات	پائی	آنہ	روپے
۴/۶/۴۱	۱۰	آفس امپرسٹ بل بہ تفصیل ذیل:-			
		محصول ڈاک از نمبر ۶ تا ۸۹ ... ۱۶۶—۲—۰			
		کاغذ برائے اسلامک ریویو مع ضمیمہ وغیرہ ... ۳۹—۱۲—۰			
		بلاک بنوائی برائے فوٹو ... ۱۳—۰—۰			
		کاغذ برائے اشاعت اسلام ... ۱۳—۸—۰			
		کاغذ فل سکیپ گتہ وغیرہ ... ۲۳—۱۵—۰			
		کاغذ برائے ووکنگ گزٹ ... ۶—۰—۰			
		بل بجلی ... ۰—۱—۰			
		خرید کتب برائے فروخت ... ۱—۸—۰			
		سٹیشنری برائے دفتر ... ۱۱—۳—۰			
		تار ... ۷—۳—۶			
		متفرقات ... ۳—۱۵—۹			
		۲۹۶—۴—۶	۶	۴	۲۹۶
״	۱۱	آفس امپرسٹ بل بہ تفصیل ذیل:-			
		محصول ڈاک از نمبر ۹۰ تا ۱۸۴ ... ۱۸۹—۰—۰			
		کتابت اشاعت اسلام بابت ماہ فروری ۱۹۴۱ء ... ۱۷—۱۳—۰			
		سٹیشنری برائے دفتر ... ۲۱—۱۰—۳			
		فوٹو مونٹ کاغذ برائے ضمیمہ اسلامک ریویو ... ۱۴—۱۲—۰			
		متفرقات ... ۱۳—۱۵—۰			
		۲۵۷—۲—۶	۶	۲	۲۵۷
״	۱۲	آفس امپرسٹ بل بہ تفصیل ذیل:-			
		محصول ڈاک از نمبر ۱۸۵ تا ۲۲۷ ... ۲۷۹—۱—۰			
		کاغذ برائے ووکنگ گزٹ ... ۶—۰—۰			
		ترجمہ برائے اشاعت اسلام ... ۲—۸—۰			
		متفرقات ... ۰—۱—۶			
		۲۸۷—۱۰—۶	۶	۱۰	۲۸۷
״	۱۳	تنخواہ سیکرٹری مسجد ووکنگ علی الحساب بابت جنوری ۱۹۴۱ء	۰	۰	۱۰۰
״	۱۴	تنخواہ سیکرٹری مسجد ووکنگ علی الحساب بابت فروری ۱۹۴۱ء	۰	۰	۱۰۰
״	۱۵	تنخواہ ایڈیٹر اسلامک ریویو بابت ماہ اپریل ۱۹۴۱ء	۰	۰	۱۵۰

تاریخ	نمبر واؤچر	تفصیل اخراجات	پائی	آنہ	روپیہ
۴/۶/۴۱	۱۶	تنخواہ عملہ بابت ماہ مئی ۱۹۴۱ء	۶	۴	۱۲۴
״	۱۷	ترجمہ برائے اشاعت اسلام	۰	۴	۹
״	۱۸	بابت پروف ریڈنگ اسلامک ریویو علی الحساب	۰	۰	۲۰
״	۱۹	ادائیگی بل نمبر ۲۵۵، ۲۷۴، ۵۱، ۲۸۳، ۱۱۰ بابت طباعت۔ علی الحساب ...	۰	۰	۶۰
״	۲۰	طباعت اشاعت اسلام اکتوبر ۱۹۴۰ء جنوری، فروری ۱۹۴۱ء	۰	۰	۳۰۰
״	۲۱	ادائیگی علی الحساب بابت بل نمبر ۵۲۹۶، ۴۲۸، ۳۴۴، ۵۵۴۱، ۵۴۴۴، ۵۴۵، ۵۴۴، ۵۴۴، ۴۴۵، ۴۴۴، ۴۴۲، ۵۴۴، ۶، ۵۴۴، ۵۴۴۸ بابت جلد بندی کتب، جلد بندی اسلامک ریویو جلد بندی اشاعت اسلام	۰	۰	۵۰
״	۲۲	تنخواہ ایڈیٹر اسلامک ریویو بابت ماہ مئی ۱۹۴۱ء	۰	۵	۱۵۲
״	۲۳	علی الحساب بابت جلد بندی کتاب آئیڈیل پرافٹ	۰	۰	۳۲
״	۲۴	Canveyance allawance for April 1941	۰	۰	۳۰
״	۲۵	Canveyance allawance for May 1941	۰	۰	۳۰
״	۲۶	بابت طباعت سرورق اشاعت اسلام ریپر گزٹ۔ سرکار وغیرہ	۰	۰	۳۰
	۲۷	علی الحساب بابت تنخواہ امام مسجد ووکنگ	۰	۰	۲۰۰
		۲۲۴۷—۹—۰			

مسجد ووکنگ میں آجاتے ہیں۔ نماز و خطبۂ عیدین کے بعد تمام احباب کو مشن کی طرف سے ہندوستانی طرز کی دعوت دی جاتی ہے (۷) رسالتمآب حضرت نبی کریم صلعم کے یوم ولادت کو بڑے تزک و احتشام سے منایا جاتا ہے۔ جس میں حضرت نبی کریم صلعم کی زندگی کے حالات پیش کئے جاتے ہیں (۸) دور دراز ممالک کے غیر مسلمین کو خط و کتابت کے ذریعہ تبلیغ کی جاتی ہے۔ انہیں اسلامی لٹریچر مفت بھیجا جاتا ہے۔ (۹) مسجد ووکنگ میں جو غیر مسلم و نومسلم زائرین آتے ہیں۔ ان کو اسلام کے متعلق صحیح معلومات بہم پہنچائی جاتی ہیں۔ (۱۰) ووکنگ مشن کے زیر اہتمام نومسلمین کی ایک جماعت لنڈن میں "برطانیہ عظمےٰ کی مسلم سوسائیٹی" کے نام سے اشاعت اسلام کی تحریک میں کوشاں رہتی ہے۔

(۵) مشن کے آرگن ۔ اس مشن کے فقط دو ہی ماہواری رسالے ہیں (۱) رسالہ اسلامک ریویو انگریزی۔ (۲) اس کا اردو ترجمہ رسالہ اشاعت اسلام لاہور۔ ان دو رسالوں کی کل کی کل آمد مشن ووکنگ انگلستان پر صرف ہوتی ہے۔ جس قدر مسلم پبلک ان رسالوں کی خریداری بڑھائے گی۔ اسی قدر مشن کی مالی تقویت ہوگی۔ ان دو رسالوں کے سوا مشن ووکنگ کا کسی اور رسالہ یا اخبار سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔

مشن کے تاثرات ۔ (۱) مشن کی اکیس۲۱ سالہ تبلیغی تگ و دو سے اس وقت تک ہزاروں کی تعداد میں یورپین و امریکن اخوان و خواتین اسلام قبول کر چکے ہیں۔ جن میں بڑے بڑے لارڈز۔ رؤساء۔ فضلاء۔ علماء۔ فلاسفر۔ پروفیسر۔ مصنف۔ ڈاکٹر۔ ماہرین علم طبعیات تاجر۔ مغربی مستشرقین و فوجی شہرت کے نومسلمین ہیں۔ یہ نومسلمین نمازیں پڑھتے۔ روزے رکھتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں بعض تو تہجد تک کو خاص سوز و گداز سے پڑھتے ہیں۔ قرآن کریم کا بامعنی روزانہ مطالعہ کرتے ہیں۔ چند ایک فریضہ حج بھی ادا کر چکے ہیں۔ اُن میں سے اکثر تبلیغ اسلام کی جدوجہد میں عملاً حصہ لے رہے ہیں۔ (۲) ان اکیس۲۱ سالوں میں لاکھوں کی تعداد میں اسلامی کتب۔ رسائل۔ پمفلٹ۔ ٹریکٹ مختلف مسیحی ممالک میں مفت تقسیم کئے جا چکے ہیں۔ جن کا نہایت ہی اچھا اثر ہوا ہے۔ اس مفت اشاعت سے یورپین حلقہ میں عیسائیت سے تنفر پیدا ہو چکا ہے۔ وہ لوگ عیسائیت سے بالکل بیزار ہو چکے ہیں۔ ان کا زیادہ تر رجحان طبع اب اسلام کی طرف ہو رہا ہے۔ کل کے کل مغرب و امریکہ میں اس وقت اسلامی تعلیم کی تشنگی روز بروز بڑھ رہی ہے۔ اس وقت مغربی دنیا کے مذہبی خیالات میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو چکا ہے۔ یورپ و امریکہ میں اب دشمنان اسلام۔ اسلام پر حملہ کرنے کی جرات نہیں کرتے۔ اس مشن کی اکتیس سالہ تبلیغی تگ و تاز نے اسلام کے متعلق مغربی ممالک میں ایک رواداری فضا پیدا کر دی ہے۔ کثرت سے لوگ مغربی لائبریریوں میں ووکنگ کی مرسلہ اسلامی کتب و رسالہ اسلامک ریویو کا مطالعہ کرتے ہیں مسجد ووکنگ میں ان غیر مسلمین کے خطوط کا تانتا دن رات بندھا رہتا ہے۔ غیر مسلم طبقہ میں سے اکثر احباب اسلامی لٹریچر کے مطالعہ کرنے کے بعد مختلف امور کے استفسار کرتے ہیں۔ اور آخر کار اپنے شک و شکوک کو رفع کرنے کے بعد۔ اعلان اسلام کا فارم پُر کرکے شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان میں بمعہ اپنے فوٹو کے روانہ کر دیتے ہیں۔ ان کا اعلان اسلام بمعہ انکے فوٹو کے مشن کے آرگن میں شائع کر دیا جاتا ہے۔

انگلستان میں اشاعتِ اسلام مسلمانوں کی سیاسی الجھنوں کا بہترین سلجھاؤ ہے قرآن کریم نے فلاح کے اصول کا ایک راستہ اشاعتِ اسلام تجویز کیا ہے۔ اشاعت کی غرض۔ غیروں کو اپنے میں شامل کرنا ہوتا ہے۔ یعنی انہیں اپنا ہمخیال اور ہم مذہب بنانا ہوتا ہے۔ اگر کسی قوم کی شماری طاقت۔ اس قوم کی سیاسی قوت کو بڑھا سکتی ہے۔ تو اس کے اصول کے لئے اشاعت ہی ایک بہترین طریق ہے۔ مغربی اقوام نے اس راز کو سمجھا۔ انہوں نے اسلام کی اتباع میں فوراً مشن قائم کئے۔ پھر اس وقت ہندوؤں نے پہلے شدھی کا راگ گایا۔ لیکن آج اچھوتوں کو اپنے میں ملانے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس ساری سرگرمی کی تہ میں وہی شماری طاقت مضمر ہے۔ ان حالات میں کیا ہمارا فرض نہیں کہ ہم اشاعت اسلام میں کوشاں ہوں۔ اور جب کہ گذشتہ پچیس تیس سالوں میں ہم ہر ایک دوسری کوشش اور مختلف قومی تحریکوں میں جو ہم نے اپنے سلجھاؤ کے لئے کیں۔ بالکل ناکام ہوئے ہیں۔ تو کیا ہمارا فرض نہیں ہے کہ مغرب میں اشاعت اسلام کو بھی ہم بطور تجربہ اختیار کریں۔ اگر بالفرض ہم آیندہ دس سال میں انگلستان میں بیٹھ کر حکمران قوم کے دس ہزار نفوس کو اپنے اندر شامل کر لیں۔ تو جس قدر ہماری سیاسی قوت بڑھ سکتی ہے۔ اس کا اندازہ صرف تصور ہی کر سکتا ہے۔ آج اگر انگلستان کے لوگوں کا ایک کثیر حصہ اسلام قبول کر لے۔ جن میں ہوس آف لارڈز و ہوس آف کامنز کے ممبر بھی ہوں۔ تو مسلمانوں کو اپنے حقوق کے لئے کسی سیاسی جدوجہد کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ اس صورت میں ہم کو ضرورت نہیں کہ ہم مسلم مدبران سیاست کے وفود کو انگلستان بھیجکر انگریزی قوم کو اپنے ہم آزار کریں یا اپنے حقوق کی طرف توجہ دلائیں۔ وہ اسلام سے مشرف ہو کر مسلمانوں کے لئے اسلامی درد و احساس سے خود بخود وہی کہیں گے اور کریں گے۔ جو ہم چاہتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہماری موجودہ سیاسی الجھنوں کا بہترین سلجھاؤ۔ انگلستان میں فریضۂ اشاعت اسلام کو ادا کرنا ہے۔ یوں تو مغرب کے اور ممالک بھی محض سیاسی ہم آہنگی پیدا کرنے کیلئے اشاعت اسلام کے دائرے میں آنے چاہئیں۔ لیکن انگریزی قوم میں اشاعت اسلام ہمارا اولیں نصب العین ہونا چاہئیے۔

(۸) ووکنگ مسلم مشن ایک عالمگیر اسلامی تحریک ہے دنیا بھر میں فقط ایک ہی اسلامی تحریک ہے۔ جس سے کُل مسلمانان عالم کو دلی محبت و ہمدردی ہے۔ کیونکہ یہ تحریک قیاسی و وہمی حالات سے نکل کر اب ایک حقیقت ہو چکی ہے۔ یہ مشن اس وقت تک ٹھوس اسلامی خدمات سرانجام دے چکا ہے۔ اس تحریک کے ذریعہ شاندار نتائج نکل چکے ہیں۔ دنیا بھر کی اسلامی تحریکوں میں اگر کوئی تحریک گذشتہ تیس سالوں میں سرسبز و کامیاب ہوئی ہے۔ تو وہ یہی ووکنگ مشن کی اسلامی تحریک ہے۔ اس تحریک کے جاذب عالمِ اسلام ہونے کی وجہ صرف فرقی امتیازات سے اسکی بالاتری و آزادی ہے۔ یہ مشن جمیع مسلمانانِ عالم کا واحد مشن ہے اسکو کسی فرقۂ اسلام یا جماعت یا انجمن سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ اس کے ذریعہ یورپ و امریکہ میں فقط توحید و رسالت کی تبلیغ ہوتی ہے۔ اور اس غیر فرقہ وارانہ تبلیغی مسلک کی وجہ سے دنیا بھر کے مختلف مقامات کے مسلمان مسلسل اس کی مالی امداد کر کے یورپ میں اسے چلا رہے ہیں۔ اس اسلامی مشن کو عالمگیر مقبولیت حاصل ہے۔ ہندوستان کے علاوہ جاپان۔ چین۔ فلپائین۔ آسٹریلیا۔ سماٹرا۔ جاوا۔ بورنیو۔ سنگاپور۔ سیلون۔ افریقہ۔ بلاد اسلامیہ۔ شمالی و مغربی امریکہ کے مسلم بھائی اس تحریک کی امداد کرتے رہتے ہیں۔

(۹) ووکنگ مسلم مشن انگلستان کی ذیل کے طریقوں سے امداد ہوسکتی ہے،

(۱) بحیثیت عطیہ کی صورت میں کچھ امداد دیں۔ (۲) اپنی ماہوار آمد میں سے کچھ حصہ مقرر کردیں۔ جو ماہ بماہ مشن کو پہنچتا رہے۔ (۳) ششماہی یا سالانہ رقم اس کار خیر کے لئے ارسال کریں (۴) رسالہ اسلامک ریویو کی خود بھی خریداری کریں اور انگریزی دان احباب کو بھی تحریک خریداری فرمائیں۔ سالانہ چندہ ۱۲ہ ہے۔ (۵) یورپ۔ امریکہ اور دیگر انگریزی دان مسیحی ممالک کی پبلک لائبریریوں میں مسلم بھائی اپنی طرف سے بطور صدقہ جاریہ۔ تبلیغ اسلام کی خاطر متعدد کاپیاں رسالہ اسلامک ریویو کی مفت جاری کرائیں۔ اس رسالہ کے ذریعہ ان کی طرف سے اسلام کا پیام غیر مسلموں تک پہنچتا رہے گا۔ اس صورت میں سالانہ چندہ پانچ روپے ہے (۶) رسالہ اشاعت اسلام اردو ترجمہ رسالہ اسلامک ریویو کی خریداری فرمائیں۔ اس کا حلقہ اثر وسیع فرمائیں۔ اس کا سالانہ چندہ ۳ہ ہے اور ممالک غیر کیلئے ۵ہ ہے۔ (۷) ووکنگ مسلم مشن سے جس قدر اسلامی لٹریچر انگریزی میں شائع ہوتا ہے۔ جو کتابوں۔ ٹریکٹوں اور رسائل کی صورت میں ہوتا ہے۔ اسے خود خریدیں۔ یورپ و امریکہ کے غیر مسلمین میں اسے مفت تقسیم کراکر داخل حسنات ہوں۔ تاکہ اسلام کا دلفریب پیام اس لٹریچر کے ذریعہ ان تک پہنچ پائے۔ اس مقصد کے لئے دفتر مشن ووکنگ میں مسیحی غیر مسلموں اور غیر مسلم مسیحی لائبریریوں کے ہزاروں پتہ موجود ہیں۔ جن کو آپ کی طرف سے مفت لٹریچر بھیجا جاسکتا ہے۔ اور اس کی ترسیل کی رسید۔ ڈاکخانہ کے تصدیقی سرٹیفکیٹ کے ذریعہ آپ تک پہنچادی جاوے گی۔ (۸) شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان میں ہر سال بڑے تزک واحتشام سے عیدین کے تہوار منائے جاتے ہیں۔ جن میں بارہ صد کے لگ بھگ نفوس کا مجمع ہوجاتا ہے نماز وخطبہ کے بعد کل مجمع کو مشن کی طرف سے دعوت دی جاتی ہے۔ جس پر مشن کو ڈیڑھ صد پونڈ (قریباً اٹھارہ صد روپیہ) کا ہر سال خرچ برداشت کرنا پڑتا ہے مسلم احباب اس مد میں امداد فرمائیں۔ (۹) ہر سال مسجد ووکنگ کے زیر اہتمام جلسہ میلاد النبی صلعم ہوتا ہے۔ اس پر بھی زر کثیر صرف ہوتا ہے جس میں کوئی نہ کوئی نومسلم حضرت نبی کریم صلعم کے اخلاق فاضلہ یا سوانح حیات پر بصیرت افروز تقریر کرکے غیر مسلمین یورپین احباب کو اس شخصیت کاملہ سے روشناس کرتا ہے۔ اس سعید تقریب پر بھی مشن کو خرچ کرنا پڑتا ہے۔ (۱۰) اپنی زکوٰۃ کا ایک کثیر حصہ مشن کو دیں۔ قرآن کریم کی رو سے اشاعت اسلام کا کام۔ زکوٰۃ کا بہترین مصرف ہے۔ (۱۱) فطرانہ عید میں اس کار خیر کو نہ بھولیں۔ (۱۲) عید قربان کے روز قربانی کی کھالوں کی قیمت سے اللہ کے اس پاک کام کی امداد فرمائیں۔ (۱۳) اگر آپ کا روپیہ بنک یا ڈاکخانہ میں جمع ہو۔ تو اس کا سود اشاعت اسلام کے لئے ووکنگ مشن کو دیں۔ علماء کرام نے اس کے متعلق فتوے دے دیا ہے کہ اسلام کی اشاعت میں یہ سود صرف ہوسکتا ہے۔ اگر آپ سود کی ان رقوم کو بنک یا ڈاکخانہ میں رہنے دینگے تو اسلام کی اشاعت وحمایت کی بجائے۔ یہ رقم دشمنان اسلام کے ہاتھ چلی جاوے گی۔ جو اسے عیسائیت کی تبلیغ اور اسلام کے خلاف استعمال کرینگے (۱۴) ہر قسم کی نذر۔ نیاز۔ صدقہ۔ خیرات۔ زکوٰۃ۔ بھینٹ کا بہترین مصرف ووکنگ مسلم مشن ہے۔

(۱۰) ووکنگ مسلم مشن کا سرمایہ محفوظ (ریزرو فنڈ)

ایک کارکن نظام کے لئے ازبس ضروری ہے کہ اس کے پاس معقول محفوظ سرمایہ ہو۔ یہ کام اکیس سال سے بہ احسن وجوہ یورپ میں اسلام کی اشاعت کر رہا ہے اس مشن کو ہمیشہ کے لئے انگلستان میں زندہ وقائم رکھنے کے لئے مینیجنگ کمیٹی ٹرسٹ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس مشن کے لئے دس لاکھ روپیہ سرمایہ محفوظ میں جمع کیا جاوے۔ اس دس لاکھ روپے کو بنک میں بطور فکسڈ ڈیپازٹ رکھ دیا جائیگا۔ اگر مسلم قوم ہمت کرے۔ تو کوئی مشکل بات نہیں۔ اس سکیم کے روبراہ ہونے سے مشن آئے دن کی مالی مشکلات اور روز روز کی دریوزہ گری سے نجات حاصل کرسکتا ہے۔ اور آئے دن کی فراہمی امداد کی زحمت سے ہمیشہ کیلئے بے نیاز ہوکر آئندہ کیلئے کسی چندے کا محتاج نہ رہیگا۔ کیا چالیس کروڑ مسلم بھائی دس لاکھ روپیہ بھی اس کار خیر کیلئے فراہم نہ کرسکینگے۔

(۱۱) ووکنگ مسلم مشن کا نظم ونسق

یہ مشن ایک معتبر رجسٹری شدہ ٹرسٹ کے زیر اہتمام چل رہا ہے جس کے ٹرسٹیز اور ممبران مینیجنگ کمیٹی کی امانت و دیانت مسلمہ ہے۔ یہ مشن اس وقت چار نگران کمیٹیوں کے ماتحت چل رہا ہے۔ (۱) بورڈ آف ٹرسٹیز۔ (۲) ٹرسٹ کی مجلس منتظمہ۔ (۳) لنڈن میں مسجد ووکنگ انگلستان کے مشن کی نگرانی کرنے والی کمیٹی۔ (۴) لٹریری کمیٹی (جو کتب کی طباعت واشاعت کی منظوری دیتی ہے)۔ (۵) یہ ایک غیر فرقہ وارانہ ٹرسٹ ہے۔ اس ٹرسٹ کا کسی جماعت۔ کسی انجمن یا کسی فرقہ سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ مغربی ممالک میں اس کی تبلیغ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ تک محدود ہے۔

(۱۲) مشن کا مالی انتظام

(۱) مشن کی جملہ رقوم جو باہر سے آتی ہیں۔ تین کارکنان مشن کی موجودگی میں موصول ہوکر۔ رجسٹرات آمد میں چڑھ کر ان ہر سہ کے تصدیقی دستخطوں کے بعد اسی روز بنک میں چلی جاتی ہیں۔ (۲) جملہ اخراجات متعلقہ دفتر لاہور ودفتر ووکنگ انگلستان۔ امپرسٹ کے ذریعہ ہوتے ہیں۔ جسے فنانشل سکریٹری صاحب منظور شدہ بجٹ کی حدود کے اندر پاس فرماتے ہیں۔ (۳) آمد وخرچ کا بجٹ باضابطہ ہر سال پاس ہوتا ہے۔ (۴) سال بھر بجٹ کے ماتحت بل پاس ہوتے ہیں (۵) چیکوں پر تین عہدہ داران ٹرسٹ کے دستخط ہوتے ہیں۔ (۶) آمد وخرچ کی پائی پائی تک ہر ماہ رسالہ اشاعت اسلام لاہور میں شائع کردی جاتی ہے (۷) ہر ماہ کے حساب کو آڈیٹر صاحب پڑتال کرتے ہیں۔ تمام حساب کا سالانہ بیلنس شیٹ۔ جناب آڈیٹر صاحب کے تصدیقی دستخطوں کے ساتھ رسالہ اسلامک ریویو انگریزی میں شائع کردیا جاتا ہے۔

(۱۳) ضروری ہدایات

(۱) ٹرسٹ کے متعلق جملہ خط وکتابت بنام سکریٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ لاہور۔ پنجاب ہونی چاہیئے۔ (۲) جملہ ترسیل زر بنام فنانشل سکریٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور۔ پنجاب (ہندوستان) ہو۔ (۳) ہیڈ آفس۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور (پنجاب) ہے۔ (۴) انگلستان کا دفتر دی ماسک ووکنگ سرے انگلینڈ ہے۔

Address in England :- The Imam, The Mosque, WoKing, Surrey, England.

(۵) بنکرس۔ لائیڈ بنک لمیٹڈ لاہور ولنڈن ہیں۔ (۶) تار کا پتہ "اسلام" لاہور۔ (پنجاب۔ ہندوستان)

تمام خط وکتابت بنام سکریٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ۔ عزیز منزل برانڈرتھ روڈ۔ لاہور (پنجاب۔ ہندوستان) فرمائیں

SEPT 1941 R. L. No. 908

شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان

حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم مبلغ اسلام و بانی ووکنگ مسلم مشن انگلستان

مدیر اعزازی

خواجہ نذیر احمد بیرسٹر ایٹ لا لاہور

The Manager
Ishaat-i Islam, Azeez Manzil Brandreth Road, Lahore

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　　**اللہ اکبر**　　　نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (آل عمران آیت ۱۰۴)

ترجمہ- اور چاہئے کہ تم میں ایک گروہ ہو جو بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھے کاموں کا حکم دیں اور بُرے کاموں سے روکیں اور وہی کامیاب ہونے والے ہیں

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ

ترجمہ- وہی (ذات پاک) ہے جس نے اپنے رسول (محمدؐ) کو ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا تاکہ اسکو تمام دینوں پر غالب کرے۔ گو مشرکوں کو بُرا (ہی کیوں نہ) لگے

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان　　　　　　مغرب میں تبلیغ اسلام کا واحد مرکز

ووکنگ مسلم مشن انگلستان

کے ذریعہ

یورپ۔ امریکہ و کل انگریزی دان مسیحی ممالک میں اس وقت اسلام کی اشاعت ہو رہی ہے

(۱) **تشکیل مشن۔** ووکنگ مسلم مشن کا جملہ تبلیغی کاروبار ایک باضابطہ رجسٹری شدہ ٹرسٹ کے ماتحت ہے۔ جس کا نام "ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ" ہے۔ اس ٹرسٹ میں (۱) ووکنگ مسلم مشن انگلستان (۲) رسالہ اسلامک ریویو (انگریزی) (۳) رسالہ اشاعت اسلام (اردو)۔ (۴) کتب خانہ بشیر مسلم لائبریری (۵) مسلم لٹریری فنڈ (۶) ووکنگ مسلم مشن کا سرمایہ محفوظ۔ شامل ہیں۔

(۲) **اغراض و مقاصد۔** (۱) ووکنگ مسلم مشن اور اس کی متعلقہ تحریکات کو انگلستان و دیگر ممالک میں غیر فرقہ وارانہ اصول پر زندہ رکھنا۔ (۲) مغربی ممالک میں تحریر و تقریر کے ذریعہ اسلام کی اشاعت کرنا۔ (۳) انگریزی میں اسلامی کتب و رسائل کو کثرت سے مسیحی حلقوں میں مفت تقسیم کرنا۔ (۴) انگلستان و دیگر مسیحی ممالک میں تمام امور سر انجام دینا جن کی اسلام کی تبلیغ کے لئے ضرورت ہے۔

(۳) **تبلیغی مسلک۔** (۱) مشن کی تبلیغ فقط لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ تک محدود ہے۔ (۲) اس کو کسی فرقۂ اسلام یا جماعت یا انجمن سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ (۳) یہ مشن ایک غیر فرقہ وارانہ ٹرسٹ کے ماتحت ہے۔ جس کے ٹرسٹیز مختلف فرقہائے اسلام سے تعلق رکھتے ہیں۔ (۴) ووکنگ مشن کی نمازیں فرقہ بندی سے بالاتر ہیں۔ یہ مشن امامت نماز میں کسی فرقی تمیز کو ملحوظ نہیں رکھتا۔ (۵) مسجد ووکنگ کے امام مختلف فرقہائے اسلام کے رہ چکے ہیں۔ جن میں نومسلمین بھی شامل ہیں۔

(۴) **مغربی ممالک میں اسلام کی اشاعت کے ذرائع** (۱) رسالہ اسلامک ریویو انگریزی۔ ہزاروں کی تعداد میں۔ یورپ۔ امریکہ و دیگر انگریزی دان مسیحی ممالک میں غیر مسلمین نومسلمین اخوان و خواتین کو ہر ماہ تبلیغ کے لئے مفت بھیجا جاتا ہے۔ (۲) دنیا بھر کی مشہور و معروف غیر مسلم مسیحی لائبریریوں کو رسالہ اسلامک ریویو ہر ماہ مفت بھیجا جاتا ہے۔ (۳) انگریزی اسلامی ادبیات کی مفت اشاعت کی جاتی ہے (۴) مشن کے مبلغین ہفتہ میں دو بار لندن میں اور دو دفعہ مسجد ووکنگ میں اسلام پر لیکچر دیتے ہیں۔ لیکچر کے بعد سامعین کی چاہ سے توضیح کی جاتی ہے (۵) جمعہ کی نماز لندن میں ادا کی جاتی ہے جس میں نومسلمین مسلمین و مسلم طلباء کثیر تعداد میں شامل ہوتے ہیں۔ (۶) عیدین کے سالانہ اجتماعوں میں ایک ہزار سے اوپر نفوس شامل ہوتے ہیں مسلمین و نومسلمین کے علاوہ غیر مسلمین بھی اسلامی اخوت کے اس دلفریب منظر کو دیکھنے کیلئے

**Mr. ANDRZEJ KAMAL KWASIEBORSKI
whose declaration and correspondence
appear in this issue.**

یہ بڑی نیکی ہے کہ آپ رسالہ کی خریداری بڑھائیں کیونکہ اس رسالہ کی آمد بہت حد تک ووکنگ مسلم مشن کے اخراجات کی کفیل ہے۔ رسالہ ہذا کی دس ہزار اشاعت ووکنگ مشن کے ½ اخراجات کی ذمہ دار ہو سکتی ہے۔

فہرست مضامین

رسالہ

اشاعت اسلام

جلد ۲۷ | بابت ماہ ستمبر ۱۹۴۱ء مطابق ماہ شعبان سنہ ۱۳۶۰ھ | نمبر ۹

دگیلانی الیکٹرک پریس ہسپتال روڈ لاہور میں باہتمام خواجہ عبد الغنی پرنٹر و پبلشر چھپکر عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اشاعتِ اسلام

بابت ماہ ستمبر ۱۹۴۱ء

شذرات

ماہ رواں کے رسالہ کو ہم مسٹر انڈریج کمال لویس بورسکی کی فوٹو سے مزین کرتے ہیں۔ مسٹر موصوف نے گزشتہ ماہ ستمبر ۱۹۴۰ء میں اپنے حلقہ بگوش اسلام ہونے کا اعلان کیا۔

پورے چھ سال انہوں نے مذہب اسلام کا مطالعہ کیا۔ اور بہت دیکھ بھال کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ دنیا میں سچا مذہب صرف اسلام ہی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ انہیں استقامت عطا فرمائے اور دوسرے نوجوانوں کے لئے نمونہ کا باعث ہوں۔ آمین ؏

جدید بین الاقوامی قانون کی تاریخ میں

اسلام کا مرتبہ

{بقلم ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب}

بین الاقوامی قانون، ان ضوابط پر مشتمل ہے جو مہذب حکومتیں صلح اور جنگ اور غیر جانبداری کی حالت میں، باہمدگر ملحوظ رکھتی ہیں۔ اس تعریف کو بحث کی بنیاد قرار دے کر، ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ، بیک وقت ساری دنیا کے لئے، ایک ہی ضابطۂ قانون بین الاقوام رائج ہو۔ خصوصاً زمانۂ قدیم میں، جبکہ بین الاقوامی تعلقات صرف ہمسایہ حکومتوں تک محدود ہوتے تھے اور یہ بات شاذ و نادر ہی وقوع پذیر ہوتی تھی کہ حکومت یونان مثلاً، چین یا ہندوستان کے کسی فرمانروا کے دربار میں، اپنا سفیر بھیجے یا ان ممالک سے وہاں روانہ کیا جائے۔ پس اندریں حالات یہ بالکل قدرتی بات تھی کہ مختلف حکومتیں اپنے سیاسی تعلقات کو اپنی ہمسایہ حکومتوں ہی تک محدود رکھیں۔ تاریخ اس حقیقت پر شاہد ہے۔ یونانی شہری حکومتیں مثلاً محض یونانی حکومتوں کو مہذب تسلیم کرتی تھیں اور اس لئے بین الاقوامی قانون کا یونانی نظام صرف اُن حکومتوں سے متعلق تھا جو یونانی اقوام پر مشتمل تھیں۔ بقیہ دُنیا ان کی نظر میں وحشی تھی جس کے متعلق کوئی مستقل ضابطہ ملحوظ نہیں رکھا جاتا تھا۔ اور ہندی، چینی، یونانی اور دیگر ضوابط قانون دنیا کے مختلف حصوں میں پہلو بہ پہلو موجود تھے۔

اس امر کی توجیہہ محض جغرافیائی سہولت کی بنا پر نہیں کی جا سکتی بلکہ اس میں یہ نکتہ بھی مضمر تھا کہ قدیم مذاہب عالمگیر ہونے کے بجائے، قومی تھے اور کسی قوم کے مذہب کا اس کے ضابطۂ قانون پر لازماً اثر پڑتا تھا۔ اور یہ قدرتی بات ہے کہ جنگ کی حالت میں بھی ایک قوم، اپنی ہم مذہب ہم نسل، ہم مشرب اور ہموطن قوم کے ساتھ جو قانون مرعی رکھے گی وہ غیر اقوام کے ساتھ نہیں رکھ سکتی

اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ بین الاقوامی قانون کے مختلف نظام باہمدگر مماثل تھے۔ ٹھیک جس طرح یہ ایک امر واقعہ ہے کہ موجودہ یورپین بین الاقوامی قانون بھی عالمگیر مسلّمہ اصولوں

کا مجموعہ نہیں ہے۔

ایک قوم کا زاویۂ نگاہ دوسری اقوام کے ساتھ روابط رکھنے کی وجہ سے بدل جاتا ہے اور اسلئے اس کا بین الاقوامی قانون بھی تغیر پذیر ہو جاتا ہے۔

جنگ، فتوحات تجارت اور تعلقات کی دوسری امن پسندانہ صورتوں کا نتیجہ بھی کم و بیش یہی نکلتا ہے بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ دشمنی تعصب اور خودداری کی وجہ سے ایک قوم اس حقیقت سے انکار کر دیتی ہے کہ دوسری قوم کا بھی اس پر کوئی حق ہے۔ افراد کی طرح اقوام بھی غلطی کا ارتکاب کر سکتی ہیں اور جو حال زندگی کے دوسرے شعبوں کا ہے وہی ضوابط قانون کا بھی ہے۔

مغربی مصنفین جب جدید بین الاقوامی قانون کی تاریخ بیان کرتے ہیں، تو عموماً یونانی شہری مملکتوں سے شروع کر کے، فوراً رومی دور کا تذکرہ شروع کر دیتے ہیں اور پھر یک لخت، دورِ جدید کی تاریخ لکھنے لگتے ہیں۔ اور ازمنہ وسطیٰ کو یہ کہکر خارج از بحث کر دیتے ہیں کہ اس زمانہ میں کسی بین الاقوامی قانون کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ افسوس یہ ہے کہ ہمیں قدیم فنیقی حکومت کا کچھ علم نہیں جس نے اہل یونان کو تہذیب اور نوشت و خواند کا پہلا سبق پڑھایا، اور نہ ایران کا کچھ حال معلوم ہے جو تمدّن اور تہذیب دونوں میں، یونان کا صدیوں تک مدمقابل رہا ہے۔ ورنہ ہم یہ جان سکتے تھے کہ ملک شام یا دوسرے ممالک کی حکومتوں نے، یونان کے بین الاقوامی ضابطہ قانون پر کس حد تک اثر ڈالا ہے۔ علاوہ بریں، متعدد مصنفین نے اس امر سے بحث کی ہے کہ مشرقی ممالک کے قوانین کا، رومن ضابطۂ قانون پر کس حد تک اثر مرتب ہوا اور میں اس وقت اس موضوع پر کچھ نہیں کہنا چاہتا کیونکہ اس مختصر بحث کا خاص مقصد یہ ہے کہ میں یہ بتاؤں کہ مسٹر اوپن ہیم کے اس بیان میں کس قدر صداقت ہے کہ ازمنہ وسطیٰ میں کوئی بین الاقوامی ضابطہ موجود نہ تھا اور رومن دور اور دورِ جدید کے مابین کوئی مسلک رابطہ موجود نہیں ہے حالانکہ ان ادوار میں ایک ہزار سال کا عرصہ پایا جاتا ہے۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں یونانی نظام کا طغرائے امتیاز یہ تھا کہ وہ اُن یونانی شہری مملکتوں سے متعلق تھا جو جزیرہ نمائے یونان کے اندر واقع تھیں اور ان سب کے باشندے ایک ہی قوم تھے، ایک ہی نسل سے تھے، ایک ہی زبان بولتے تھے اور ان کی عادات، رسم و طرز معاشرت اور تہذیب بھی یکساں تھی، اگرچہ وہ اپنی انفرادی حیثیت کو برقرار رکھتے ہیں، قسم کی قربانی کے لئے

تیار رہتی تھیں یونانی مملکتوں میں بین الاقوامی قانون کے دو جداگانہ ضوابط رائج تھے یعنی ایک ضابطہ اپنوں کے لئے، اور دوسرا ساری دنیا کے لئے آخرالذکر ضابطہ غیر مکمل بھی تھا اور غیر مدون بھی۔

رومی دور کا امتیازی نشان یہ تھا کہ ان کا قانون، ایک نسل کے باشندوں کے لئے نہ تھا بلکہ سلطنت روما کے مختلف باشندوں کے لئے۔ رومی سلطنت میں بہت سی مملکتیں شامل تھیں ۲ داخلی طور پر آزاد اور خود مختار تھیں۔ اور جب ان مملکتوں میں کوئی نزاع واقعہ ہوتی تھی تو اس کو قیصر کی خدمت میں پیش کیا جاتا تھا اور اس کا فیصلہ رومی قانون کی روشنی میں حتمی سمجھا جاتا تھا۔ اس ضابطہ کو ہمارے مغربی مصنفین، یونانی بین الاقوامی قانون کا جانشین قرار دیتے ہیں، اور دور جدید کا پیشرو۔ لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ رومی سلطنت جس ضابطہ کو غیر رومی ممالک کے ساتھ تعلقات میں مدنظر رکھتی تھی، اُسے رومی بین الاقوامی ضابطۂ قانون کیوں نہیں کہہ سکتے؟ ممکن ہے کہ یہ قانون بہت مفصل یا مکمل نہ ہو یا مدون نہ ہو، لیکن بین الاقوامی ضابطہ کا نام صرف اُسی کو دیا جا سکتا ہے، نہ کہ اُن قوانین کو جو رومی سلطنت کے مختلف حصوں میں رائج تھے۔ ایسا کہنا صریح غلط بیانی ہے۔ اگر کوئی شخص یونانی اور رومن قانون بحالت جنگ و صلح کا مزید مطالعہ کرنا چاہے تو اسے مسٹر فلپسن کی قابل قدر تالیف "قدیم یونان اور روم کا ضابطۂ قوانین" بہت مفید ثابت ہوگا۔ میرا خیال یہ ہے کہ روم کا بین الاقوامی ضابطہ صلح یونان کے ضابطہ سے بدرجہا بہتر تھا۔ لیکن جنگ کا رومی قانون یونانی قانون کے مطابق تھا جس میں متحارب اقوام کے لئے کوئی حق تسلیم نہیں کیا گیا تھا اور غیر رومی دشمن کے ساتھ، برتاؤ کرنے کے لئے، کوئی ضابطہ مقرر نہ تھا۔

لیکن بین الاقوامی قانون کے جدید نظام کی رو سے متحارب قوم کے حقوق بھی اسی طرح مسلم ہیں جس طرح دوستانہ تعلقات رکھنے والی حکومتوں کے۔ جنگ کی حالت میں بہت کچھ پابندیاں عاید ہو جاتی ہیں، اور بعض حقوق فنا ہو جاتے ہیں لیکن ایک آزاد مملکت کے بہت سے حقوق بحالت جنگ بھی علیٰ حالہ برقرار رہتے ہیں۔

یہ انقلاب کیونکر رونما ہوا؟ جدید یورپین نظام، رومن نظام پر مبنی ہے، اور ہم دیکھ چکے ہیں کہ رومن قانون میں کوئی ایسی بات نہ تھی، جس کی بنا پر یہ انقلاب پیدا ہو سکتا ہے۔ پس سوال یہ ہے کہ یہ انقلاب زمانۂ حال کی پیداوار ہے یا مسیحیت کی یا کسی اور تحریک کی؟

۲ لیکن عملی طور پر قیصر کے زیرِ نگیں تھیں

ہم پہلے مسیحیت کو لیتے ہیں، اگرچہ اقوام یورپ نے، بہت پہلے مسیحیت اختیار کرنا شروع کر دیا تھا، لیکن جناب مسیح کی تعلیم محبت، بین الاقوامی قانون کی نشو ونما کے لئے بالکل موزوں نہ تھی مسیح نے موصوف کا مقولہ یہ لکھا ہے "بدی کا مقابلہ نہ کرو بلکہ جو شخص تیرے دائیں گال پر طمانچہ مارے، تو بایاں گال بھی اس کے سامنے کر دے"۔ نیز یہ کہ اپنی تلوار نیام میں ڈال، کیونکہ وہ سب جو تلوار چلائیں گے تلوار ہی سے مارے جائیں گے"، اس کے علاوہ اور تعلیمات بھی اسی قسم کی ہیں۔ ابتدائی مسیحی تعلیم، جیسا کہ بلجیم کے پروفیسر نِس نے اپنی کتاب "بین الاقوامی قانون کا ماخذ" میں لکھا ہے، یہ تھی کہ ایک مسیحی نہ صرف تلوار کے ذریعہ سے اپنی حفاظت نہیں کر سکتا تھا بلکہ وہ ظلم وستم کا مقابلہ کرنے کے لئے، قانون کی امداد بھی طلب نہیں کر سکتا تھا۔ اور جیسا کہ پروفیسر نارمن بینٹوِرح نے لکھا ہے "عیسائی لوگ اگر انجام کار سلطنت روما کے مالک ہو گئے، تو یہ بات مسیحی تعلیمات کی بدولت رونما نہیں ہوئی بلکہ یہ یہود کا کنعانیوں کے خلاف جذبہ تھا اور اس کے علاوہ "باز بہ روما" کی تحریک بھی اس میں معاون ہوتی" علاوہ بریں، جدید یورپین بین الاقوامی قانون کے نظریوں کی تشکیل کے وقت مسیحیت کی اخلاقی قوت بالکل ہی زائل ہو چکی تھی۔ مثلاً گروٹیس جو یورپین بین الاقوامی قانون کا باوا آدم ہے اپنی کتاب کے دیباچہ میں لکھتا ہے "میرے زمانہ میں (سترھویں صدی) مسیحی اقوام جنگوں میں جس بربریت کا ثبوت دیتی ہیں اس کو دیکھ کر شاید وحشی اقوام بھی شرما جائیں"

میں تو اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتا کہ یہ انقلاب مسیحیت کی وجہ سے پیدا ہوا ہو کیونکہ ۱۸۵۶ء تک مہذب مسیحی اقوام یہ یقین کرتی تھیں کہ بین الاقوامی قانون کے فوائد، صرف مسیحی اقوام تک محدود ہیں اور اگر صلحنامہ ۱۸۵۶ء کی رو سے، مسیحی حکومتوں نے، ترکی حکومت اسلامیہ کو مہذب اقوام میں شامل کیا تھا تو یہ بات نہ ہمدردی انسانی پر مبنی تھی نہ مسیحیت کی تعلیمات بلکہ محض عملی سیاسیات پر۔ جاپان اور دیگر غیر مسیحی حکومتوں کو اس عزت کے لئے مدتوں تک انتظار کرنا پڑا۔

جیسا کہ پروفیسر نِس نے واضح کیا ہے جب مسلمانوں نے بیت المقدس مرکز مسیحیت اور سکندریہ اور انطاکیہ مراکز بطارقِ مسیحیت کو فتح کر لیا اور بنو امیہ اور بنو عباس کے ہاتھوں مسیحیوں کو متعدد شکستیں نصیب ہوئیں، تو پادری لوگ نعل در آتش ہو گئے اور خود کلیسا میدان جنگ میں

کو دیدی، چنانچہ مسیحی راہب بلکہ پوپوں نے محاربات صلیبی میں حصہ لیا، اور ٹمپلرس ہاسپٹلرس اور سینٹ جان کی جماعتیں وجود میں آئیں جن کا مقصد صرف یہ تھا کہ عیسائیوں کو مسلمانوں کے خلاف صف آرا کریں۔

یاد رہے کہ آنحضرت صلعم نے سنہ ۶۲۲ء میں بمقام مدینہ ایک چھوٹی سی شہری ریاست قائم کی تھی، جو ہر روز ۲۷۴ میل مربع کی نسبت سے وسیع ہوتی گئی اور سنہ ۶۳۲ء میں، آنحضرت کی وفات کے وقت، اسلامی حکومت کا رقبہ دس لاکھ میل مربع ہو گیا تھا۔ آپؐ کے خلفاء نے آپ کی حکمت عملی کو برقرار رکھا اور آپؐ کی وفات کے پندرہ سال بعد، سنہ ۲۷ھ میں، بعہد خلافت حضرت عثمانؓ اسلامی فوجیں، اندلس میں فاتحانہ طریق پر داخل ہو چکی تھیں۔ اور اگرچہ مزید کمک نہ پہنچ سکی تاہم وہ ۷۵ سال بعد، طارق اور موسیٰ ابن نصیر کی زیر قیادت، تمام ملک پر قابض ہو گئی تھیں۔ اور سات سو سال تک وہاں حکمراں رہیں۔ اور اس عرصہ میں سقلیہ اور اطالیہ کا جنوبی حصہ اور سویزرلینڈ بھی مسلمانوں کے زیر نگیں ہو گیا تھا۔ اور ان ملکوں میں اسلامیہ دارالعلوم میں یورپ کے تمام شہروں سے ہزاروں عیسائی اور یہودی طلبا تعلیم حاصل کرتے تھے علاوہ بریں جیسا کہ پروفیسر نسّ نے لکھا ہے عیسائی حکومتوں نے محض مسلمانوں کے ڈر سے، تاریخ میں پہلی مرتبہ اتحاد کا سبق پڑھا۔ اور مختلف عیسائی حکومتوں نے ایک علم کے نیچے مسلمانوں سے جنگ کی حالانکہ، پوپ کو اپنا واحد مذہبی پیشوا اور مسیحیت کو واحد مذہب تسلیم کرنے کے باوجود، قبل ازیں وہ اس طرح متحد نہیں ہو سکتی تھیں۔

اگرچہ عیسائی حکومتوں پر، اسلامی اندلس، جنوبی یورپ اور محاربات صلیبی کا بہت زیادہ ثقافتی اثر مرتب ہوا، لیکن اس کے ساتھ ایک اور پہلو کو بھی مدنظر رکھنا چاہیئے۔ وہ یہ کہ بین الاقوامی قانون پر جن لوگوں نے سب سے پہلے کتابیں لکھیں مثلاً ایالہ، وکٹوریہ وغیرہ وہ سب اندلس یا اطالیہ کے باشندے تھے اور احیاء العلوم کی تحریک سے متاثر ہوتے تھے، جو اسلام کی بدولت یورپ میں رونما ہوئی تھی۔ مشرق میں بغداد اور مغرب میں قرطبہ، اسلامی تہذیب کے زبردست مرکز تھے اور ان دونوں شہروں کے درمیان یورپ اس خوف سے لرزہ براندام تھا مبادا وہ ان دونوں عربی حکومتوں میں سے کسی ایک کے زیر نگیں ہو جائے۔

لوتھر عربی زبان کا عالم تھا اور اسی طرح بہت سے پوپ اور کلیسا کے اعلیٰ عہدیدار بھی عربی زبان سے واقف تھے اور صدیوں تک یورپ کی درسگاہوں میں عربی سے لاطینی میں مترجمہ کتابیں داخل نصاب رہیں۔ لیکن یہ سوال ہنوز باقی ہے کہ کیا مسلمانوں نے بین الاقوامی قانون بطور خود مدون کیا؛ عثمانیہ یونیورسٹی کے ادارۂ اشاعت کتب مشرقی اور حیدرآباد کی مجلس احیائے کتب حنفیہ موسومہ احیاء المعارف النعمانیہ، نے حال ہی میں، اسلامی بین الاقوامی قانون پر کئی اعلیٰ پایہ کی کتابیں شائع کی ہیں جن میں سے ایک کتاب امام ابو یوسفؒ المتوفی ۱۸۲ھ کی تصنیف کردہ ہے جنہوں نے مناظرانہ انداز میں، الرد علیٰ سیر الاوزاعیؒ میں اُن مسائل پر نظر ڈالی ہے جو امام اوزاعیؒ المتوفی ۱۵۷ھ نے، امام ابو حنیفہؒ المتوفی ۱۵۰ھ کے جنگ وصلح کے قوانین کے متعلق لکھے ہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام اوزاعیؒ کی تصانیف آج نایاب ہیں لیکن امام ابو یوسف نے اپنی کتاب میں، ان دونوں آئمہ کی تصانیف سے طویل اقتباسات پیش کئے ہیں اور اُن کے مطالعہ سے بات پایۂ ثبوت کو پہنچ سکتی ہے کہ ان دونوں بزرگوں نے بین الاقوامی قانون پر مستقل کتابیں لکھی تھیں۔ علاوہ بریں امام شافعیؒ نے اپنی تصنیف "کتاب الامّ" میں واقدی کی کتاب پر ایک خاص باب مدون کیا ہے جس کا نام ہے سیر الواقدی ان کے علاوہ امام محمد الشیبانی المتوفی ۱۸۹ھ شاگرد امام ابو حنیفہؒ نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی تھی جس کا نام ہے کتاب السیر یہ کتاب معہ حواشی چار ضخیم جلدوں میں جو دو ہزار صفحات پر مشتمل ہے، حال ہی میں دائرۃ المعارف عثمانیہ یونیورسٹی نے حیدرآباد سے شائع کی ہے۔

ان تصریحات سے یہ بات واضح ہے کہ مسلمانوں نے شروع ہی سے بین الاقوامی قانون کو ایک مستقل فن بنا دیا تھا۔ اور اُسے علم السیاست اور علم قانون دونوں سے جدا قرار دیا تھا اور جب ہم ان ابتدائی عربی تصانیف کا مطالعہ کرتے ہیں، تو ہمیں بحالت جنگ وصلح عربوں اور رومیوں اور دیگر اقوام کے باہمی تعلقات کا صحیح علم حاصل ہو سکتا ہے اور یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ نہ صرف فنون جنگ میں بلکہ بین الاقوامی قانون میں بھی، تعامل کا سلسلہ جاری تھا اور ہمیں اسلامی قانون میں نظر آتا ہے کہ ہر حالت میں دشمنوں کے حقوق کو تسلیم کیا گیا ہے، اُن حقوق کو، جو آنحضرتؐ اور آپؐ کے جانشینوں نے غیر مسلموں کو عطا کئے تھے۔ علاوہ بریں، ان کتابوں کے مطالعہ سے یہ بات بھی

واضح ہو سکتی ہے کہ آیا لہ وکٹوریہ اور جنٹا یلا اور گروٹیس وغیرہ نے قوانین جنگ پر جو کتابیں لکھیں، جنکی مثال ہمیں یونانی یا رومی ادبیات میں کہیں نظر نہیں آتی، اور جو ایسے زمانہ میں لکھی گئیں جبکہ یورپ میں علم کی اسدرجہ ترقی نہیں تھی جیسی کہ آج ہے، یہ سب تصانیف در اصل عربی تصانیف کا چربہ ہیں جو مسلمانوں نے قانون جنگ وصلح کے موضوع پر لکھی تھیں، اور سب سے پہلے اس موضوع پر امام ابو حنیفہ رح نے قلم اُٹھایا تھا اور اُن کے مابعد آن کے شاگردوں اور دیگر فقہاء نے اس سلسلہ کو جاری رکھا اور بعض فقہاء نے، جہاد کے عنوان سے اسی مبحث پر قلم اُٹھایا ہے۔ یہ مضمون ہمیشہ سے اسلامی درسگاہوں میں پڑھایا گیا ہے اور اسے فقہ کا جزو قرار دیا گیا ہے۔ پس اسلامی بین الاقوامی قانون، رومی اور جدید ادوار کے درمیان ایک رابطہ کا کام دیتا ہے اور اسی کی بدولت موجودہ اقوام کے تخیل میں اس قدر زبردست انقلاب پیدا ہوا۔ چنانچہ ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ازمنہ وسطیٰ، جیسا کہ بعض مصنفین کا خیال ہے، بین الاقوامی قانون سے محروم نہ تھا۔

آہ خان بہادر شیخ منہاج الدین صاحب مرحوم

یہ خبر نہایت غم واندوہ سے سنی گئی ہے۔ کہ خان بہادر شیخ منہاج الدین صاحب بی اے علیگ چیف انجینیر پنجاب داعی اجل کو لبیک کہہ گئے ہیں۔ آپ کی موت حرکت قلب کے بند ہونے کے باعث واقع ہوئی ہے۔ شیخصاحب موصوف علم دوست اور دردمند دل رکھتے تھے۔ آپ عرصہ دراز سے ووکنگ مسلم مشن کی سرپرستی فرماتے رہے ہیں۔ آپ کے دل میں اسلام کی تڑپ بدرجہ اُتم موجود تھی۔ ہمیں آپ کے لواحقین سے دلی ہمدردی ہے اور ہمیں اپنے غم میں شریک سمجھیں۔ خدا مرحوم مغفور کو فردوس بریں میں جگہ دے۔ اور پسماندگان کو صبر ایوب عطا فرمائے۔ آمین۔

(سکرٹری ووکنگ مشن)

اسلام کا متصوفانہ مطالعہ

بقلم الحاج خان بہادر بی۔ ایم۔ کے لودی صاحب بالقابہ

{گذشتہ سے پیوستہ}

لفظ "اللہ" کے صرفی پہلوؤں سے قطع نظر اس کی ترتیب حروف ہی میں بعض معنی خیز پہلو موجود ہیں۔ لفظ اللہ چار حرفوں کا مرکب ہے۔ الف۔ دو لام اور ہو (ہ) اگر آپ پہلا حرف یعنی "الف" جدا کر دیں۔ تو باقی "للہ" رہ جائے گا جس کے معنی ہیں "معبود"۔ اگر آپ دو لاموں میں سے پہلا لام نکال لیں۔ پھر بھی بقیہ حروف خدا کی طرف اشارہ کرتے ہیں (لہ) دوسرے لام کو بھی جدا کر دیجئے۔ باقی "ہ" (ہو) رہ جائے گا۔ یہ بھی خدا کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ (دیکھئے امام فخرالدین رازی کی تفسیر کبیر جلد اول حصہ اول) لفظ اللہ کی یہ توضیح خیالی یا خود ساختہ نہیں۔ بلکہ اس کا انحصار خود قرآن پاک کے متن پر ہے جس میں یہ لفظ بار بار صرف اللہ ہی کے معنوں میں استعمال ہوا ہے اور یہ ہے عربی زبان کی خوبیوں میں سے ایک حیرت انگیز خوبی جس کی یکتائی کا اعتراف کرنا چاہیئے۔

اب سنئے۔ کہ لفظ "اللہ" کا آخری حرف "ہ" کس طرح خدا کے معنی دیتا ہے جیسے پہلے بتایا جا چکا ہے۔ زور لفظ اللہ کے آخری رُکن پر پڑتا ہے۔ "ہ" عربی میں ضمیر واحد کے معنوں میں آتا ہے۔ جس کا مطلب ہے "وہ"۔ اور یہ ضمیر غائب ظاہر کرتا ہے۔ یعنی "وہ جو موجود ہے" —— ازلی و ابدی —— یعنی خدا۔ اور چونکہ باقی یعنی خدا کی مخلوق "غیر موجود"۔ "عارضی" اور "فانی" ہے۔ اس لئے "ہ" (ہو) لفظ "اللہ" کی لطافت کا باعث بن گئی ہے۔ اور اس امر کی تائید قرآن حکیم کی متعدد آیات میں واضح طور پر موجود ہے۔ بہر حال یہ خاص طور پر صرف قرآن ہی میں موجود نہیں۔ بلکہ متعدد قدیم اور غیر اسلامی صحائف میں بھی اس کی مثالیں ملتی ہیں۔

حرف اور لفظ "ہ" (ہو) میں ایک اور قابل غور معنی بھی مضمر ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ لفظ "ہو" لفظ "اللہ" کی طرح صرف خدا ہی کی بالاتر از فہم حقیقت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اور توصیفی نہیں ہے۔ بلکہ یہ ظاہر نشان اور غیر ظاہر حقیقت (اللہ) کے درمیان ایک واسطہ بن گیا ہے

جو شخص اپنے دل میں خدا کا خیال کرتا ہے۔ اور اسے اس کی کسی صفت سے مخاطب کرتا ہے۔ وہ کسی غرض اور ذاتی مقصد کے ماتحت کسی نہ کسی قسم کی مدد مانگنے کے لئے ایسا کرتا ہے لیکن خدا سے اس کی کسی صفت کا حوالہ دیئے بغیر بے غرضانہ خطاب کرنا جیساکہ لفظ "ہو" ظاہر کرتا ہے۔ خدا کو زیادہ پسند ہے۔ علاوہ ازیں یہ صرف حقیقت مطلق میں پورے طور پر محو ہو کر دل و دماغ کی یکسوئی اور گہری مشق کا ہی نتیجہ ہوتا ہے کہ ضمیر اپنے آپ کو بھول جاتا ہے۔ اور اسے بلند تر ضمیر کا احساس ہوتا ہے۔ لفظ "ہو" اس مقصد کو صحیح اور طبعی طور پر پورا کرتا ہے۔ یہ انسان کی صفت تنفس کا حامل ہے۔ گویا یہ سانس لینے کا آلہ ہے۔ انسان لفظ "ہو" اسی وقت ادا کر سکتا ہے۔ جبکہ وہ سانس باہر نکالے۔ دراصل "ہو" اس کی باہر نکلنے والی سانس ہے۔ جسے پھر اندر کھینچ لیا جاتا ہے اسی بناء پر عمل تنفس کے ذریعے کی بنا پر والی بعض عبادتوں کے لئے بعض اصول وضع کئے جا چکے ہیں۔ اسی کا نام "ضبط نفس" یا "پرانیام" ہے۔ جس کا ذکر "بھگوت گیتا" میں آتا ہے (بھگوت گیتا ۱۴ - ۲۹) یا جسے صوفیوں کی اصطلاح میں "پاس انفاس" کہتے ہیں۔ صوفیوں کے بعض فرقے ایسے ہیں جنہوں نے دم کشی کی مسلسل، باقاعدہ اور طویل مشق کے ذریعے یہ محسوس کر لیا ہے۔ کہ اس عمل سے انسان کی مراقبۂ یکسوئی کی صفت ترقی کر جاتی ہے۔ اس میں بعض فوق العادت طاقتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور اس کی روح خدا سے قریب تر ہو جاتی ہے۔ مزید براں دنیائے طب کے نزدیک ضبط نفس کی مشق عام طور سے انسان کی جسمانی صحت کے لئے بہت مفید ہے۔

لفظ "اللہ" کی ایک اور تشکیلی خوبی ملاحظہ ہو۔ اس لفظ میں دو لام ہیں۔ اگر پہلے لام کو تشدید کے ساتھ ادا کیا جائے جیساکہ عام طور پر حروف کو دوچند کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ تو دوسرا لام حشو بن کر رہ جائے گا۔ یہ قاعدہ یہاں استعمال نہیں ہوتا۔ بلکہ حرف لام کو دہرایا جاتا ہے۔ اور دو لام لکھے جاتے ہیں۔ یہ کیوں؟ علم صرف اور علم اللسان جاننے والوں نے ابھی تک قاعدہ کی اس تخصیص کی وجہ بیان نہیں کی۔ البتہ دینیات اور تصوف سے تعلق رکھنے والے بیان کر چکے ہیں (دیکھئے امام فخرالدین رازی کی تفسیر کبیر جلد اول حصہ اول) ان کا نظریہ یہ ہے:-

لام کی تکرار کی وجہ سے ایک یعنی پہلا لام جو محض تعریفی ہے۔ ساکن ہے۔ اور اسے لازماً ساکن ہونا چاہیئے۔ اور دوسرا لام جو کہ اصلی ہے متحرک ہے۔ لہذا پہلا لام دوسرے

اسم کے ساتھ مل کر غائب ہو جاتا ہے۔ یا اس میں جذب ہو جاتا ہے۔ اور دوسرا اسم اپنی اصلیت قائم رکھتا ہے۔ یہ اس نظریہ کے متعلق ایک استعارہ بیان کیا جاتا ہے کہ انسان ذات آلہی کی نیابت کرتا ہے۔ اور تعریفی ہے۔ یا یوں کہئے۔ کہ خدا کا مظہر ہے اور جب اسے ذات آلہی کا علم ہو جاتا ہے۔ تو وہ علم ہی کو بھول جاتا ہے۔ اور اپنے آپ کو بھول کر ذات آلہی میں جذب ہو جاتا ہے۔ گو ذات اسی طرح موجود رہتی ہے جیسے کہ وہ پہلے تھی۔"

صوفیوں کی اصطلاح میں اسے "وصل" کہتے ہیں یعنی ذات میں مل جانا۔ ویدانتک فلسفہ میں اس کا نام Gnana yogam ہے۔

صرفی، حرفی اور ترکیبی خوبیوں کے علاوہ لفظ "اللہ" میں بعض اور خصوصیات بھی ہیں لیکن وہ محض علامتی ہیں۔ اگرچہ بعض کے نزدیک یہ دور کی لائی ہوئی کوڑی ہوں گی اور بعض کے لئے خیالی اور تصوری لیکن چونکہ ان کا ذکر بعض بلند پایہ ماہرین دینیات کے زبان و قلم سے ہوا ہے۔ اس لئے وہ بجائے خود دلچسپ ہوں گی۔

پہلی خصوصیت یہ ہے:۔

عربی لفظ اللہ جسمانی طور پر انسان کے چہرے پر منقوش ہے۔ خیال رہے۔ کہ لفظ "اللہ" چار عمودی خطوط اور ایک نصف دائرہ کی شکل والے خط سے مرکب ہے۔ جو ہ (ہو) کا حصہ ہے۔

(باقی آئندہ)

عبادت کا جواز

از قلم خان صاحب عابد علی خان

اس حقیقت نفس الامری سے مجال انکار نہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو اپنے معتقدین کے فرائض دینی میں شامل کر دیا ہے۔ اسلئے مذہبی نقطہ نظر سے اس کے معائب و محاسن پر رائے زنی کرنا ٹھیک نہیں ہمیں نماز کا حکم دیا گیا ہے اور اس کی ادائگی سے ہمیں اجتناب نہیں کرنا چاہیئے بس معاملہ یہیں ختم ہو جاتا ہے کسی خاص مذہبی حکم کو دلائل و براہین کی روشنی میں دیکھنا سراسر کفر ہے لیکن اس کے باوجود اگر ہم نماز کو استدلال کے معیار پر رکھیں تو معلوم ہوگا کہ اس میں متعدد ایسے محامد و محاسن موجود ہیں جو دوامی ہیں۔

زمانہ قدیم نے اب تک ادیانِ عالم کے علما و فضلا نے عبادت کی انتہائی اہمیت اور ضرورت کو تسلیم کیا ہے۔ ایک دن مشہور فلسفی سقراط ایک کوچے میں ایک ایسے شخص سے دوچار ہوا جو جلدی قدم اٹھائے جا رہا تھا فلسفی موصوف نے اُسے مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ تم کہاں جا رہے ہو۔ اُس نے کہا کہ جندی مندر میں عبادت کی غرض سے جا رہا ہوں۔ جب اُس نے عبادت کے اثرات اور خصوصیات کے متعلق استفسار کیا گیا تو اس نے نفی میں جواب دیا۔ سقراط نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اپنی روائتی خوش اخلاقی سے کام لیتے ہوئے اُس سے عبادت کے موضوع پر طویل بات چیت شروع کر دی۔ اور جب تک اُسے عبادت کے فواید کا یقین نہ ہو گیا۔ اسے جانے کی اجازت نہ دی۔

نماز کے کثیر التعداد اخلاقی اور جسمانی اثرات کو مبالغہ یا غلو پر محمول نہیں کیا جا سکتا سب سے پہلے نماز انسان کو منکسر المزاج بنا دیتی ہے ایک عابد اور نمازی کبھی متکبر اور مغرور نہیں ہوتا ایک شاہزادہ اور معمولی کسان ایک ہی جگہ شانہ بشانہ نماز ادا کرتے ہیں۔ کوئی زیادہ عرصے کی بات نہیں کہ تاجدار افغانستان امیر حبیب اللہ خاں مرحوم بغرض سیاحت وارد ہندوستان ہوئے

تو آپ نے معمولی درجے کے مسلمان کے ساتھ نماز ادا کی اس قسم کی اخوت اور مساوات جو دین حجازی کا طغرۂ امتیاز ہے دوسرے مذاہب میں ناپید ہے خواہ وہ قدیم ہو یا جدید۔

خوش مزاجی اور استقامت کو نمازی کے مزاج میں بہت حد تک دخل ہوتا ہے کیونکہ ایک تو فریضۂ نماز کی ادائیگی سے اُسے پورا اطمینان ہو جاتا ہے دوسرے آئندہ زندگی کے متعلق ہر قسم کا خوف اور ڈر اس کے دل سے جاتا رہتا ہے۔ اس کے علاوہ نماز اُسے منشائے ایزدی پر قانع رہنے کی تلقین کرتی ہے اور یہی وہ اُصول ہے جو اسلام کے لئے بمنزلہ اساس یا فیصل ہے

جب ایک آدمی پورے خلوص کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے تو ایک ایسی دماغی طاقت کی تشکیل عمل میں آتی ہے جس کی صلاحیتیں غیر محدود ہوتی ہیں۔ امریکن پروفیسر سگنو کے الفاظ میں اس طاقت کا نام "فیٹلزم" ہے۔ پروفیسر موصوف نے فیٹلزم کا خاکہ اپنے ذیل کے الفاظ میں پیش کیا ہے۔

جس اُصول یا قاعدے پر بھی تم چلو گے اُسے "فیٹلزم" کہیں گے۔ یہ گویا دنیا کی تین بہت بڑی طاقتوں کی ہم آہنگی کا دوسرا نام ہے۔ پہلی طاقت متخیلہ ہے۔ دوسری (EThericENERgy) اور تیسری "ارادی"

قوت متخیلہ ایک ایسی فراست ہے جس کا مخرج و مصدر دماغی ارتعاش ہے۔

(EThericENERgY) (جو بجلی سے مشابہ ہے ایک ایسی طاقت ہے جس کی تخلیق دماغی کاوش یا غور و فکر کا نتیجہ ہے۔ اس کے ذریعے خیالات اپنی منازل کی طرف جاتے ہیں۔

قوت ارادی کی حیثیت ایسے نگران اور محرک کی ہے جو ان خیالات کو اپنے معینہ مراکز کی طرف منتقل کرنے میں رہنمائی کرتا ہے۔ پس EThericENERgy سے صاف شدہ تخیل قوت ارادی کے ضبط اور رہنمائی میں ایک اتنی بڑی طاقت بن جاتا ہے کہ زمان و مکان کی وسعتیں اس کے انتقال میں رکاوٹ ثابت نہیں ہو سکتیں۔

تخیل قوت پیدا کرتا ہے اور قوت ایک زبردست طاقت کی تخلیق کا موجب ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ یہی طاقت بالآخر عمل اور حرکت پیدا کرنے کا سبب ہوتی ہے۔ یہی تخیل قوت عمل کی وساطت سے اُن ذرات کو اپنی جگہ سے ہٹا دیتا ہے جو اجسام کو گھیرے ہوئے ہوتے ہیں۔ تخیل کے اس عمل سے فضا میں ارتعاش اور لہریں پیدا ہو جاتی ہیں۔ کمزور تخیل کا اثر فضا میں تیرتے ہوئے

ذرات پر بالکل ایسا ہی ہوتا ہے جس طرح آہستہ آہستہ چلنے والی ہوا کسی درخت کی نرم و نازک پتیوں کو ہلا دے۔ اس کے برعکس طاقتور تخیل بہت بڑے رقبے میں پھیلے ہوئے ذرات کو متحرک کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

"وائرلیس ٹیلیگرافی" کا موجد مارکونی لکھتا ہے کہ جس طرح کسی جوہڑ میں اینٹ یا پتھر پھینکنے سے لہریں پیدا ہوتی ہیں اسی طرح ایک لفظ یا اس کا مرادف ہوا میں لہریں پیدا کر دیتا ہے جو زیادہ سے زیادہ مسافت کو برق رفتاری کے ساتھ طے کرتی ہیں اور تلگرافی کے ہر اس آلے پر محسوس ہوتی ہیں جو بھیجنے والے سے ہم آہنگ ہو۔ بعینہٖ ایک شخص کے دماغ سے نکلا ہوا تخیل تمام رکاوٹوں اور مزاحمتوں کو دور کرتا ہوا ہر اُس دماغ میں اتر جاتا ہے جو اوّل الذکر سے ہم آہنگ ہو۔ متذکرہ صدر حقائق کی روشنی میں دماغی طاقت سے متعلق عقیدے کو جھٹلانا ٹھیک نہیں اگر انفرادی عبادت میں اتنی طاقت موجود ہے تو یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ جماعتی عبادت میں کس قدر طاقت مجتمع ہوگی۔

اسلامی قوانین جس کی روشنی میں نماز کے اوقات مقرر کئے گئے ہیں یقیناً اپنے اندر فراست کے بیش قیمت اور گراں قدر خزانے مستور کئے ہوئے ہیں۔ ان قوانین میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ نماز کی خوبیوں اور اثرات کا انحصار نمازیوں کی کمی و بیشی پر ہے۔ نمازیوں کی تعداد جتنی زیادہ ہوگی اتنا ہی نماز کا اثر زیادہ ہوگا۔

جہاں تک جسمانی صحت کا تعلق ہے نماز مسلمانوں کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ شریعت کی رُو سے وضو کرنے اور متعدد مرتبہ گھٹنوں کے بل کھڑا ہونے کے جو طریق مقرر کئے گئے ہیں وہ انسانی صحت کے لئے فٹ بال یا کرکٹ سے کہیں زیادہ مفید ہے۔ طاقت ور عربوں کی تنومندی کی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ پابندی وقت اور پورے خضوع و خشوع کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں۔ عرب جسمانی صحت اور بہادری کے لحاظ سے ہی دوسری اقوام پر فضیلت نہیں رکھتے بلکہ دماغی فراست کے اعتبار سے بھی انہیں اقوام عالم پر تفوق حاصل ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ نماز کی ادائیگی میں پابندی وقت کا پورا پورا خیال رکھتے ہیں۔ ممکن ہے بعض قارئین یہ خیال کریں کہ چونکہ سرزمین عرب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مولد و مسکن

ہے لہذا مضمون نگار نے وہاں کے باشندوں کی تعریف میں مبالغے سے کام لیا ہے۔
لیکن میں اپنے دعوے کی معقولیت ثابت کرنے کے لئے ذیل میں مشہور انگریزوں کے
اقوال پیش کرتا ہوں مسلمان مصنفین (خواہ وہ کتنے ہی عظیم المرتبت اور غیر جانبدار ہوں) کا حوالہ
دینے سے میں نے عمداً اور ارادتاً اجتناب کیا ہے۔

"کارلائل" نے اپنی تصنیف الموسومہ بہ "ہیرو" میں لکھا ہے:۔

"اہل عرب شریف النفس۔ چابک دست۔ بردبار، مستعد۔ ہوشیار اور تفکر پسند لوگ
ہیں۔ ان کی سیرت میں جوش اور سرگرمی کو کافی دخل ہے۔ وہ مضبوط جذبات کے لوگ ہیں
مگر قولاً یا فعلاً انہیں اپنے جذبات پر پورا قابو ہے۔ وہ کم گو اور خاموشی پسند نہیں بلکہ
جب تقریر کرنے پر اتر آتے ہیں تو فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیتے ہیں۔ وہ
صداقت شعار اور متانت پسند لوگ ہیں۔ نسلی اعتبار سے عرب اور یہودی ایک ہی
کنبے کے افراد ہیں۔ مگر عربوں میں نہ صرف یہودیوں کی سی مستعدی پائی جاتی ہے بلکہ وہ
ایسی شاندار اور دل خوش کن خصوصیات کے بھی حامل ہیں جو یہودیوں میں ناپید ہیں۔"

انسائیکلوپیڈیا کی جلد دوم میں عربوں کے متعلق ذیل کی سطور درج ہیں:۔

"عرب ایک خوبصورت قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے قد لمبے۔ اعضا لچکیلے جسم
سڈول اور بال سیاہ ہوتے ہیں۔ وہ صاف ستھرے رہنے کے عادی ہیں۔ اور پھر
شریعت اسلامیہ کی رو سے وضو اور غسل وغیرہ کی جو پابندیاں ان پر لگا دی گئی ہیں۔
انہوں نے ان کی اس خصوصیت میں اور بھی اضافہ کر دیا ہے۔ ان کی عادات بالکل
سادہ ہیں جن سے زہد و تقوی مترشح ہے۔ وہ بالعموم عمر طبعی کو پہنچتے ہیں اور بڑھاپے
میں بھی صحت اور تنومند رہتے ہیں۔ مختصر یہ کہ جسمانی اور اخلاقی اعتبار سے وہ صرف چند
اقوام سے پسماندہ لیکن دماغی اعتبار سے وہ اکثر اقوام سے سبقت لے گئے ہیں۔
علوم ریاضی میں عربوں نے خاصی ترقی کی ہے۔ ریاضی کی مشہور و معروف کتابوں کے
تراجم انہوں نے اپنی زبانوں میں کچھ ایسی خوش اسلوبی سے کئے کہ اصل مصنفین کو بھی پیچھے چھوڑ
گئے۔ دسویں صدی عیسوی میں انہوں نے علم مثلث میں کافی دسترس حاصل کر لی اور

مربع اور مکعب کی مساوات کو حل کرنے کا ملکہ حاصل کر لیا۔
ادب آرٹ اور سائنس کے لحاظ سے عربوں نے قدیم اور موجودہ تہذیبوں میں ایک خاص تعلق پیدا کر دیا۔ مفتوحہ ممالک میں انہوں نے جو کلچر مروج کیا وہ ان کے دور حکومت کے بعد بھی وہاں رائج رہا۔ عربوں نے نہ صرف مغربی یورپ میں فلسفہ اور علوم کی تجدید کا بیش قیمت کام انجام دیا بلکہ اقوام یورپ میں تحقیقی جذبہ پیدا کرنے کے بعد انہیں موت کی سی غنودگی اور کلیسائی تعصب سے بچا لیا۔ اس کے علاوہ ان ایجادات کا سہرا بھی بہت حد تک عربوں کے سر ہے جو بعد میں دوسری اقوام کے ہاتھوں تکمیل پذیر ہوئیں۔
مشہور تصنیف "رومن امپائر کا تنزل" میں مرقوم ہے کہ:
"کیمیائی سائنس (کیمسٹری) کا مخرج و مصدر اہل عرب کی کاوش ہے۔ انہوں نے اپنے شبینہ روز انہماک سے علم ہیئت کو معراج ترقی پر پہنچا دیا۔ مطالعہ کرنے والوں میں اس درجہ شوق تحقیق پیدا ہو چکا تھا کہ امرا کی سرپرستی میں عربی کتب کی تصنیف و تالیف کا سلسلہ ہر شہر میں جاری ہو گیا تھا۔ ایک فلاسفر کے متعلق روایت ہے کہ اس نے سلطان بخارا کی دعوت کو محض اسلئے ٹھکرا دیا کہ اس کی کتابیں لادنے کے لئے چار سو اونٹوں کی ضرورت تھی۔ "فیٹ مائیٹس" کی شاہی لائبریری میں ایک لاکھ کے قریب قلمی کتابیں موجود تھیں جنہیں نہایت محنت کے ساتھ نقل کیا گیا تھا۔ یہ کتابیں بغیر کسی معاوضے کے قاہرہ کے طلبا کو دے دی گئیں۔ اگر یہ یقین کر لیا جائے کہ بنو امیہ نے ہسپانیہ میں ایک لائبریری قائم کی تھی جس میں ۶ لاکھ کتابیں موجود تھیں اور ان کی فہرست چالیس جلدوں پر مشتمل تھی تو ایک مرکز کی تعداد اس کے مقابلے میں کچھ زیادہ نہیں۔
بنو امیہ کے دار الحکومت قرطبہ اور اس کے چند نواحی شہروں نے تین سو کے قریب مصنف اور ادیب پیدا کئے۔ اور سلطنت اندلسیہ کے شہروں میں ستر کے قریب لائبریریاں قائم کی گئیں۔
ایک اور انگریز مصنف کی مندرجہ ذیل سطور ملاحظہ ہوں:۔
"الحمرا کے درباروں کی تصاویر دیکھنے کے بعد قدرتی طور پر یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ کیوں

نہ اس مہذب و متمدن قوم کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے جس نے اس اسلامی حصار کو عربی آرٹ اور مشرقی شان و شوکت کا عدیم النظیر نمونہ بنا دیا تھا مشرقی دلفریبیوں کے اس جاذب نظر مسکن میں ہمیں ایک ایسا عدیم المثال اور خوبصورت محل نظر آتا ہے جو ایک بلند ترین اور مرصع تخت پر بیٹھی ہوئی ملکہ سے مشابہ ہے۔ ایک دنیا جانتی ہے کہ "الحمرا" وہی قصر شاہی ہے جو مور حکمرانوں کا مسکن تھا۔ یہ محل ایک ارضی جنت تھا جس میں زندگی ایک دل خوش کن خواب کی طرح گذر جاتی تھی"!

انگریز مصنفین کے مندرجہ بالا اقتباسات پیش کرنے سے میرا مطلب یہ ہے کہ عرب اقوام کی میں نے جو خصوصیات بیان کی ہیں اُن میں قطعاً کوئی مبالغہ نہیں۔ بلکہ جو کچھ لکھا گیا ہے وہ حقیقت پر مبنی ہے۔

اب میں پھر اصل موضوع پر آتا ہوں۔ بعض لوگ یہ استدلال پیش کرتے ہیں کہ چونکہ ہر دعا قبولیت و پذیرائی حاصل نہیں کرتی اور جو لوگ دُعائیں کرتے ہیں ان کی ضروریات بھی دعا کرنے والوں کی طرح پوری ہوتی رہتی ہیں اس لئے مناسب یہی ہے کہ اپنی تمام ضرورتوں کو اللہ تعالیٰ کی شان رزاقی پر چھوڑ دیں۔ یا دوسرے الفاظ میں دعا کرنا بالکل بے سود ہے۔ اس کا فوری جواب یہی ہے کہ دعا اُس بچے کے چیخنے چلانے کے مشابہ ہے جو کھلونے لیکر چپ ہو جاتا ہے۔

اب ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ ہر دعا کیوں قبول نہیں ہوتی میں اس سوال کے جواب میں "ڈین مرگن" کا مندرجہ ذیل قول پیش کرتا ہوں اگر ماں باپ سے یہ پوچھا جائے کہ کیا تم اپنے بچوں کو کوئی چیز دینے سے انکار کرو گے تو شاید وہ اس کا یہ جواب دیں گے کہ ہرگز نہیں لیکن اگر یہ پوچھیں کہ کیا تم اپنے بچوں کی کوئی ایسی خواہش پوری کرو گے جو اُن کی تباہی پر منتج ہو تو وہ اس کا جواب یقیناً یہی دیں گے کہ ہرگز نہیں۔

اس کے بعد ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دنیا میں بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جن کے لئے ہمیں دعائیں کرنی چاہیئے۔ اس تے ہم خدا سے ان کی توقع نہیں کر سکتے۔ پس بعض دعاؤں کی عدم پذیرائی کا سبب معلوم کرنے میں کوئی دقت نہیں"!

اسی فاضل مصنف کی کتاب کے چند ایک اقتباسات ذیل میں درج کرنا موزوں ہوگا

"عبادت میں قبولیت کی ایک اور وجہ بھی ہوتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ عبادت گزار کے دل میں یقین بالکل نہیں ہوتا جس دعا میں یقین شامل نہ ہو وہ کوئی اچھا نتیجہ پیدا نہیں کرتی۔ بالفاظ دیگر ہونٹ خدا کے نزدیک اور دل اس سے دور تر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ قیام و قعود اور دعا ہی عبادت نہیں اگر حضوریٔ قلب نہ ہو تو نماز کی فوز و فلاح کا باعث نہیں ہوتی۔ ہمیں یہ تسلیم کر لینا چاہیئے کہ دس میں نو معاملوں میں واقعہ یہ ہوتا ہے کہ ہم جس کی دعا کرتے ہیں خدا اُسے قبول فرماتا ہے۔ کسی عجیب و غریب طریقے سے نہیں بلکہ اسی طریقے سے جو ہماری مراد ہوتی ہے۔"

"بعض معترضین نے نماز کی سختی سے پابندی اور اس کے بار بار واقعہ ہونے پر اعتراض کیا ہے۔ لیکن انہیں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ نماز روح کے لئے مادی غذا سے زیادہ ضروری ہے۔ ہم دن میں کتنی بار کھاتے پیتے ہیں۔ اگر غذا کے معاملے میں بار بار کھانے اور صفائی کو ملحوظ رکھنے کا قاعدہ بجا ہے تو یہی قاعدہ نماز پر عائد کیا جا سکتا ہے۔"

اسلام!

از قلم جناب مولانا آفتاب الدین احمد صاحب

واقعات کی یہ ایک دلچسپ مطابقت ہے کہ ہم جبکہ اسلام کی روحانیت پر کچھ سپرد قلم کر رہے ہیں تو پروفیسر آئنسٹائن انہیں دنوں نیویارک میں منعقد ہونیوالی سائنس فلسفہ اور مذہب کی کانفرنس میں مذہب کے چند اہم مسائل پر تبصرہ کر رہے ہیں اور مزید برآں ہم جو کچھ اپنی پچھلی قسط میں قارئین کرام کی خدمت میں پیش کر چکے ہیں اس تبصرے میں ان خیالات پر روشنی پڑتی ہے ہمیں توقع ہے کہ مذہب پسند حضرات اب اس مرحلہ سے گذر چکے ہیں جہاں کسی سائنسدان کی راستے زنی اُن کے دماغ میں مذہب سے تنفر پیدا کر سکتی ہے۔ ہمارے ہر روز کے تجربات نے ہمیں اس امر کا عادی بنا دیا ہے۔ ہماری یہ خواہش خواہ کتنی ہی قوی کیوں نہ ہو کہ علم کے مختلف شعبوں میں کمال رکھنے والے لوگ اپنی تگ ودو کو اپنے مخصوص دائروں تک ہی محدود رکھیں لیکن وہ ایسا نہیں کریں گے۔ یہ لوگ علم الارض اور علم الہیئت کے مسائل میں بھی حکم کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ جب بھی کسی شخص نے مشاہدات کی بنا پر کوئی نیا نظریہ قائم کیا تو اس نے فوراً ہی اس سے پہلے مذہبی نظریئے کی صداقت کو چیلنج کر دیا۔ مذہبی رہنماؤں نے بجائے اس کے کہ وہ اپنی مقدس تحریروں کی تشریحات پر نظر ثانی کر کے انہیں نئے نظریوں سے ملائیں اپنی ناواقفیت کی وجہ سے اور خود کو اٹل نظریوں کا مالک سمجھتے ہوئے سائنسدانوں کو طاقت سے خاموش کرانے کی کوشش کی اور یہ شاید انہی مذہبی رہنماؤں کے گناہوں ہی کا خمیازہ ہے کہ اب ہمیں مذہب کے معاملات میں سائنسدانوں کی معقول و نامعقول دخل اندازی کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔

پروفیسر آئنسٹائن نے کوئی نیا مسئلہ نہیں چھیڑا۔ اُن کے سوالات وہی فرسودہ سوالات ہیں جو نقاد (Rationalists) عیسائیت کے اُس دور سے اٹھاتے چلے آئے ہیں جب سے عیسائیت نے (Rationalists) کو برطرف کرنا شروع کیا۔ یہی وہ

سوالات جن کا جواب دیتے وقت پیران کلیسا بعض گھبرا جایا کرتے تھے۔
شروع میں ہی پروفیسر صاحب شخصی خدا کے تصور پر نکتہ چینی کرتے ہیں یعنی ایک ایسا خدا جو انسان کی دعاؤں پر قدرت کے بندھے ٹکے قوانین میں دخل دینا شروع کر دیتا ہے۔ ہم اُن کے اصلی الفاظ پیش کرتے ہیں:۔
"سائنس اور مذہب کے موجودہ تنازعوں کا سرچشمہ شخصی خدا کا تصور ہے۔ سائنس کا مدعا یہ ہے کہ زمان و مکان کے اندر اشیا اور واقعات کے باہمی تعلقات کے اندازہ کے لئے قوانین مرتب کئے جائیں۔ ان قوانین یا قوانین قدرت کے لئے حقیقی صداقت مطلوب ہے چنانچہ یہ ثابت نہیں ہوتے۔ سائنس کا یہ ایک پروگرام ہے اور اس پروگرام کے پورا کرنے کے بارے میں جو یقین سائنسدانوں کے دلوں میں جاگزین ہے اصولی طور پر چند جزوی کامیابیوں پر مبنی ہے۔ لیکن کوئی ایسا شخص نہ ہوگا جو ان کامیابیوں سے انکار کرتا ہو اور انہیں انسان کی خود فریبی پر محمول کرتا ہو۔
زیادہ پکی بات کے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ قدرتی کرشموں میں بہت سے عناصر کام کرتے ہیں اسلئے سائنس کے طریقے ہمیں اکثر اوقات کسی منزل پر نہیں پہنچاتے بمثال کے طور پر موسم ہی کو لیجئے۔ چند دن پیشتر موسم کے بارے میں پیشگوئی کرنا ناممکن ہے۔
اُسی شخصی خدا کا اعتقاد جو قدرتی واقعات میں دخل انداز ہو سکتا ہے صحیح معنوں میں سائنس سے جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ کیونکہ یہ اعتقاد ان مقامات میں پناہ ڈھونڈ لیتا ہے، جہاں ابھی سائنس کا قدم نہیں پڑا۔ لیکن مذہب کے نمایندوں کی جانب سے اس قسم کا رویہ نہ صرف نامناسب ہے بلکہ تباہ کن بھی ہے کیونکہ ایک ایسا اعتقاد جو اپنی ہستی یعنی طور واضح انداز میں قائم نہیں رکھ سکتا لامحالہ بنی نوع انسان کی آنکھوں میں قدر و منزلت کھو بیٹھے گا اور زیادہ موثر نہ رہنے کی صورت میں انسانیت کی ترقی کو بے اندازہ نقصان پہنچانے لگے گا"
پروفیسر صاحب معلوم ہوتا ہے ایک غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ سچا مذہب کبھی یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ قدرتی کرشموں اور حادثات کی دنیا کو محض دعاؤں ہی کے بل بوتہ پر فتح کیا جا سکتا ہو۔ دعا صرف

نے انسان کے دل کے اندر اپنی ہستی کے بارے میں ایک خاص ذوق پیدا کر رکھا ہے۔ اس اعتبار سے خدا اُن لوگوں کے نزدیک ایک سرد سائنسدان ہی نہیں بلکہ ایک زندہ حقیقت ہے جس کی سپرٹ انسانیت کے شعور کے اندر اپنا سچا گیان پیدا کر دیتی ہے۔ اور یہ سپرٹ نہ صرف انسان کی اخلاقی اور تمدنی جدوجہد کے بارے ہی میں بلکہ اس کی انفرادی ہستی کے اندر باوجود سائنسدانوں کے انکار کے حیرتناک ثابت ہو رہی ہے۔

بارشوں۔ دریاؤں اور سمندروں کے جوار بھاٹوں پر بھی دعائیں اثر انداز ہو سکتی ہیں یعنی یہ کہ خدا اُن امور میں بھی دخل دے سکتا ہے لیکن قدرتِ خداوندی کا یہ کرشمہ سائنسدان کے دریافت کردہ قوانین فطرت کو ٹھکرا کر عملی صورت میں نمودار نہیں ہوتا بلکہ چند ایسے قوانین کے تحت میں عمل پذیر ہوتا ہے جو ان قوانین سے ارفع تر ہیں اور جن کے سامنے انسان کے دریافت کردہ قوانین محض تفصیلات کی حیثیت رکھتے ہیں یہ درست ہے کہ انسان کا علم روز بروز وسیع ہوتا جا رہا ہے اور وہ کائنات کے بارے میں پہلے کی نسبت زیادہ جان چکا ہے لیکن مذہب کا دعویٰ ہے کہ انسان کبھی مکمل علم حاصل نہ کر سکیگا۔ جب کبھی انسان محسوس کریگا کہ اس نے سب کچھ معلوم کر لیا ہے تو اسے اُس وقت معلوم ہو گا کہ اُسکے پلے کچھ نہیں پڑا اور اُس نے جو کچھ حاصل کیا ہے وہ علم کا ایک ہلکا سا پر تو ہے۔ یہاں آکر انسانی ادراک کی اُس شکست کا سوال پیدا ہوتا ہے جس پر کہ ہم دیر سے بحث کر رہے ہیں۔ سچا مذہب قوانین فطرت کی دریافت کے معاملے میں انسان کو بے حوصلہ کرنا نہیں چاہتا چہ جائیکہ وہ علم کو شجرِ ممنوعہ قرار دیدے۔ بلکہ بخلاف اس کے اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے سائنٹیفک تحقیقات کا دروازہ کھولا ہے۔

مذہب بہرکیف اس امر کا مدعی ہے کہ انسان جو بھی علم حاصل کر سکیگا وہ مشروط و محدود سا ہو گا خواہ اُسے وہ علم کتنا ہی صحیح اور اصلی نظر آئے۔ اصلی علم اسی خالق حقیقی کو ہے جو واقعات کی رفتار میں ہر لحظہ ایک گونہ دلچسپی لے رہا ہے تاکہ انسان بغیر رُکے اپنی روحانی منازل طے کرتا چلا جائے۔

خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

(مینیجر)

اسلام اور علمائے مغرب

(از قلم ایم۔ وائی۔ خاں)

(گذشتہ سے پیوستہ)

مغربی مصنفین کی اکثریت احادیث سے بے خبر ہے۔ تحقیق حق کے متعلق ان مصنفین کا طریقہ مسلمانوں سے بالکل مختلف ہے۔ مسلمان پہلے تو یہ معلوم کرنے کی کوشش کرے گا کہ آیا حدیث معیارِ صداقت پر پوری اترتی ہے یا محض داستان طرازی کے سلسلہ کی کڑی ہے۔ ناقابل اعتبار ہے یا ضعیف؟ مسلمان اس امر کا یقین بھی حاصل کرنے کی کوشش کرے گا کہ اس کے راوی کس حد تک لائق اعتبار اور مستند ہیں۔ وہ راویوں کے علم و فضل اور عمل پر بھی نظر ڈالے گا۔ وہ صرف ان لوگوں کی بیان کردہ احادیث کو شائستہ اعتماد خیال کرے گا جنہوں نے شاذونادر ہی یہ غلطی کی ہو۔ جن کا تدین و تقویٰ ناقابلِ انکار ہو۔

اس کے برعکس مغربی مصنف ہر ایک قسم اور ہر ایک درجہ کے آدمی کی احادیث کو قبول کرے گا صرف اس شرط کے ساتھ وہ احادیث محتاط انداز میں وضع کی گئی ہو۔ اور درمیانی کڑیاں صفائی سے جوڑی گئی ہوں صرف یہی نہیں مغربی مصنف مجہول الحال لوگوں کی احادیث کو بھی قبول کرے گا۔ اس اختلاف خیال نے اکثر مغربی مصنفین کی کتابوں پر اثر ڈالا ہے۔ غلط معروضات سے ہمیشہ غلط ہی نتائج مستنبط ہوتے ہیں۔ جن بے بنیاد حوالوں کی وجہ سے غیر ملکی مصنفین اور معاند ناقدین نے شدید و صریح غلطیوں کا ارتکاب کیا ان کو مذہب کے حقیقی اصول نہیں سمجھ لینا چاہیئے۔ ممتاز علما بھی وسعت علم کے باوجود اس طرح غلطیوں کا ارتکاب کر سکتے ہیں جس طرح عامۃ الناس ہماری کتب قانون میں جو اصول اور فیصلے درج ہیں ان میں کچھ معتبر و ثوق اور اغلاط سے پاک ہیں اور کچھ غیر صحیح۔ تحقیق کرنیوالوں کا فرض ہے کہ ایک قسم کو دوسری سے ممیز کریں اور کسی غلطی کو جو پائی جائے اسلام کے ساتھ منسوب نہ کریں۔ بلکہ ان علماء اور فضلاء کو الزام دیں جنہوں نے ایسے غلط نتائج اخذ کئے اور یہ حضرات کسی طرح آئمہ اربعہ پر فضیلت نہیں رکھتے۔ آئمہ اربعہ کی رائے ہے کہ اگر ہمارا کوئی فیصلہ یا نظریہ قرآن اور احادیث کے خلاف ہو تو اسے مسترد کر دیا جائے۔ آئمہ اربعہ کا یہی عقیدہ تھا۔ انہوں نے اپنے اعلیٰ نظریوں کے باوجود قرآن اور احادیث سے رجوع کرنے

کی سفارش کی۔ امام ابو حنیفہ نے جو ان فقہا میں سے ہیں۔ اعلان کیا کہ جب تک کوئی معتبر رائے معلوم نہ ہو اس وقت تک میری رائے کو بہترین نہ سمجھا جائے۔ امام مالک کی رائے تھی کہ پیغمبر کے سوا ہر ایک شخص اصول قائم کرنے میں غلطی کر سکتا ہے۔ امام حنبل کی رائے ہے کہ صرف میرے ہی بیان پر حصر نہ کیا جائے بلکہ قرآن اور احادیث سے تطابق کرنا بھی ضروری ہے۔ امام شافعی نے اپنے ایک شاگرد ابراہیم کو نصیحت کی کہ صرف میری رائے پر مدارنہ رکھنا بلکہ قرآن اور احادیث کی روشنی میں کسی مسئلہ پر خود بھی رائے قائم کرنا اسلئے کہ پیغمبر کے سوا ہر شخص سے غلطی سرزد ہونے کا امکان ہے۔

عیسائیوں کی روش ریورینڈ جان ای میرل پی۔ ایچ ڈی کے اس بیان سے اچھی طرح واضح ہو سکتی ہے۔

"تاریخی طور سے عیسائیوں کی غالب روش اسلام کے متعلق ایسی تھی جو ایک دشمن کی دوسرے کے ساتھ ہوتی ہے۔ عیسائیوں نے کہیں محض رقابت سے کام لیا ہے کہیں حفاظت خود اختیاری کا حق استعمال کیا ہے۔ کہیں استہزا کیا ہے کسی جگہ مذمت کی ہے اور کہیں مسلح حملہ عیسائیوں کو جہاں اسلام کی طاقتوں کا سامنا تھا وہاں ان کی روش مستور تھی اور دوسری جگہ مکشوف۔"

اسلام کے ساتھ عیسائیوں کی یہ ڈھکی یا کھلی عداوت کسی ایک ملک یا ایک قوم تک محدود نہ تھی۔ نام نہاد مہذب عیسائی حکومتوں کی سرپرستی میں معاندانہ پروپیگنڈا کیا گیا۔ زہریلا مواد پیدا کیا گیا۔ کذب و افتراء کے پلندے شائع ہوئے اور اسلام کے خلاف نفرت پیدا کرنے کے لئے ان خرافاتی طوماروں کو تقسیم کیا گیا۔ کورانہ مذہبی جوش اور نسلی منافرت ان کے تمام کردار سے ہویدا تھا۔ ان کی تحریر و تقریر، ضرب الامثال اور محاورات میں اسلام کے ساتھ عناد کا رنگ جھلکتا تھا۔ اس طرح اسلام یورپ میں غلط رسائل، جاہل مصنفین اور متعصب مؤرخین کے ذریعہ پہنچا۔ ایسے سیاست دانوں نے اسلام پر طبع آزمائی کی جو کسی دیانت داری سے کسی سبب سے صحیح نتیجہ نکالنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے۔ مغرب کی افق جہالت اور عداوت کے جو تاریک بادل محیط تھے اس عہد کی تصانیف میں بھی ان کا رنگ نظر آتا ہے۔ مغربی علماء اور فضلاء نے شرع اسلام تاریخ فلسفہ اور تاریخی حالات کا مطالعہ کیا۔ اور سائنس فنون لطیفہ اور ادب پر عبور حاصل کرنے کے بعد تحقیق سے خاص شغف ظاہر کیا۔ عربی کی کثیر التعداد کتابوں کے تراجم مغربی زبانوں میں شائع ہو چکے ہیں اور اب اہل مغرب کو مشرق کی ثقافت سے روشناس ہونا نسبتاً سہل ہے نادر اور کم یاب تاریخیں مشرق میں

شائع ہو چکی ہیں۔ اور بڑے بڑے اسلامی علاقے بلا واسطہ یا بالواسطہ مغربی طاقتوں کے تسلط میں آگئے ہیں۔ لیکن ان امور کے باوجود جہالت کی تاریکی چھائی ہوئی ہے اور باطل کے انبار سے حق کا نکالنا بدستور دشوار ہے۔ چرچ نے پیغمبر اسلام اور اسلام کے تمام اداروں کے متعلق دشنام آمیز بحث اور ناز یبا زبان استعمال کرنے میں بھی نمایاں حصہ لیا جب تک چرچ والوں کا اقتدار کارفرما تھا اس وقت تک ان لوگوں نے اسلام اور مسلمانوں سے سخت انتقام لیا۔ اس طرح اسلام یورپ میں پیش ہوا لیکن مسخ شدہ صورت میں۔ ہنری ڈی کیسٹری اس باب میں رقمطراز ہے:۔

"عہد وسطیٰ میں اسلام کے متعلق مغرب میں جو عجیب قصے اور گیت مشہور تھے مسلمانوں کے جذبات ان کے متعلق کیا ہوں گے؟ اسلام سے ناواقفیت کے باعث یہ افسانے اور گیت سراسر نفرت اور عناد سے بھرے ہوئے۔ اور یہ تمام غلطیاں معلومات کے ان غلط ذرائع کے باعث ہوئیں جو آج بھی موجود ہیں۔

جب یہ دیکھا گیا کہ پادری صاحبان اقوام کے صحیح اور ارتقا میں سد راہ ہیں اور توہم پرستی کم ہوئی تو عوام نے ان مقدسین کی اطاعت کا جوا اتار پھینکا لیکن جب کسی سیاسی حلقہ میں آگ لگی تو مذہبی جوش کی صرف ایک چنگاری اس آگ کو بھڑکانے کے لئے کافی ہو گی جو راکھ میں دب چکی تھی پیغمبر اسلام قرآن اور ان کی تعلیمات پر بیرحمانہ حملے کئے گئے۔ مارگولیتھ اس باب میں رقمطراز ہے کہ

"سرزمین مغرب پر اسلام کو مطعون کرنے کی یہ کوشش جاری رہی یہاں تک کہ حقیقی تاریخ کے تمام ابواب گھڑی ہوئی کہانیوں میں تبدیل ہو گئے۔ اس طرح اسلام کو ایسے بھیانک رنگ میں پیش کیا گیا کہ گویا وہ کوئی سخت ڈراونی اور کریہ المنظر چیز ہے۔ پادریوں نے اندھے جوش میں قرآن مجید سے وہ باتیں منسوب کیں جو اس میں مذکور تھی۔ اور وہ برائیاں اسلام سے منسوب کیں جنہیں اس نے کامیابی سے مٹا دیا تھا۔ مثلاً کثرت ازدواج رہبانیت۔ غلامی۔ مقدس لڑائیاں اور جزیہ مذکورہ بالا عنوانات پر مشہور مصنفین نے اسلام کے خلاف بہت کچھ لکھا ہے۔ میں آئندہ جزیہ کے عنوان پر ایک مضمون میں یہ واضح کروں گا کہ اس ٹیکس سے رسول خدا کی وسعت قلب اور مخلوق پر حد سے بڑھی ہوئی شفقت ظاہر ہوتی ہے"۔۔۔۔۔ ؛

محمد (صلعم) کے خیالات آیندہ زندگی کے متعلق[1]

{از جارج لنڈ سے جانسن ایم۔ بی۔ بی سی۔ ایف۔ آر۔ سی۔ ایس}

میں نے مولینا محمد علی صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل بی کے انگریزی ترجمۃ القرآن کو بغور مطالعہ کیا ہے، اور میں نے اس مفہوم سے بالکل مختلف پایا ہے جو عیسائیوں نے بیان کیا ہے، یہ صاحب محمد رسول اللہ (صلعم) کے حالات کو سب سے بڑھکر فاضلانہ طریق سے بیان کرتے ہیں اور جو کچھ وہ مذہب اسلام کے متعلق بیان کرتے ہیں وہ قابل اعتبار سمجھکر قبول کر لینا چاہیئے، اکثر مسیحی اصحاب نے مذہب اسلام کے متعلق جس جہالت کا اظہار کیا ہے وہ نہایت افسوسناک ہے، وہ اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ ایک ایسا مذہب جس کو نسل انسانی کا چھٹا حصہ قبول کرتا اور اس کی پیروی کرتا ہے۔ اس میں بہت کچھ اچھی باتیں ہونی چاہئیں اور اس کی بنیادیں بہت مضبوط ہونی چاہئیں کیونکہ یہ خیال کرنا بیوقوفی ہے، کہ اس قدر کثیر مخلوق کا مذہب ہو اور اس کی بنیادیں مضبوط نہ ہوں محمد رسول اللہ (صلعم) ہی ایک انسان تھے جو اس زمانہ میں ایک ہی خدا کو مانتے اور اس کی عبادت کرتے تھے، آپ نے اس بات پر زور دیا کہ راستبازی ہی ایک چیز ہے جو انسان کی نیک چلنی، فرض شناسی اور حی وقیوم خدا سے اکثر دعائیں کرنے اور تمام دوسرے لوگوں کی عزت وعظمت عدل و انصاف اور سب پر رحم کا موجب ہے، آپ منشیات سے کامل پرہیز کرتے، سب چیزوں میں اعتدال روا رکھتے اور ہر قسم کے علوم کو عزت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے، لیکن جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں، آپ کی باتیں جلد ہی بھلادی گئیں اور آپ کی وفات کے بعد جلد ہی ان کو بگاڑ دیا گیا، محمدؐ رسول اللہ ایک روحانی آدمی اور نفسیات کے بہت بڑے ماہر تھے، اور آپ کے سچے اور راستباز ہونے میں مجھے کوئی شک وشبہ نہیں نہ اس بات میں کوئی کلام ہے کہ آپ عالم آخرت کی روحانی مخلوقات سے ہمکلام ہوتے اور الہام پاتے تھے"!

قرآن کریم کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کو بحیثیت مجموعی سمجھا جائے اور

[1] بہ اجازت "دی ورلڈز" مانچسٹر مورخہ ۱۰ اگست سنہ ۱۹۴۱ء۔ محترم مقالہ نگار ایک غیر مسلم ہیں۔

ایک رکوع کا دوسرے رکوع سے مقابلہ کیا جائے اس طریق سے جس قدر زیادہ اس کتاب کو مطالعہ کیا جائے اسی قدر اس کا مفہوم صاف ہوتا چلا جاتا ہے، وہ بہت سی خلاف عقل باتیں جو مسیحی لوگ ہمیں یقین دلاتے ہیں کہ قرآن کے اندر ہیں، خود محمد رسول اللہ (صلعم) کے منہ سے کبھی نہیں نکلیں اور نہ ہی قرآن کریم کے صحیح ترجمہ میں پائی جاتی ہیں، وہ فی الحقیقت آپؐ کے بہت بعد ایجاد ہوئیں، جب حضرت نبی کریم (صلعم) کے اصل مذہب کو بگاڑ کر کچھ کا کچھ بنا دیا گیا۔ بعینہٖ اسی طرح سے جناب مسیح کے ارشادات کو پہلی دو صدیوں کے بعد جب ۳۲۵ء میں قسطنطین کے عہد میں مسیحی مذہب کو حکومت کا مذہب قرار دیا گیا بگاڑ اگیا تھا۔

چونکہ قرآن کریم کا حرف حرف اسی وقت جب وہ نازل ہوا حفظ کر لیا گیا، اور لکھ لیا گیا اس لئے اس کے بھول جانے یا گم ہو جانے کا کوئی امکان باقی نہ رہا، قرآن کریم کے سوائے کوئی دوسری کتاب دنیا میں نہیں جس نے کسی زبان کو تیرہ صدیوں تک زندہ رکھا ہو لیکن اس سے بھی بڑھ کر زبردست بات یہ ہے کہ جبکہ ازمنہ متوسط میں مسیحی مذہب اپنے بانی کے بلند اصولوں سے گرتا چلا جا رہا تھا اس وقت موروں کی مسلمان قوم بحیرہ روم کے تمام کناروں پر بالخصوص ہسپانیہ کے ملک میں اس وقت تک کہ چارلس مارٹل نے ۷۳۲ء میں ٹورز کی جنگ میں انہیں شکست دیدی، تہذیب تمدن اور علمی ترقیات کے رہنما بنے ہوئے تھے علم ریاضی، علم ہیئت، فزکس اور علم طب سب نے بہت بڑی ترقیات حاصل کیں۔ اور دنیا بھر کے تمام بڑے بڑے فلاسفروں اور مفکرین کی توجہات ان لوگوں کے عجائب خانوں اور لیکچر ہالوں کی طرف منعطف ہو گئیں اب ہم اس بات کی طرف آتے ہیں کہ نبی (صلعم) نے روحانیات کے متعلق کیا کچھ کہا ہے، ایک موقعہ پر عیسائیوں کو مخاطب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان عدل و انصاف سے کام لوں خدا ہمارا بھی ہے اور تمہارا بھی، ہم اپنے اعمال کی جزا پائیں گے اور تم اپنے اعمال کا بدلہ پاؤ گے اور موقع پر فرمایا ہے اٰمنا بالذی انزل الینا وانزل الیکم والٰھنا والٰھکم واحد۔ ہم ایمان لائے اس پر جو ہماری طرف اتارا گیا اور تمہاری طرف اتارا گیا اور ہمارا خدا اور تمہارا خدا ایک ہی ہے (سورۃ ۲۹: ۴۶)

قرآن کریم کے رو سے موت ہماری شخصیت اور شعور نفسی کو ختم نہیں کر دیتی۔ بلکہ صرف ایک

بلند زندگی کا دروازہ کھول دیتی ہے محمد رسول اللہؐ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے افرأیتم ما تمنون ءأنتم تخلقونه ام نحن الخالقون. نحن قدرنا بینکم الموت وما نحن بمسبوقین علی ان نبدل امثالکم وننشئکم فی ما لا تعلمون . کیا تم نے زندگی کے جرثوم پر غور کیا؟ کیا تم نے اس کو پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں؟ خدا تعالیٰ نے تم میں موت کو مقرر کیا ہے تاکہ تمہارے اخلاق و اوصاف کو بدل دے اور تمہیں ایسا نشوونما دے کہ تم جانتے بھی نہیں (الواقعہ ۵۶-۵۸-۶۰)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیا میں انسان کی زندگی کوئی مقصد رکھتی ہے اور وہ ایک بلند تر زندگی کو حاصل کرنا ہے؛

آپ نے بتایا ہے کہ بہشت اور دوزخ کوئی عیش و آرام اور دکھ و عذاب کی جگہ نہیں جو محض موت کے بعد انسان کو مل سکتی ہے بلکہ یہ ایسی چیزیں ہیں جو یہاں بھی مل سکتی ہیں۔ محمد رسول اللہ صلعم نے ہمیں بتایا ہے کہ ایک نئی دنیا ہمارے سامنے ہے جس کے سامنے اس دنیوی زندگی کی ترقی کوئی حقیقت نہیں رکھتی، ومن اراد الاخرۃ... فاولئک کان سعیهم مشکورا جو شخص آخرت کو چاہتا ہو..... اس کی کوشش کا پھل دیا جائے گا، (سورۃ ۱۷، آیت ۱۹)

محمد (صلعم) نے نہایت صفائی کے ساتھ یہ بتایا ہے کہ نیکی اور بدی کی جزا و سزا کا قانون اس زندگی پر ویسا ہی اثر انداز ہے جیسا کہ عالم عقبےٰ کی زندگی پر، اس کا کامل مظاہرہ اس وقت ہوگا جب موت کے ذریعہ اس جسم کی کمزوریوں سے علیحدگی ہو جائے گی، گویا قرآن کریم کی رُو سے موت ایک نئی اور معتبر زندگی کا پیش خیمہ ہے،

پھر آنحضرت (صلعم) فرماتے ہیں، فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ جو کوئی ایک ذرہ بھر نیکی کرے وہ اس کو دیکھ لے گا اور جو کوئی ایک ذرہ بھر بُرائی کرے وہ بھی اس کو دیکھ لے گا، (سورۃ ۹۹: ۷-۸) اسلئے ہر نیک عمل کی جزا اور برائی کی سزا انسان کو ملے گی خواہ وہ ایماندار ہو یا نہ ہو، پھر آنحضرت (صلعم) نے یہ شاندار الفاظ ارشاد فرمائے کہ "اللہ تعالیٰ کے غیر محدود رحم اور محبت کی وجہ سے نیک کاموں کا دس گنا پھل ملے گا، اور برے کام سے جب کوئی شخص توبہ کرے تو، یا تو اسے نظر انداز کر دیا جائے گا یا اسے اتنا ہی بدلہ دیا جائے گا"! اس سے صاف ظاہر ہے کہ انسان تمام بدیوں کا جو اس سے سرزد ہوتی ہیں اپنے آپ کو سزاوار ٹھہراتا ہے

اور دوسروں کو بھی اسی دنیا میں دکھ میں مبتلا کرتا ہے کیا یہ وہی بات نہیں جو اللہ تعالےٰ کے تمام پیغامات میں ہمیں بتایا گیا ہے؟ آپ فرماتے ہیں:- وان علیکم لحفظین کراما کاتبین۔ یعلمون ما تفعلون - یقیناً تم پر محافظ مقرر ہیں جو بڑے معزز لکھنے والے ہیں وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو (سورۃ ۸۲: ۱۰-۱۲)

آنحضرت (صلعم) آیندہ زندگی کے متعلق کیا ارشاد فرماتے؟ آپ نے بتایا ہے کہ زندگی بعد الموت دو رنگ رکھتی ہے، ایک بہشتی زندگی ان لوگوں کے لئے ہے، جن کے اعمال میں نیکی بدی پر غالب ہوتی اور بڑھ جاتی ہے اور دوزخی زندگی ان لوگوں کے لئے جن میں بدی نیکی پر غالب اور بڑھی ہوتی ہے، "بہشت" کو عربی "فردوس" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے جس کے معنے ہیں ایک آراستہ مکان یا ایک پارک جہاں اونٹ یا پیدل چلنے والے مسافر سایہ کے نیچے آرام کریں اور کھانا کھائیں۔ مگر عام طور پر نیک لوگوں کی رہائش گاہ کو لفظ "جنت" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یا جنت تجری تحتھا الانھار- باغات جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ نہروں سے مراد ایمان ہے اور باغات سے مراد نیک اعمال ہیں جو انسان نے کئے یا کر رہا ہے۔

کیا یہ بعینہٖ وہی بات نہیں جو پولوس نے کہی "جو چیزیں نہ آنکھوں نے دیکھیں نہ کانوں نے سنیں نہ آدمی کے دل میں آئیں وہ سب خدا نے اپنے محبت رکھنے والوں کے لئے تیار کر دیں" (۱ کرنتھیوں ۲: ۹) بخاری میں ذیل کی روایت بعینہٖ اسی مفہوم کو ادا کرتی ہے جو پولوس کے الفاظ میں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:- "میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ چیزیں تیار کی ہیں جن کو کسی آنکھ نے نہیں دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی دل میں ایسا خیال پیدا ہوا، جہاں تک حوروں، پھلوں، چشموں، دودھ، شہد، تکیوں یا گدیلوں، تختوں اور جواہرات کا تعلق ہے جن کو قرآن کریم نے بہشت کے ذکر میں بیان فرمایا ہے، ان کے متعلق اتنا ہی بتا دینا کافی ہے کہ اس میں صرف ایسی چیزوں کو بطور ایک مثال بیان کیا گیا ہے، کیونکہ اس زمین پر یہی چیزیں ہمیں سب سے زیادہ پسندیدہ مرغوب معلوم ہوتی ہیں، یوحنا کے الہامات میں بھی مقدس شہر کے متعلق ایسا ہی بیان ہمیں ملتا ہے۔ علاوہ ازیں حضرت نبی کریم صلعم نے ہمیں بتایا ہے کہ عالم عقبےٰ کی زندگی میں وقت اور حقیقت نہیں رکھتے اور یہ وہ بات ہے، جو ہمارے زمانہ کے ماہرین نفسیات کے خیالات کے عین مطابق ہے۔

جب آنحضرت (صلعم) سے یہ دریافت کیا گیا کہ اگر بہشت کی وسعت تمام ارض و سما پر حاوی ہوگی تو دوزخ کہاں جائے گا، تو آپ نے جواب دیا کہ جب دن چڑھتا ہے تو رات کہاں جاتی ہے؟ اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ بہشت اور دوزخ کو صرف انسان کے ذہنی خیالات سے تعبیر کرتے تھے، اور انہیں فی الحقیقت دو الگ الگ مقامات نہیں سمجھتے تھے۔ یہ وہ بات ہے جو اُن تمام پیغامات کے مطابق ہے جو دوسری دنیا سے ہمیں پہنچتے ہیں۔ محمد (صلعم) نے فرمایا کہ بہشت اور دوزخ کے مابین صرف ایک پردہ حائل ہے۔ بہشت اور دوزخ اسلام میں کوئی جسمانی چیزیں نہیں جیسا کہ زمانہ متوسط کے تمام پادریوں اور راہبوں کا خیال تھا اور قریباً تمام مسیحی گرجوں کا آج کے دن تک یہی خیال چلا آتا ہے۔ مگر محمد (صلعم) کا یقیناً ایسا خیال نہیں،

بہشت اور دوزخ کے مسیحی خیال کو ڈانٹے نے اپنی نظم میں ظاہر کیا ہے، جس سے بڑھکر ان دونوں مقامات کا ہولناک بیان انسانی تصور میں نہیں آسکتا، مگر اس کے خلاف قرآن کریم نے ہمیں بتایا ہے کہ بہشت اور دوزخ ہماری دنیوی زندگیوں میں ہی پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس نے یہ بھی بتایا ہے کہ نیک آدمیوں کو سب سے بڑھکر خوشی اللہ تعالےٰ کے احکام کی بجا آوری اور اس کی حمد و ثنا میں ہوتی ہے، کیا یہ بھی ان پیغامات کے عین مطابق نہیں جو روحیں دوسری دنیا سے ہمیں بھیجتی ہیں۔ نبی کریم (صلعم) نے یہ بھی فرمایا ہے کہ فرشتوں کو کوئی رنج و اندوہ، کوئی تکان، کوئی بغض و نفرت نہیں ہوتی، بلکہ ان میں ہر جگہ محبت ہی محبت کی حکمرانی ہوتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ محمد (صلعم) کو ضرور دوسری دنیا کے الہام و پیغامات آتے تھے، اس کے سوا نے کوئی ایسی صورت نہیں جس سے ہم ان کے ارشادات اور ان پیغامات کو جو آج ہمیں دوسری دنیا سے آتے ہیں مطابقت کی وجہ بتا سکیں، دوزخ کے متعلق آنحضرت (صلعم) کے خیالات ان خیالات کے عین مطابق ہیں جو بہشت کے متعلق آپ نے ظاہر کئے ہیں، محمد (صلعم) نے کبھی یہ نہیں چاہا کہ ان کے پیروان پیغامات کا لفظی مفہوم لیں، دوزخ کے متعلق ان کا خیال یہ ہے کہ ان ناقابل تنسیخ قوانین کے ماتحت کہ ہر شخص کو اپنے کئے کا بدلہ ملنا چاہیئے دوزخ میں جانیوالوں کی روحانی بیماریوں کا جو انہوں نے اپنے اعمال سے پیدا کی ہیں علاج کیا جائے گا۔ محمد (صلعم) نے بتایا ہے کہ ایک نئی دنیا ہمارے سامنے ہے جس کے مقابلہ میں اس دنیا کی ترقیات کوئی حقیقت نہیں رکھتیں، ومن اراد الاخرۃ . . . فاولئک کان سعیھم مشکوراً ؛

اپنے مال کی بہترین حفاظت

یاایھا الذین اٰمنوا انفقوا مما رزقنٰکم من قبل ان یاتی یوم لا بیع فیہ ولا خلۃ ولا شفاعۃ والکٰفرون ھم الظٰلمون ۰

مندرجہ بالا آیت کریمہ کا مقصد تاریخ میں انسان کے فہم و احساس کے لئے اس سے قبل اتنے بیّن اور روشن انداز میں کبھی پیش نہیں ہوا۔ آج دنیا بھر میں جان و مال کے لئے کوئی امن کی جگہ نہیں رہی۔ وہ ممالک جو کل تک غیر جانبدارانہ انداز میں جنگ کا نظارہ کر رہے تھے آج خود اس کی لپیٹ میں آئے ہوئے ہیں۔ اگر ماضی کے آئینہ میں مستقبل کے دھندلے عکس نظر آ سکتے ہیں تو اس امر کے باور کرنے میں کوئی نامعقولیت نہیں کہ عنقریب تمام مہذب دنیا مغرب کے انتہائی نقطہ سے لیکر مشرق کے انتہائی نقطہ تک خود کو اس عالم سوز آگ کی لپیٹ میں پائیگی

محض ایک نظریئے کے طور پر تو ہم یہ مانتے ہیں کہ انسانی زندگی اور مال و متاع فانی اور ناپائدار ہیں لیکن جہاں تک عملی زندگی کا تعلق ہے یہ نظریہ ہماری نگاہوں سے قطعی طور پر اوجھل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فنا بتدریج اور آہستہ آہستہ وارد ہوتی ہے اور اس کے پہلو بہ پہلو پیدائش اور تعمیر نو کا ایک تسلسل قائم ہے۔ غیر معمولی حالات کے اندر جیسے جنگوں اور وباؤں کے دنوں میں ہوا کرتا ہے فنا کا عمل زیادہ واضح صورت اختیار کر لیتا ہے اور ہمارے لئے اس کا مشاہدہ ناگزیر ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس قسم کی ہیبت ناک مصیبتیں ہمیشہ بندے کو اس کے مولائے حقیقی کے قریب لے آتی ہیں۔

مسلمان دنیا بھر میں دوسری اقوام کے مقابلہ میں زیادہ مذہب پسند خیال کئے جاتے ہیں۔ لیکن گرد و پیش کے حالات کی وجہ سے اور ہمسایہ اقوام کی دیکھا دیکھی ان کے ہاں بھی دولت و ثروت کی محبت اور اس کی حفاظت کا خیال راہ پا گیا ہے۔ اور وہ مذہب سے بیگانگی اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ موجودہ جنگ کو اپنے خوفناک نتائج کے اعتبار سے ان کی سوئی ہوئی روح کے لئے ایک تازیانہ سمجھنا چاہیئے۔ اگر اُن کے دلوں سے ان کی صدیوں کی پرانی روایات کے

تاثرات فنا نہیں ہو چکے تو انہیں اس موقعہ پر انسانی زندگی کے کھوکھلا پن کو محسوس کرنے میں پیش پیش ہونا چاہیئے۔ اور انہیں خیالات انسانی میں مذہب کو بلند ترین مقام دینے کے لئے مصروف عمل ہو جانا چاہیئے۔

خوش قسمتی سے مذہب کی جانب دوبارہ پلٹ آنے کے لئے اُن کے پاس ووکنگ مسلم مشن کی صورت میں ایک مرکز موجود ہے مسلمانوں کو اچھی طرح یہ ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ مشن کا کام عیسائیت کے خلاف پراپاگنڈہ کرنا نہیں۔ بلکہ اس کا مقصد مادیت کے پنجوں میں اُلجھی ہوئی دنیا کے اندر خالص مذہبی زندگی کو پیدا کرنا ہے۔

یہ گمان کر لینا کہ ووکنگ مسجد محض ایک عبادتگاہ ہے یا مسلمانوں کے چند اعتقادات کو نشر کرنے کا ایک ادارہ ہے غلط ہے۔ یہ بلاشبہ اس سے بلند تر ہے ووکنگ مسجد ایک ایسا علم ہے جو مذہب نے لامذہبیت کے خلاف دنیا کی الحاد پرور سرزمین میں گاڑ رکھا ہے اس تیرہ و تار زمانے میں یہ علم بلند کرنا اسلام ہی کا حصہ ہے۔ ووکنگ مسجد وہ تابناک ستارہ ہے جس کی روشنی تاریخ عالم کے اس تاریک زمانے میں مسلمانوں کی رہنمائی کر رہی ہے۔ جُوں جُوں جنگ مسلمانوں کے روبرو مغرب کی ان خوشنما ملمع سازیوں کا بھرم کھول رہی ہے جنہیں مغرب نے سیاسیات، اقتصادیات اور سائنس کے خوش آئند نام دے رکھے تھے اور جن کے حصول میں اُس نے حیات انسانی کے بلند ترین مقاصد کو فراموش کر رکھا ہے تیوں تیوں مسلمانوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ووکنگ مشن کے مرتب کردہ پروگرام کو عمل کا جامہ پہنائیں۔

یہ بات جب ان کے ذہن نشین ہو جائے گی تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ ووکنگ مشن جتنا کہ اپنوں سے تعلق رکھتا ہے اُتنا ہی بیگانوں سے متعلق ہے مشن مذکور یہی سوچنے والوں کی زندگیوں کو اسلام کی وسیع اور مستحکم بنیادوں پر استوار کرتا ہے یہ مشن زندگی کو نئے ڈھب پر لانے میں اسلام کو موجودہ زمانے کی ضروریات کے نقطۂ نگاہ سے دیکھتا ہے اور پرانی طرز کے مسلمانوں کو عہد حاضرہ کے ساتھ ساتھ زندگی کرنے کے طریقے سکھلاتا ہے۔ زندگی کو اس معیار پر لانے کی ضرورت اُس وقت محسوس ہوگی جب موجودہ ہیجان و اضطراب مغرب کی سماجی زندگی کو درست نہ کر سکے گا اور دنیا ایک مرتبہ پھر مستحکم اور اخلاقی بنیادوں پر کسی نئے سماج کے لئے پکار رہی ہوگی

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ہماری موجودہ مذہبی زندگی، زندگی گذارنے کا کوئی اچھا طریقہ نہیں۔ اور یہ محض اس چیز کا نتیجہ ہے کہ ہم سماجی زندگی کی ضروریات کی روشنی میں اسلامی اصولوں کے سمجھنے میں بے حد سست واقع ہوئے ہیں۔ یا پھر یہ کہ ہم نے کچھ مدت سے یہ سمجھنا چھوڑ دیا ہے کہ بنی نوع انسان کی تقدیر اسلام ہی کی تقدیر سے وابستہ ہے۔ اسلئے اب نہ صرف مسلمانوں کی قوت عمل کے لئے نئے راستوں کی ضرورت ہے بلکہ مسلمانوں کے دلوں کے اندر اسلام کی تقدیر کے بارے میں نئے ایمان و ایقان کے پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ انہیں ضروریات کے پورا کرنے کو ووکنگ مشن معرض وجود میں لایا گیا ہے۔

لوگوں کے پاس روپیہ ہوتا ہے اور وہ اسے خرچ کرتے ہیں مسلمان بھی اگرچہ انکی اکثریت تہی دست ہے دنیا کے وسائل میں کچھ حصہ دار ہیں اور جب روپیہ انہیں بھی میسر آتا ہے تو یہ بھی خرچ کرتے ہیں۔ دنیا کے موجودہ حالات نے بہر کیف تمام املاک کو غیر محفوظ بنا دیا ہے جو کل لکھ پتی تھے آج گدائے بے نوا ہیں۔ جو کل تاج و تخت کے والی تھے آج دنیا میں انہیں سر چھپانے کی جگہ میسر نہیں آتی۔

اس امر کے جتلانے کی کوئی ضرورت نہیں کہ عالم کا یہ تہ و بالا ہونا ایک یاد دہانی ہے کہ دنیا کے تمام املاک اُسی مالک حقیقی کی ملکیت ہیں۔ اس نظریہ کی تہ میں جو خیال ہے اُسے سمجھنے میں تو اب غیر مسلموں کو بھی کوئی دقت نہیں رہی چنانچہ کسی قوم اور کسی فرد کے لئے مزید شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہی کہ مذہب کی خاطر سب کچھ خرچ کر دینا مناسب ترین فعل ہے۔ ان دنوں میں بہترین خرچ وہی ہے جو اُس مولائے کریم کے نام کو بلند کرنے میں خرچ کیا جائے۔ دنیا نہایت تیزی کیساتھ ایک قیامت کا منظر پیش کر رہی ہے تو کیوں نہ ہم اُسی کے نام کو اُچھالنے کی غرض سے جتنا بھی ہو سکے خرچ کریں اور اس حقیقت بلند کے احساس پر ایک نئی دنیا کی بنیاد رکھیں ووکنگ مشن کو جو کچھ بھی دیا جائے گا وہ چندہ نہیں ہوگا بلکہ بدامنی کے ان ایام میں بہترین تجارت ہوگی۔ ایسے دنوں میں کوئی قسم کبھی گرانقدر نہیں تصور کی جا سکتی۔

سرورِ کائنات کی حکومت

اِس کا قیام اور انتظام

از قلم جناب ڈاکٹر حمید اللہ صاحب (حیدرآباد دکن)

مندرجہ عنوان بحث پر روشنی ڈالنے سے پہلے چند امور صاف کرتے ضروری ہیں:۔
کیا آنحضرت صلعم حکومت قائم کرنی چاہتے تھے یا اس سے بھی کسی بڑے مطمح نظر کے حصول کے لئے حکومت کا قیام ایک ناگزیر چیز تھا، عام طور پر حکومت کے قیام کے ذرائع کیا سمجھے جاتے ہیں؟ آنحضرت صلعم کا ماحول جس میں حکومت قائم کی گئی کیا تھا؟

آنحضرت صلعم کا ماحول چودہ سو برس پہلے عرب کی سیاسی حالت کا عام نقشہ یہ تھا کہ گو عرب طبعاً ایک ہی ملک تھا، جغرافی، لسانی، نسلی یکجہتی موجود تھی، رسم و رواج یکساں تھے مگر کوئی متحد کرنیوالی مرکزی قوت موجود نہ تھی۔ ڈاکہ، لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا، جوا، زنا، شراب نوشی ہر قسم کی برائیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ (تفصیل صبح الاعشی از قلقشندی وغیرہ میں دیکھئے) خانہ جنگیاں عام تھیں جن کے باعث ساحلی سرحدی مقامات پر طاقتور ہمسایہ حکومتوں کی حمایتیں (Protectorates) قائم ہو گئی تھیں (۱)۔ ایک حصے پر رومن اثر تھا تو دوسری طرف ایرانی گرفت (۱) بھی تھی اور یہ اجنبی تسلط و نفوذ ہر قسم کے اثرات ڈال رہا تھا۔ چنانچہ ملک میں عیسائی مذہب کی تبلیغ ہو رہی تھی۔ عربی زیر حمایت حکومتوں میں شاہانہ طمطراق اور کر و فر پیدا ہو گئے تھے۔ مگر گورنر یمن ابرہہ حبشی کی تباہی کے بعد (جو عربوں کے روایات اور قومی معبد کو تباہ کرنے آیا تھا) (۲) یوم ذی وقار میں اجنبی استعمار کو ایک زبردست دھکا لگا تھا۔ جس سے عربوں کے ولولوں میں ایک خاموش محرک پیدا ہو گیا تھا اور وہ اپنی برتر قابلیتوں کو محسوس کرنا شروع کر چکے تھے۔ قسمت سے ان استعماری قوتوں (روم و ایران) میں مسلسل جنگیں ہوتی رہیں جس سے دونوں کمزور ہو گئے۔ قبیلہ واری حکومت تھی لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام

کی تعلیمات کے اثر سے ملک میں ایک طرح کی مرکزیت بھی تھی۔ چنانچہ سب عرب حج کو مکہ معظمہ آتے تھے۔
جہاں قریش اور قریش میں بھی عبد مناف کا خاندان سب سے با اقتدار تھا۔ حج اور دیگر میلے وحدت لسانی و

مملکتِ اسلامیہ بعہدِ نبوی

شمال
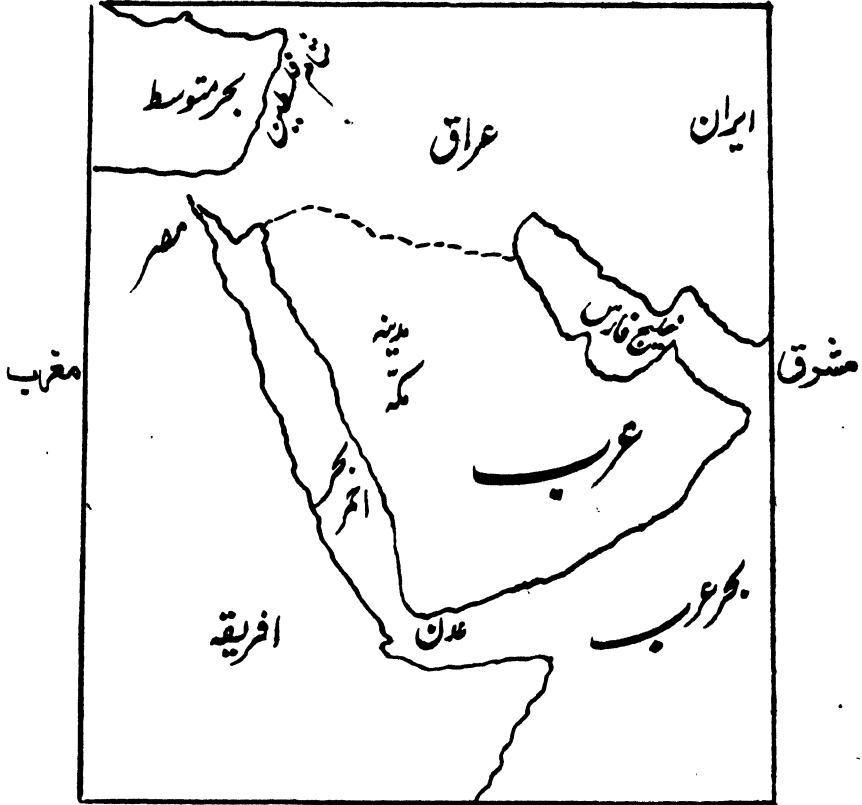
جنوب

خیالی میں بہت مددگار تھے۔ ان میں ایک طرح کی جمہوریت موجود تھی۔ دار الندوہ میں وقت ضرورت
ان کی "پارلیمان" کا اجلاس ہوتا تھا۔[۱] ان کے خطیب، سفیر، حکم یا ثالث، خزانہ دار وغیرہ بھی منتخب ہوتے
تھے۔[۱] ملک میں چپکے ہی چپکے ذہنیت ترقی کرتی رہی تھی اور بیرونی ممالک کے سفر وغیرہ سے ان کے
چند اعلیٰ تر دماغوں میں تلاشِ حق پیدا ہو گئی تھی۔ بعض لوگ شراب چھوڑ چکے تھے۔ متعدد لوگ بُت پرستی
سے خود کو دنفور ہو گئے تھے۔ موحدین بھی غیر موجود نہ تھے۔ انسانی قربانی بند ہو چکی تھی اور ایسی منت

کا معاونہ سوا وٹ مقرر ہو چکے تھے۔ "انسانیت پروری کا خیال پھیلنے لگا تھا۔ اور متعدد قبائل نے معاہدۂ "حلف الفضول" کے ذریعے ایک انجمن مظلوموں کی مدد کیلئے قائم کی تھی۔ غرض ہر قسم کی قابلیت ملک میں پیدا ہو چکی تھی کہ انہیں ایک متمدن اور منضبط قوم بنا کر ان کی عملی قوتوں سے کام لیا جائے۔ اور ساتھ ہی ہمسایہ اجنبی حکومتیں اوج کمال کو پہنچنے کے بعد تیزی سے روبہ انحطاط تھیں۔

ظہورِ قدسی ان حالات میں ۹ ربیع الاول ۵۳ھ قبل ہجرت (۲۰ اپریل ۵۷۱ء) کو مولانا شبلی کے الفاظ میں شاہ حرم، حکمرانِ عرب، فرمانروائے عالم شہنشاہ کونین، عالم قدس سے عالم امکان میں تشریف فرمائے عزت و اجلال ہوا اللہم صل علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم"۔

سرورِ کائنات کا مقصد رسالت عام طور سے تسلیم کیا جاتا ہے۔ اور اسکو باور نہ کرنیکی کوئی وجہ نہیں۔ آنحضرت صلعم کی پوری کوشش اور جدوجہد کا منشا فقط یہ تھا کہ "خدائے واحد ہی کا بول بالا ہو" اور ایک ایسی حکومت کا قیام عمل میں آئے جس میں ظلم معدوم ہو۔ ہر شخص اعتقاد کی کامل آزادی سے بہرہ ور ہو، دنیا سے بدامنی و فساد دور ہو، تاکہ ہر شخص کو اپنی قابلیت کے مطابق خدا کی پیدا کردہ چیزوں سے زیادہ سے زیادہ، استفادے کا موقع ملے۔ اور نیز محتاجوں کو ممکنہ حد تک حکومت کی جانب سے امداد دی جائے پس محمد رسول اللہ صلعم کا مشن اسی طرح پورا ہو سکتا تھا کہ تمام انسان ایک مذہبی و سیاسی معاشرے یعنی حکومت کے تحت لائے جائیں جس کے بغیر امن، انتظام اور خودداری ممکن نہیں۔ آپ کی مشن کے خالص مذہبی اغراض سے یہاں ہمیں بحث نہیں ہے۔

یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ ابتدائی دورِ رسالت میں اہل مکہ نے آنحضرت صلعم کو مال و دولت کی، حسین عورتوں کے ساتھ عقد کی اور امارت و حکومت کی چاٹ دی تاکہ آپ نبوت کے دعوے سے باز آ جائیں۔ مگر آنحضرت صلعم نے اسے ٹھکرا دیا اور کہا کہ اگر چاند سورج بھی مجھے توڑ کر لا دیئے جائیں تو میں تبلیغ حق سے باز نہیں آ سکتا۔ اس واقعے سے کم از کم اتنا ضرور ثابت ہو جاتا ہے کہ چالیس پچاس برس کی عمر تک آنحضرت صلعم کو دنیا کی کوئی خواہش نہ تھی۔ اس کے بعد بھی آپ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی اور بقیہ چند سالہ زندگی گو سیاسی واقعات سے پُر ہے لیکن آنحضرت صلعم آخر تک یہی فرماتے رہے کہ "میں مکارمِ اخلاق کے اتمام کے لئے بھیجا گیا ہوں اور بس"

(باقی آئندہ)

تفصیل آمد دی ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ عزیز منزل برانڈرتھ روڈ۔ لاہور

بابت ماہ جولائی ۱۹۴۱ء

رسید نمبر	تاریخ	اسمائے گرامی معطی صاحبان	پائی	آنہ	روپے
۶۲۲	۱ ۷/۴۱	جناب عطا آلہی صاحب	۰	۰	۵
۶۲۳	"	جناب پی احمدین صاحب	۹	۱۳	۱۳۹
۶۲۴	"	مالکان کولونی فلور ملز صاحبان	۰	۰	۳۰۰
۶۴۹	۴ ۷/۴۱	جناب شیخ منہاج الدین صاحب	۰	۰	۱۰
۶۴۷	"	جناب بشیر احمد صاحب	۰	۰	۳۰
۶۵۵	۷ ۷/۴۱	جناب ایم اے باقر صاحب	۰	۰	۵
۶۵۶	"	جناب سید عبدالحلیم صاحب	۰	۱	۳
۶۵۷	"	جناب عبدالکریم صاحب	۰	۰	۱۰
۶۵۸	"	جناب خان بہادر شمس الحق صاحب	۰	۰	۱۰
۶۶۵	"	جناب سلطان احمد صاحب سلطانی	۰	۰	۱۰۰
۶۶۹	۱۰ ۷/۴۱	جناب عبدالعظیم صاحب	۰	۰	۶
۶۷۲	"	جناب ابوالخیر صاحب	۰	۰	۱۰
۶۷۵		جناب قاضی رشید علی صاحب	۰	۰	۱۰
۶۸۴	"	جناب ایم مبین الدین احمد صاحب	۰	۰	۵
۶۹۰	۷/۴۱	جناب کرم الہی صاحب	۰	۰	۵
۶۹۱	"	جناب علی احمد خاں صاحب	۰	۰	۵
۷۰۱	۱۱ ۷/۴۱	جناب محمد اطہر الحق صاحب	۰	۰	۴
۷۸۰	۶	جناب محمد نور الحسن صاحب	۰	۰	۲۰

رسید نمبر	تاریخ	اسمائے گرامی معطی صاحبان	پائی	آنہ	روپے
۸۱۹	۱۸ ۷/۴۱	جناب عبدالحی صاحب	۰	۰	۵
۸۴۹	۱۹ ۷/۴۱	جناب انتظار علی صاحب	۰	۰	۲۰
۸۵۴	۲۱ ۷/۴۱	جناب ڈاکٹر اکبر خان صاحب	۰	۰	۳
۸۷۱	۲۲ ۷/۴۱	لفٹننٹ کرنل عبدالقادر صاحب	۰	۰	۲
۸۹۵	۲۸ ۷/۴۱	جناب سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون صاحب	۰	۰	۵
۹۲۲	۳۰ ۷/۴۱	جناب مرزا غلام صمدانی صاحب	۰	۰	۲۵
		فروخت اسلامک ریویو	۰	۳	۸۲۹
		" اشاعت اسلام	۰	۸	۴۲
		" ووکنگ گزٹ	۰	۴	۲۰
		" کتب	۹	۸	۳۰۷
		میزان کل۔ ۳ — ۶ — ۱۹۳۷			

تفصیل اخراجات ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ عزیز منزل برانڈرتھ روڈ۔ لاہور
بابت ماہ جولائی ۱۹۴۱ء

تفصیل اخراجات	پائی	آنہ	روپے
تنخواہ عملہ بابت ماہ جون ۱۹۴۱ء	۰	۱۱	۱۳۴
تنخواہ ایڈیٹر اسلامک ریویو ماہ جون ۱۹۴۱ء	۰	۵	۱۵۲
کرایہ گودام بابت ماہ جنوری، فروری، مارچ، اپریل، مئی، جون ۱۹۴۱ء	۰	۰	۴۲
کرایہ دفتر وکتب خانہ بابت ماہ اپریل، مئی، جون ۱۹۴۱ء	۰	۰	۱۱۴
Conveyance Allowance	۰	۰	۳۰
بابت چھپائی اسلامک ریویو بابت ماہ جون، جولائی، اگست، ستمبر ۱۹۴۰ء	۰	-	۴۰۰
خرید کتب	۰	۰	۱۰۰
دفتری برائے جلد بندی وغیرہ	-	۱۰	۵۷
بابت طباعت ٹریکٹ اپیل وریپرز اسلامک ریویو وغیرہ	۰	۰	۷۵
پروف ریڈنگ علی الحساب	۰	۰	۲۰
اخراجات مسجد ووکنگ	۰	۸	۶۸۲
آفس امپرسٹ بل بابت ماہ جون ۱۹۴۱ء بہ تفصیل ذیل			
محصول ڈاک از نمبر ۲۲۸ تا ۳۲۹	-	۶	۱۶۸

تفصیل اخراجات	پائی	آنہ	روپے
ترجمہ اشاعت اسلام	۰	-	۳۳
کتابت " "	۰	۱۳	۱۷
سرورق برائے اشاعت اسلام	-	۶	۱۱
تار	۰	۱۱	-
خرید کتب برائے فروخت	۳	۷	۸
کاغذ برائے ٹریکٹ اپیل وریپرز اسلامک ریویو	-	۷	۲۷
سٹیشنری	۰	۱۴	۵
متفرقات	۶	۶	۲۴
آفس امپرسٹ بل بابت ماہ جولائی ۱۹۴۱ء بہ تفصیل ذیل:-			
محصول ڈاک از نمبر ۳۳۰ تا ۴۳۹	-	۱۰	۲۳۲
کاغذ برائے اشاعت اسلام	۰	۵	۲۰
ترجمہ اشاعت اسلام	۰	۱۲	۸
سٹیشنری	۹	۹	۱۰
خرید کتب برائے فروخت	۰	۹	۲
متفرقات	۰	۴	۳
میزان کل:-	۹	۴	۲۶۶۲

مسجد ووکنگ میں آجاتے ہیں۔ نماز و خطبۂ عیدین کے بعد تمام احباب کو مشن کی طرف سے ہندوستانی طرز کی دعوت دی جاتی ہے (۷) رسالتمآب حضرت نبی کریم صلعم کے یوم ولادت کو بڑے تزک و احتشام سے منایا جاتا ہے۔ جس میں حضرت نبی کریم صلعم کی زندگی کے حالات پیش کئے جاتے ہیں (۸) دور دراز ممالک کے غیر مسلمین کو خط و کتابت کے ذریعہ تبلیغ کی جاتی ہے۔ انہیں اسلامی لٹریچر مفت بھیجا جاتا ہے۔ (۹) مسجد ووکنگ میں جو غیر مسلم و نومسلم زائرین آتے ہیں۔ ان کو اسلام کے متعلق صحیح معلومات بہم پہنچائی جاتی ہیں۔ (۱۰) ووکنگ مشن کے زیر اہتمام نومسلمین کی ایک جماعت لنڈن میں "برطانیہ عظمٰے کی مسلم سوسائٹی" کے نام سے اشاعت اسلام کی تحریک میں کوشاں رہتی ہے۔

(۵) مشن کے آرگن ۔ اس مشن کے فقط دو ہی ماہواری رسالے ہیں (۱) رسالہ اسلامک ریویو انگریزی۔ (۲) اس کا اردو ترجمہ رسالہ اشاعت اسلام لاہور۔ ان دو رسالوں کی کل کی کل آمد مشن ووکنگ انگلستان پر صرف ہوتی ہے۔ جس قدر مسلم پبلک ان رسالوں کی خریداری بڑھائے گی۔ اسی قدر مشن کی مالی تقویت ہوگی۔ ان دو رسالوں کے سوا مشن ووکنگ کا کسی اور رسالہ یا اخبار سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔

(۶) مشن کے تاثرات ۔ (۱) مشن کی اکیس۲۱ سالہ تبلیغی تگ و دو سے اس وقت تک ہزاروں کی تعداد میں یورپین و امریکن اخوان و خواتین اسلام قبول کر چکے ہیں۔ جن میں بڑے بڑے لارڈز۔ رؤساء۔ فضلاء۔ علماء۔ فلاسفر۔ پروفیسر۔ مصنف۔ ڈاکٹر۔ ماہرین علم طبعیات تاجر۔ مغربی متشرقین و فوجی شہرت کے نومسلمین ہیں۔ یہ نومسلمین نمازیں پڑھتے۔ روزے رکھتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ بعض تو تہجد تک کو خاص سوز و گداز سے پڑھتے ہیں۔ قرآن کریم کا با معنی روزانہ مطالعہ کرتے ہیں۔ چند ایک فریضہ حج بھی ادا کر چکے ہیں۔ اُن میں سے اکثر تبلیغ اسلام کی جد و جہد میں عملاً حصہ لے رہے ہیں۔ (۲) ان اکیس۲۱ سالوں میں لاکھوں کی تعداد میں اسلامی کتب۔ رسائل۔ پمفلٹ۔ ٹریکٹ مختلف مسیحی ممالک میں مفت تقسیم کئے جا چکے ہیں۔ جن کا نہایت ہی اچھا اثر ہوا ہے۔ اس مفت اشاعت سے یورپین حلقہ میں عیسائیت سے تنفر پیدا ہو چکا ہے۔ وہ لوگ عیسائیت سے بالکل بیزار ہو چکے ہیں۔ ان کا زیادہ تر رحجان طبع اب اسلام کی طرف ہو رہا ہے۔ کل کے کل مغرب و امریکہ میں اس وقت اسلامی تعلیم کی تشنگی روز بروز بڑھ رہی ہے۔ اس وقت مغربی دنیا کے مذہبی خیالات میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو چکا ہے۔ یورپ و امریکہ میں اب دشمنانِ اسلام۔ اسلام پر حملہ کرنے کی جرات نہیں کرتے۔ اس مشن کی اکتیس سالہ تبلیغی تگ و تاز نے اسلام کے متعلق مغربی ممالک میں ایک روادارانہ فضا پیدا کر دی ہے۔ کثرت سے لوگ مغربی لائبریریوں میں ووکنگ کی مرسلہ اسلامی کتب و رسالہ اسلامک ریویو کا مطالعہ کرتے ہیں مسجد ووکنگ میں ان غیر مسلمین کے خطوط کا رات دن تانتا بندھا رہتا ہے۔ غیر مسلم طبقہ میں سے اکثر احباب اسلامی لٹریچر کے مطالعہ کرنے کے بعد مختلف قسم کے استفسار کرتے ہیں۔ اور آخر کار اپنے شک و شکوک کو رفع کرنے کے بعد۔ اعلان اسلام کا فارم پُر کر کے شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان میں بمعہ اپنے فوٹو کے روانہ کر دیتے ہیں۔ ان کا اعلانِ اسلام بمعہ انکے فوٹو کے مشن کے آرگن میں شائع کر دیا جاتا ہے۔

(۷) انگلستان میں اشاعتِ اسلام مسلمانوں کی سیاسی اُلجھنوں کا بہترین سُلجھاؤ ہے قرآن کریم نے فلاح کے اصول کا ایک راستہ اشاعتِ اسلام تجویز کیا ہے۔ اشاعت کی غرض۔ غیروں کو اپنے میں شامل کرنا ہوتا ہے۔ یعنی انہیں اپنا ہمخیال اور ہم مذہب بنانا ہوتا ہے۔ اگر کسی قوم کی شماری طاقت۔ اس قوم کی سیاسی قوت کو بڑھا سکتی ہے۔ تو اس کے اصول کے لئے اشاعت ہی ایک بہترین طریق ہے۔ مغربی اقوام نے اس راز کو سمجھا۔ انہوں نے اسلام کی اتباع میں فوراً مشن قایم کئے۔ پھر اس وقت ہندوؤں نے پہلے شدھی کا راگ گایا۔ لیکن آج اچھوتوں کو اپنے میں ملانے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس ساری سرگرمی کی تہ میں وہی شماری طاقت مضمر ہے۔ ان حالات میں کیا ہمارا فرض نہیں کہ ہم اشاعت اسلام میں کوشاں ہوں۔ اور جب کہ گذشتہ پچیس تیس سالوں میں ہم ہر ایک دوسری کوشش اور مختلف قومی تحریکوں میں جو ہم نے اپنے سلجھاؤ کے لئے کیں۔ بالکل ناکام ہوئے ہیں۔ تو کیا ہمارا فرض نہیں ہے کہ مغرب میں اشاعت اسلام کو بھی ہم بطور تجربہ اختیار کریں۔ اگر بالفرض ہم آیندہ دس سال میں انگلستان میں بیٹھ کر حکمران قوم کے دس ہزار نفوس کو اپنے اندر شامل کر لیں۔ تو جس قدر ہماری سیاسی قوت بڑھ سکتی ہے۔ اس کا اندازہ صرف تصور ہی کر سکتا ہے۔ آج اگر انگلستان کے لوگوں کا ایک کثیر حصہ اسلام قبول کر لے۔ جن میں ہوس آف لارڈز و ہوس آف کامنز کے ممبر بھی ہوں۔ تو مسلمانوں کو اپنے حقوق کے لئے کسی سیاسی جد و جہد کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ اس صورت میں ہم کو ضرورت نہیں کہ ہم مسلم مدبرانِ سیاست کے وفود کو انگلستان بھیجکر انگریزی قوم کو اپنے ہم آزار کریں یا اپنے حقوق کی طرف توجہ دلائیں۔ وہ اسلام سے مشرف ہو کر مسلمانوں کے لئے اسلامی درد احساس سے خود بخود وہی کہیں گے اور کریں گے۔ جو ہم چاہتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہماری موجودہ سیاسی الجھنوں کا بہترین سلجھاؤ۔ انگلستان میں فریضۂ اشاعت اسلام کو ادا کرنا ہے۔ یوں تو مغرب کے اور ممالک بھی محض سیاسی ہم آہنگی پیدا کرنے کیلئے اشاعت اسلام کے دائرے میں آنے چاہئیں لیکن انگریزی قوم میں **اشاعتِ اسلام** ہمارا اوّلیں نصب العین ہونا چاہیئے۔

(۸) ووکنگ مُسلم مشن ایک عالمگیر اسلامی تحریک ہے دنیا بھر میں فقط ایک ہی اسلامی تحریک ہے۔ جس سے کُل مسلمانانِ عالم کو دلی محبت و ہمدردی ہے۔ کیونکہ یہ تحریک قیاسی و وہمی حالات سے نکل کر۔ اب ایک حقیقت ہو چکی ہے۔ یہ مشن اس وقت تک ٹھوس اسلامی خدمات سرانجام دے چکا ہے۔ اس تحریک کے ذریعہ شاندار نتائج نکل چکے ہیں۔ دنیا بھر کی اسلامی تحریکوں میں اگر کوئی تحریک گذشتہ تیس سالوں میں سرسبز و کامیاب ہوئی ہے۔ تو وہ یہی ووکنگ مشن کی اسلامی تحریک ہے۔ اس تحریک کے جاذبِ عالمِ اسلام ہونے کی وجہ صرف فرقی امتیازات سے اسکی بالاتری و آزادی ہے۔ یہ مشن جمیع مسلمانانِ عالم کا واحد مشن ہے اسکو کسی فرقۂ اسلام یا جماعت یا انجمن سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ اس کے ذریعہ سے یورپ و امریکہ میں فقط توحید و رسالت کی تبلیغ ہوتی ہے۔ اور اس غیر فرقہ وارانہ تبلیغی مسلک کی وجہ سے دنیا بھر کے مختلف مقامات کے مسلمان مسلسل اس کی مالی امداد کر کے یورپ میں اسے چلا رہے ہیں۔ اس اسلامی مشن کو عالمگیر مقبولیت حاصل ہے۔ ہندوستان کے علاوہ جاپان۔ چین۔ فلپائین۔ آسٹریلیا۔ سماٹرا۔ جاوا۔ بورنیو۔ سنگاپور۔ سیلون۔ افریقہ بلاد اسلامیہ۔ شمالی و مغربی امریکہ کے مسلم بھائی اس تحریک کی امداد کرتے رہتے ہیں۔

(۹) ووکنگ مسلم مشن انگلستان کی ذیل کے طریقوں سے امداد ہوسکتی ہے

(۱) یکمشت عطیہ کی صورت میں کچھ امداد دیں۔ (۲) اپنی ماہوار آمد میں سے کچھ حصہ مقرر کردیں۔ جو ماہ بماہ مشن کو پہنچتا رہے۔ (۳) ششماہی یا سالانہ رقم اس کار خیر کے لئے ارسال کریں (۴) رسالہ اسلامک ریویو کی خود بھی خریداری کریں اور انگریزی دان احباب کو بھی تحریک خریداری فرمائیں۔ سالانہ چندہ مبلغہ ہے۔ (۵) یورپ۔ امریکہ اور دیگر انگریزی دان مسیحی ممالک کی پبلک لائبریریوں میں مسلم بھائی اپنی طرف سے بطور صدقہ جاریہ۔ تبلیغ اسلام کی خاطر متعدد کاپیاں رسالہ اسلامک ریویو کی مفت جاری کرائیں۔ اس رسالہ کے ذریعہ ان کی طرف سے اسلام کا پیام غیرمسلموں تک پہنچتا رہے گا۔ اس صورت میں سالانہ چندہ پانچ روپے ہے (۶) رسالہ اشاعت اسلام اردو ترجمہ رسالہ اسلامک ریویو کی خریداری فرمائیں۔ اس کا حلقہ اثر وسیع فرمائیں۔ اس کا سالانہ چندہ ہے اور ممالک غیر کیلئے ہے۔ (۷) ووکنگ مسلم مشن سے جس قدر اسلامی لٹریچر انگریزی میں شائع ہوتا ہے۔ جو کتابوں۔ ٹریکٹوں اور رسائل کی صورت میں ہوتا ہے۔ اسے خود خریدیں۔ یورپ و امریکہ کے غیرمسلمین میں اسے مفت تقسیم کراکر داخل حسنات ہوں۔ تاکہ اسلام کا دلفریب پیام اس لٹریچر کے ذریعہ اُن تک پہنچتا رہے۔ اس مقصد کے لئے دفتر مشن ووکنگ میں مسیحی غیرمسلموں اور غیرمسلم مسیحی لائبریریوں کے ہزاروں پتہ موجود ہیں۔ جن کو آپ کی طرف سے مفت لٹریچر بھیجا جاسکتا ہے۔ اور اس کی ترسیل کی رسید۔ ڈاکخانہ کے تصدیقی سرٹیفکیٹ کے ذریعہ آپ تک پہنچا دی جاوے گی۔ (۸) شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان میں ہر سال بڑے تزک و احتشام سے عیدین کے تہوار منائے جاتے ہیں۔ جن میں بارہ صد کے لگ بھگ نفوس کا مجمع ہوجاتا ہے نماز و خطبہ کے بعد کل مجمع کو مشن کی طرف سے دعوت دی جاتی ہے جس پر مشن کو ڈیڑھ صد پونڈ (قریباً اٹھارہ صد روپیہ) کا ہر سال خرچ برداشت کرنا پڑتا ہے مسلم احباب اس مد میں امداد فرمائیں۔ (۹) ہر سال مسجد ووکنگ کے زیر اہتمام جلسہ میلاد النبی صلعم ہوتا ہے۔ اس پر بھی زر کثیر صرف ہوتا ہے جس میں کوئی نہ کوئی نومسلم حضرت نبی کریم صلعم کے اخلاق فاضلہ یا سوانح حیات پر بصیرت افروز تقریر کرکے غیرمسلمین یورپین احباب کو اس شخصیت کامل سے روشناس کرتا ہے۔ اس سعید تقریب پر بھی مشن کو خرچ کرنا پڑتا ہے۔ (۱۰) اپنی زکوٰۃ کا ایک کثیر حصہ مشن کو دیں۔ قرآن کریم کی رو سے اشاعت اسلام کا کام۔ زکوٰۃ کا بہترین مصرف ہے۔ (۱۱) فطرانہ عید میں اس کار خیر کو نہ بھولیں۔ (۱۲) عید قربان کے روز قربانی کی کھالوں کی قیمت سے اللہ کے اس پاک کام کی امداد فرمائیں۔ (۱۳) اگر آپ کا روپیہ بنک یا ڈاکخانہ میں جمع ہو۔ تو اس کا سود اشاعت اسلام کے لئے ووکنگ مشن کو دیں۔ علماء کرام نے اس کے متعلق فتوے دے دیا ہے کہ اسلام کی اشاعت میں یہ سود صرف ہوسکتا ہے۔ اگر آپ سود کی ان رقوم کو بنک یا ڈاکخانہ وغیرہ سے نہ لینگے تو اسلام کی اشاعت و حمایت کی بجائے۔ یہ رقم دشمنان اسلام کے ہاتھ چلی جاوے گی۔ جو اسے عیسائیت کی تبلیغ اور اسلام کے خلاف استعمال کرینگے (۱۴) قسم کی نذر۔ نیاز۔ صدقہ۔ خیرات۔ زکوٰۃ بجنیٹ کا بہترین مصرف ووکنگ مسلم مشن ہے۔

(۱۰) ووکنگ مسلم مشن کا سرمایہ محفوظ (ریزرو فنڈ)

ایک کارکن نظام کے لئے ازبس ضروری ہے کہ اس کے پاس معقول محفوظ سرمایہ ہو۔ یہ کام اکیس سال سے بہ احسن وجوہ یورپ میں اسلام کی اشاعت کر رہا ہے اس مشن کو ہمیشہ کے لئے انگلستان میں زندہ و قائم رکھنے کے لئے مینجنگ کمیٹی ٹرسٹ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس مشن کے لئے دس لاکھ روپیہ سرمایہ محفوظ میں جمع کیا جاوے۔ اس دس لاکھ روپے کو بنک میں بطور فکسڈ ڈیپازٹ رکھ دیا جائیگا۔ اگر مسلم قوم ہمت کرے۔ تو کوئی مشکل بات نہیں۔ اس سکیم کے روبراہ ہونے سے مشن آئے دن کی مالی مشکلات اور روز روز کی دریوزہ گری سے نجات حاصل کرسکتا ہے۔ اور آئے دن کی فراہمی امداد کی زحمت سے ہمیشہ کیلئے بے نیاز ہوکر آیندہ کیلئے کسی جیب کا محتاج نہ رہیگا۔ کیا چالیس کروڑ مسلم بھائی دس لاکھ روپیہ بھی اس کار خیر کیلئے فراہم نہ کرسکینگے۔

(۱۱) ووکنگ مسلم مشن کا نظم و نسق

یہ مشن ایک معتبر رجسٹری شدہ ٹرسٹ کے زیر اہتمام چل رہا ہے جس کے ٹرسٹیز اور ممبران مینجنگ کمیٹی کی امانت و دیانت مسلمہ ہے۔ یہ مشن اس وقت چار نگران کمیٹیوں کے ماتحت چل رہا ہے۔
(۱) بورڈ آف ٹرسٹیز۔ (۲) ٹرسٹ کی مجلس منتظمہ۔ (۳) لنڈن میں مسجد ووکنگ انگلستان کے مشن کی نگرانی کرنے والی کمیٹی۔ (۴) لٹریری کمیٹی (جو کتب کی طباعت و اشاعت کی منظوری دیتی ہے)۔ (۵) یہ ایک غیر فرقہ وارانہ ٹرسٹ ہے۔ اس ٹرسٹ کا کسی جماعت۔ کسی انجمن یا کسی فرقہ سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ مغربی ممالک میں اس کی تبلیغ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ تک محدود ہے۔

(۱۲) مشن کا مالی انتظام

(۱) مشن کی جملہ رقوم جو باہر سے آتی ہیں تین کارکنان مشن کی موجودگی میں موصول ہوکر۔ رجسٹرات آمد میں چڑھ کر ان ہر سہ کے تصدیقی دستخطوں کے بعد اسی روز بنک میں چلی جاتی ہیں۔ (۲) جملہ اخراجات متعلقہ دفتر لاہور و دفتر ووکنگ انگلستان۔ امپرسٹ کے ذریعہ ہوتے ہیں۔ جسے فنانشل سکرٹری صاحب منظور شدہ بجٹ کی حدود کے اندر پاس فرماتے ہیں (۳) آمد و خرچ کا بجٹ باضابطہ ہر سال پاس ہوتا ہے۔ (۴) سال بھر بجٹ کے ماتحت بل پاس ہوتے ہیں (۵) چیکوں پر تین عہدہ داران ٹرسٹ کے دستخط ہوتے ہیں۔ (۶) آمد و خرچ کی پائی پائی تک ہر ماہ رسالہ اشاعت اسلام لاہور میں شائع کردی جاتی ہے (۷) ہر ماہ کے حساب کو آڈیٹر صاحب پڑتال کرتے ہیں۔ تمام حساب کا سالانہ بیلنس شیٹ۔ جناب آڈیٹر صاحب کے تصدیقی دستخطوں کے ساتھ رسالہ اسلامک ریویو انگریزی میں شائع کردیا جاتا ہے۔

(۱۳) ضروری ہدایات۔

(۱) ٹرسٹ کے متعلق جملہ خط و کتابت بنام سکرٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ لاہور۔ پنجاب ہونی چاہیئے۔ (۲) جملہ ترسیل زر بنام فنانشل سکرٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور۔ پنجاب (ہندوستان) ہو۔ (۳) ہیڈ آفس۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور (پنجاب) ہے۔ (۴) انگلستان کا دفتر دی ماسک ووکنگ سرے انگلینڈ ہے۔
Address in England :- The Imam , The Mosque, WoKing , Surrey, England.
(۵) بنکرس۔ لائیڈ بنک لمیٹڈ لاہور و لنڈن ہیں۔ (۶) تار کا پتہ "اسلام" لاہور۔ (پنجاب۔ ہندوستان) +

تمام خط و کتابت بنام سکرٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ۔ عزیز منزل برانڈرتھ روڈ۔ لاہور (پنجاب۔ ہندوستان) فرمائیے